



۷۸۶

۹۲۱۱۰

یا صاحب الزماں اور کئی



لیک یا حسینؑ

نذر عباس
خصوصی تعاون: رضوان رضوی

اسلامی کتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری -

SABEEL-E-SAKINA

Unit#8,

Latifabad Hyderabad

Sindh, Pakistan.

www.sabeelesakina.co.cc

sabeelesakina@gmail.com

www.ziaraat.com

NOT FOR COMMERCIAL USE

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ملک مقیم ہیں
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔

منجانب۔

سبیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

حیات انسان کے چھ مرحلے

سید جواد حسینی آل علی شاہرودی



اسلام

”کیا تم نے پوری طرح سمجھ لیا ہے کہ اسلام کیا ہے؟“
اسلام ایک ایسا دین ہے جس کی بنیاد حق و صداقت پر رکھی گئی ہے۔
یہ علم کا ایک ایسا سرچشمہ ہے جس سے عقل و دانش کے متعدد چشمے پھوٹتے ہیں۔
یہ ایک ایسا چراغ ہے جس سے لاتعداد چراغ روشن ہوتے رہیں گے۔
یہ ایک ایسا بلند رہنما مینار ہے جو اللہ کی راہ کو روشن کرتا ہے۔
یہ اصولوں اور اعتقادات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو حق و صداقت کے ہر متلاشی کو
اطمینان بخشتا ہے۔

اے لوگو! جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اپنی برترین خوشنودی
کی جانب ایک شاندار راستہ اور اپنی عبودیت اور عبادت کا بلند ترین معیار قرار
دیا ہے۔ اس نے اسے اعلیٰ احکام، بلند اصولوں، محکم دلائل، ناقابل تردید تفوق
اور مسلمہ دانش سے نوازا ہے۔

اب یہ تمہارا کام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو شان اور عظمت بخشی
ہے اسے قائم رکھو۔ اس پر خلوص دل سے عمل کرو۔ اس کے معتقدات سے
انصاف کرو۔ اس کے احکام اور فرامین کی صحیح طور پر تعمیل کرو اور اپنی زندگیوں
میں اسے اس کا مناسب مقام دو۔“

(امام علی علیہ السلام)

تالیف سید جواد حسینی آل علی شاہرودی

ترجمہ پروفیسر علی حسنین شیفتہ

اصلاح و نظر کاظم علی گجراتی

کتابت اشرف راحت

طباعت مقصود پبلیکیشنز کراچی

طبع پنجم ۲۰۰۴ء مطابق ۱۴۲۵ھ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں: یہ کتاب کلی یا جزوی طور پر اس شرط کے ساتھ فروخت کی جاتی ہے کہ جامعہ ہذا کی پیشگی
اجازت حاصل کئے بغیر یہ موجودہ جلد بندی اور سرورق کے علاوہ کسی بھی شکل، تجارت یا کسی اور مقصد کی خاطر نہ تو
عاریہ کرائے پر دی جائے گی اور نہ ہی دوبارہ فروخت کی جائے گی۔ علاوہ ازیں کسی آئندہ خریدار یا بطور عطیہ حاصل
کرنے والے پر یہ شرط عائد نہ کرنے کے لئے بھی ایسی ہی پیشگی اجازت کی ضرورت ہوگی۔

کچھ اپنے بارے میں

حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید ابوالقاسم موسوی خوئیؒ کا قائم کردہ یہ بین الاقوامی ادارہ جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان اب حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی سیستانی دام ظلہ العالی کی سرپرستی میں دنیا بھر میں معتبر اور مستند اسلامی لٹریچر عوام تک پہنچانے میں کوشاں ہے۔ اس ادارے کا مقصد دور حاضر کی روحانی ضروریات کو پورا کرنا، لوگوں کو محکم اسلامی علوم کی طرف متوجہ کرنا اور اس گراں بہا علمی سرمائے کی حفاظت کرنا ہے جو اہلبیت رسولؐ نے ایک مقدس امانت کے طور پر ہمارے سپرد کیا ہے۔

یہ ادارہ اب تک اردو، انگریزی، فرانسیسی، سواحلی، گجراتی اور دیگر زبانوں میں سیکڑوں کتابیں شائع کر چکا ہے جو اپنے مضمولات، اسلوب بیان اور طباعت کی خوبیوں کی بنا پر فردوس کتب میں نمایاں مقام حاصل کر چکی ہیں۔ نشر و اشاعت کا یہ سلسلہ انسانیت کو صراطِ مستقیم کی شناخت کرواتا رہے گا۔ انشاء اللہ۔

اس کے علاوہ جامعہ ہذا تقریباً ۵۰۰ مدارس و مکاتب میں زیر تعلیم بچوں اور جوانوں کو اسلامی تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے میں اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔

دعوتِ اسلام ایک ایسا کام ہے جس کو فروغ دینے کے لئے ہم سب کو باہمی تعاون کرنا چاہئے۔ ادارہ آپ سب کو اس کار خیر میں شرکت کی دعوت دیتا ہے تاکہ اسلامی تعلیمات کو دنیا بھر میں عام کیا جاسکے۔

دعا ہے کہ خداوند منان بحق محمد و آل محمدؐ ہم سب پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔

شیخ یوسف علی نفسی

وکیل حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سیستانی دام ظلہ العالی

فہرست

۹	عرض مؤلف
۱۱	پہلا مرحلہ ————— عالمِ دُر
۱۴	انسان میں دینی احساس
۲۱	دوسرا مرحلہ ————— عالمِ اصلاّب
۲۴	وراثتی صفّیں
۲۶	اسبابِ طفرہ
۲۸	تخلیقِ جنین میں خوراک کا اثر
۳۱	جماع کے لیے مکرہ اوقات
۳۸	جماع کے لیے مستحب اوقات
۴۰	تیسرا مرحلہ ————— بطنِ مادر
۴۱	آیاتِ کریمہ
۴۲	خلیہ سے حیاتِ جنین کی ابتدا
۴۶	احادیثِ مقدسہ
۵۳	مسئلہ بداء
۶۳	چوتھا مرحلہ ————— عالمِ دنیا
۶۳	مادی گروہ
۶۴	روحانی گروہ
۶۶	تکاملِ حیات کی راہ
۶۷	تکاملِ ذات

۱۱۴	میت کے لیے دوسروں کے اعمالِ خیر
۱۱۷	اپنے مُردوں پر رحم کرو
۱۱۹	زیارتِ رفتگان
۱۲۲	چھٹا مرحلہ ————— معاد
۱۲۵	معاد کے خوفناک احوال
۱۳۰	نظریہ قیامت اور عقل
۱۳۲	عدلِ دلیل معاد ہے
۱۳۱	مخبرینِ صادقین نے قیامت کی خبر دی ہے
۱۳۲	مشاہدہ سب سے بڑی دلیل ہے
۱۴۵	ابراہیمؑ کے لیے مُردوں کا زندہ ہونا
۱۴۸	قیامتِ کبریٰ
۱۴۹	علامات و شرائطِ قیامت ————— رجعت
۱۵۹	یا جوج و ماجوج
۱۶۰	کچھ اور علامتیں
۱۶۳	نسخِ صورت
۱۶۴	اقتدارِ صرفِ خدائے واحد کا ہے
۱۶۸	تعقلِ قیامت
۱۶۹	عمرِ بنِ معدی کرب کا واقعہ
۱۷۰	قیامت کی خوفناک حالتیں
۱۷۲	دل اچھل کر حلقِ تک آجائیں گے
۱۷۶	تقویٰ لباسِ قیامت ہے

۶۸	تکاملِ ذات کی مثال
۷۱	حضرت سلیمانؑ کا زہد و قناعت
۷۴	تکاملِ حقیقی کا راز
۷۵	پانچواں مرحلہ ————— عالمِ برزخ
۷۶	مثالی جسم
۷۷	عالمِ برزخ میں احساسِ لذت و الم
۷۸	عالمِ برزخ کے وجود پر استدلال
۸۲	روایات و احادیث سے استدلال
۸۵	دلیلِ اجماع
۸۶	حکماءِ خدا شناس کے اقوال
۸۷	دلیلِ عقلی
۹۱	مومن کے لیے روزِ حشر سے پہلے کی سزا
۹۲	سوالِ منکر و نیکر
۹۳	مُردوں کو منتقل کرنے والے فرشتے
۹۵	ملائکہ نقالہ کا ایک قصہ
۹۸	سیدِ نعمت اللہ جزائریؒ کا ارشاد
۹۹	فتارِ قبر
۱۰۲	قولِ حضرت مفیدؒ
۱۰۳	حقیقتِ موت
۱۰۷	عذابِ قبر
۱۱۰	تخفیفِ عذابِ قبر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عرض مؤلف

قوموں کی نشوونما میں تربیت و تہذیب کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے تاکہ وہ اخلاقِ حسنہ سے متصف ہو کر دنیا و آخرت میں سعادت حاصل کر سکیں پس بچہ معاشرے کی تعمیر میں اس پہلی اینٹ کا مقام رکھتا ہے جسے اگر حسن تربیت کے ذریعے صحیح طور پر رکھا جائے تو ساری عمارت صحیح و مستقیم رہتی ہے، چاہے وہ کتنی ہی بلند و عظیم ہو۔

جس طرح بیج مناسب زمین اور مناسب آب و ہوا میں مناسب نگہداشت کا محتاج ہوتا ہے اور جس طرح مہمار اپنی تعمیر کی سلامتی اور مضبوطی کے لیے صحیح اوزان و پیمائش کا محتاج ہوتا ہے، بالکل اسی طرح بچے کے لیے بھی اس کے مختلف میلانات و رجحانات اور اس کی مختلف طاقتوں کے درمیان توازن و اعتدال پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ بھی مناسب نشوونما کے لیے مناسب ماحول کا محتاج ہوتا ہے۔

۱۷۸	پچاس ہزار سال کا دن
۱۸۱	لکھنے والے دو فرشتے
۱۸۷	خاتمہ
۱۸۷	وہ لوگ جو فرع اکبر سے محفوظ رہیں گے
۱۸۸	حُب اہل بیتؑ فرع اکبر سے بچاتی ہے
۱۹۴	حُب اہل بیتؑ قیامت میں خوف سے امان دلانے والی ہے
۲۰۲	اہل بیتؑ اور اُن کے محبوں کی فضیلت
۲۰۸	شفاعت اہل بیتؑ
۲۱۰	کون شافع اور کون مشفوع ہیں
۲۱۶	صراط
۲۱۷	پل صراط سے گزرنا
۲۲۰	اعراف اور طفل و معنوں
۲۲۲	کفار کے ناسمجھ بچے
۲۲۵	حقیقت جنت
۲۲۸	خلقت جنت و جہنم
۲۳۱	جنت اور اُس کی نعمتیں
۲۳۲	جنت کا کھانا پانی
۲۳۶	لباس جنت
۲۳۶	قصر ہائے جنت
۲۳۷	جہنم اور اُس کے متعلقات
۲۴۵	توبہ

● پہلا مرحلہ

عالمِ ذرّ

جاننا چاہیے کہ ہر وہ انسان جو اس دنیا میں آیا ہے وہ یقیناً چھ مرحلوں سے گزر رہے۔ جن میں سے پہلا مرحلہ عالمِ ذرّ یعنی وہ مرحلہ ہے جب انسان ننھے ننھے ذرات کی حالت میں تھا۔ پروردگارِ عالم نے اس مرحلے کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے:

”اور اس وقت کو یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم کی پشتوں میں سے اُن کی ذریت کو لیا اور اُن سے اُن کے اپنے نفسوں پر گواہی دلوائی کہ کیا میں تم سب کا رب نہیں ہوں؟“ تو اُن سب نے کہا کہ ”ہاں“ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہی ہمارا رب ہے۔ اللہ نے یہ اس لیے کیا کہ کہیں تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم تو اس حقیقت سے غافل تھے یا یہ کہو کہ ہمارے آباؤ اجداد نے پہلے ہی سے شرک اختیار کیا تھا

مناسب تربیت کی سب سے پہلی ذمہ داری والدین کے کاںڈھوں پر ہوتی ہے، کیونکہ گھر ہی بچے کا سب سے پہلا مدرسہ ہوتا ہے اور والدین اس کے سب سے پہلے معلم تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”ہر بچہ فطرت صحیحہ پر پیدا ہوتا ہے۔ مگر اُس کے والدین کبھی اسے یہودی بنا دیتے ہیں تو کبھی نصرانی!“

یہ کتاب ایک ناچیز سی کوشش ہے جسے میں فرزندِ اسلام کی خدمت میں اس عام جدوجہد میں شرکت کے خیال سے پیش کر رہا ہوں جو مفکرین اور تربیت کنندگان امت کی طرف سے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جاری ہے کہ ہماری نئی نسل کی تربیت دینِ اسلام کے مطابق ہو اور ہمارے نوجوان اپنی عظیم ثقافت سے آراستہ ہوں۔

میں نے اس کتاب میں ان چھ مرحلوں کا ذکر کیا ہے جن سے کتاب و سنت کی تصریح کے مطابق وجود انسانی کا گزر ہوتا ہے۔ نیز اس کے آخر میں جنت و جہنم کے بارے میں بہ عنوان خانہ ایک اور باب بھی شامل ہے۔ دعا ہے کہ خداوند کریم میری اس کوشش کو قبول فرمائے اور نوجوان ملت کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ اسلام کی تعلیمات سے بیشتر واقفیت پیدا کریں اور ان پر عمل کریں کہ اسی میں ہم سب کی فلاح مضمر ہے۔

(السید جواد الحسینی آل علی الشاہرودی)

اور ہم اُن کی اولاد تو بعد میں ہوئے۔ لہذا ہم نے اُن کی پیروی
کر لی“ (سورۃ اعراف - آیت ۱۴۲-۱۴۳)

پروردگار نے یہ بات اس لیے فرمائی ہے کہ حجت تمام ہونے اور امکان
علم کے بعد کوئی عذر قابل قبول نہیں رہتا۔ پس مقصد خداوندی یہ تھا کہ ہر شخص کو
اُس کے اپنے نفس پر گواہ بنا کر اُس سے اپنی ربوبیت کا اقرار کرالیا۔ جیسا کہ آیت
۱۴۳ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ”تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ تم اس حقیقت سے
غافل تھے“ یا یہ کہہ سکو کہ ”ہمارے آباؤ اجداد نے شرک اختیار کیا تھا۔ اُن کے
بعد ہم اُن کی اولاد ہوئے تو اے اللہ کیا تو ہمیں باطل پرستوں کے عمل پر ہلک
کر دے گا؟“

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اندھی تقلید کرنے والوں کے مذکورہ دونوں
عذروں کو اللہ نے اس طرح باطل کر دیا کہ عالم بشریت میں آنے سے پہلے ہی
اُن سے اپنی ربوبیت کا اقرار کرالیا اور اُس کے متعلق اُن سے عہدے لیا۔ لہذا
اگر انسان کی فطری صلاحیتوں کو والدین وغیرہ کے ہاتھوں مسخ نہ کیا جائے تو وہ
یقیناً خدا کے واحد کا اقرار کرے گا۔

پس مذکورہ بالا آیتوں سے ہم یہ نتیجہ تو نکال سکتے ہیں کہ اللہ نے اولادِ
آدمؑ میں سے ہر ایک کو خود اُس کے نفس پر گواہ بنایا اور اپنی ربوبیت کا اقرار کرالیا۔
لیکن ان آیتوں میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ یہ اقرار کیسے اور کہاں لیا گیا۔
ان امور کے بارے میں جو تفسیری روایات وارد ہوئی ہیں اُن میں کسی قدر
اختلاف ہے۔ بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے یہ اقرار حضرت آدمؑ علیہ السلام کی
خلقت کے وقت ان ذرات سے کروایا جو صلب حضرت آدمؑ میں تھے اور بعض
سے یہ کہ ان ذرات سے اقرار لیا جو مٹی میں تھے جس سے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا

اور تمام اولادِ آدمؑ کے ذرات اس میں شامل تھے۔ یہ ذرات اللہ کی قدرت سے
فہم و شعور رکھنے والے اور قابل خطاب تھے، جیسا کہ اللہ کے کلام سے ظاہر ہے کہ
اللہ نے کہا: ”کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟“ انہوں نے کہا: ”یقیناً تو ہے“
اس سوال و جواب کے بعد وہ ذرات دوبارہ اپنی سابقہ حالت کی طرف لوٹ گئے۔
اسی وجہ سے اس حالت کو ”عالمِ ذر“ کہا جاتا ہے۔

بعض دوسرے مفسرین نے یہ فرمایا ہے کہ یہ اقرار لینے کی جگہ یہی دنیا ہے
اور یہ دونوں آیتیں خلقتِ انسانی کے بارے میں اُس سنتِ الہیہ کی جانب اشارہ
کرتی ہیں جو ابتدا ہی سے جاری ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ انسان کی ذریت کو
صلبِ پدر سے رحمِ مادر کی طرف لاتا ہے اور پھر وہاں سے اسے اس دنیا میں پیدا
کرتا ہے۔ ان ساری کیفیات میں اللہ اسے اپنی قدرت اور وحدانیت کے آثار
دکھاتا ہے۔ دوسرے نقطوں میں یوں سمجھیے جیسا کہ بعض تفسیروں میں ہے کہ وہ
ذرات اور نطفے جو اصلا ب پدر سے نکل کر ارحامِ مادر میں داخل ہوئے ان میں
بصیرت و ادراک کی وہ قابلیت و صلاحیت موجود تھی جو اللہ نے انسان میں
و ولایت فرمائی تھی اور یہی فطرتِ صحیحہ و سنتِ الہیہ ہے۔ لہذا پروردگارِ عالم کا
سوال بھی بزبانِ حالِ تکوینی تھا اور ذرات کا جواب بھی بزبانِ حالِ تکوینی ہی
تھا اور اس طرح کی تعبیریں عرفِ عام میں اکثر پائی جاتی ہیں جیسا کہ بعض
ادیبوں کا قول ہے:

”زمین سے پوچھو کہ تیرے دریاؤں کو کس نے جاری کیا“
تیرے درختوں کو کس نے اگایا اور تیرے پھلوں کو کس نے

۱۳ تفسیر المیزان سورۃ اعراف

پکایا اگر وہ زبانِ قال سے جواب نہیں دے گی تو کم از کم زبانِ حال سے ضرور بتائے گی“
یا جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”پس اللہ نے آسمان و زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے آؤ تو دونوں نے کہا: ہم خوشی سے آتے ہیں“
(سورۃ فصلت - آیت ۱۱)

پس آسمانوں اور زمین کا یہ جواب زبانِ حال سے ہی تو تھا۔
انسان میں دینی احساس

بہ طور یہ البسا میثاق ہے جسے ہر انسان اپنی ذات و فطرت میں محسوس کرتا ہے اور اپنے وجود میں اس کے آثار کو سمجھتا ہے۔ محققین نے بیان کیا ہے کہ دینی احساس اور حس معرفت خالق انسان کے اصلی احساسات میں سے ہے اور یہی احساس انسان کو اس کی پوری زندگی میں اپنے خالق کی معرفت کے لیے ابھارتا رہتا ہے۔ جس کی بنا پر اس کے لیے حتیٰ سے اخراجات اور منحرف باپ دادا کی جاہلانہ تقلید میں کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔

اسی درجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ نور اسلام ہمیشہ ہی روشن رہا ہے۔ خواہ اس کے خلاف کتنا ہی پروپیگنڈہ کیوں نہ کیا گیا ہو اور صحیح اسلامی تبلیغ چاہے کتنی ہی کم رہی ہو کیونکہ حق کی طرف رغبت دلانے کا جذبہ انسان میں ذاتی و فطری طور پر پایا جاتا ہے اور یہ جذبہ اتنا ہی قوی ہوتا ہے کہ یہ اس کو انکشاف حقیقت پر ابھارتا رہتا ہے اور یہ حقیقت وہ صحیح اسلام ہے جو ہر زمانے میں انسان کی سعادت کا ضامن ہے اور یہی وہ فطرت ہے جس پر اللہ نے انسان کو خلق فرمایا ہے“
(سورۃ روم - آیت ۳۰)

متفق علیہ حدیث میں آیا ہے کہ ہر سچے فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین اس کو یہودی و نصرانی بنا دیتے ہیں“ اس حدیث شریف میں والدین کا خصوصی ذکر اس لیے آیا ہے کہ اکثر سچے والدین ہی کے دین پر پرورش پاتے ہیں اور اسی سے محبت کرتے ہیں۔ (سفینۃ البحار جلد ۲ صفحہ ۳۳۳) پس معلوم ہوا کہ انسانی وجود کا پہلا مرحلہ عالم ذر ہے یا انسان کے بارے جاری ہوئی سنت اللہ کا عالم ہے۔ صحیح تو یہ ہے کہ انسان سے اقرار لینے کا یہ واقعہ اس دنیا میں نہیں بلکہ عالم ذر میں پیش آیا جیسا کہ اس کی تائید میں بہت سی احادیث متواترہ موجود ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

① عبید اللہ حبشی نے امام باقر و امام صادق علیہما السلام سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: اپنی خلافت کے پہلے سال عمر بن خطاب حج کو چلے، جبکہ مہاجرین و انصار نیز امام علیؑ بھی حسن و حسین علیہما السلام اور عبداللہ بن جعفر سمیت ان کے ہمراہ تھے۔ جب عبداللہ احرام باندھ کر آئے تو وہ سرخ مٹی سے رنگا ہوا ایک ازار اور ایک چادر تھی۔ اس وقت خلیفہ عمر بن خطاب ایک ازار اور ایک چادر اور تھے تبلیغ پڑھتے ہوئے امام علیؑ کے پہلو میں چل رہے تھے۔ ان کی نظر عبداللہ پر پڑی تو اپنے پیچھے کے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا: احرام میں یہ کیا بدعت ہے؟

تب امام علیؑ نے اُن کی طرف دیکھا اور فرمایا: ”اے عمر! کسی کے لیے نزار اور نہیں کہ وہ ہم لوگوں کو سنت کی تعلیم دے“

عمر نے کہا: ”اے ابوالحسن! آپ نے سچ کہا، لیکن قسم بخدا مجھے علم نہیں تھا کہ آپ اس سے ناراض ہوں گے!“

راوی کا بیان ہے کہ یہ واقعہ ان کے سفر میں پیش آیا جب وہ لوگ مکہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ خلیفہ عمر نے حجر اسود کو

باری تعالیٰ نے پتھر کو پھر حکم دیا: ”اب اس کی حفاظت کرو اور میرے جو بندے تمہارا حق ادا کریں تو اُن کی گواہی دینا“ اُس وقت یہ پتھر اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں زمین پر اتر آیا۔

اس کے ساتھ ہی امامؑ نے فرمایا: ”اے عمر! جب تم نے پتھر کو بوسہ دیا تو کیا تم نے یہ نہیں کہا: میں نے اپنی امانت اور عہد ادا کیا ہے۔ تاکہ تو میرے حق میں اُس کی گواہی دے؟“

خلیفہ عمرؓ بولے: ”بخدا میں نے یہی کہا“
امامؑ نے فرمایا: ”تو پھر اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟“

(بخاری لاوارجلہ ۹۹ صفحہ ۲۲۷)

② ”یہ بھی اگلے ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والا پیغمبر ہے۔“

(سورۃ نجم - آیت ۵۶)

علی بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے اس آیت کے متعلق حضرت امام صادقؑ سے دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا: ”بے شک جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے عالمِ ذریں ساری مخلوق کو پیدا کیا تو ان کو آگے بچھے صفوں میں کھڑا کیا۔ پھر وہ محمدؐ کو ان کے سامنے لایا۔ پس ایک گروہ ان پر ایمان لے آیا اور دوسرے گروہ نے انکار کیا۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”یہ بھی اگلے ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والا پیغمبر ہے۔“ یعنی حضرت محمدؐ نے عالمِ ذریں بھی بندوں کو اللہ کی طرف دعوت دی تھی۔

(بخاری لاوارجلہ ۵ صفحہ ۲۳۴)

③ ”تم میں سے کوئی کا فس ہے اور کوئی مومن“

(سورۃ تغابن - آیت ۲)

حسین بن نعیم صحاف سے روایت ہے کہ میں نے اس آیت کے بارے

بوسہ دیتے وقت اس کو مخاطب کر کے کہا: ”قسم بخدا! مجھے یقیناً معلوم ہے کہ تو ایک پتھر ہے جو قلع و قلعان کا مالک نہیں۔ اگر رسول اللہؐ نے تجھ کو بوسہ نہ دیا ہوتا تو میں تجھ کو کبھی بوسہ نہ دیتا۔ امام علیؑ نے فرمایا: ”پتھر جاؤ اے ابو حفص! ایسا نہ کہو، یقیناً رسول اللہؐ اس پتھر کو کسی شخص و معین حکم کی بنا پر چومتے تھے۔ اگر تم قرآن پاک پڑھتے تو تمہیں اسکی حقیقت معلوم ہو جاتی جیسا کہ دوسروں کو معلوم ہے کہ یہ پتھر نفع و نقصان پہنچاتا ہے اور اسکی دو آنکھیں، دو ہونٹ اور ایک فصیح زبان بھی ہے۔ یہ اس شخص کی گواہی دیگا جو صحیح طریقہ سے اس کا حق ادا کرے۔“ عمرؓ نے کہا: ”اے ابو الحسن! کتاب اللہ میں اس بات کا ذکر کس مقام پر ہے؟“

امام علیؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”جب تمہارے پروردگار نے بنی آدمؑ کی پشتوں میں سے اُن کی ذریت کو حاضر کیا اور اُن کو خود اپنے نفسوں پر گواہ بنایا اور پوچھا کہ کیا میں تم سب کا رب نہیں ہوں؟ تو اُن سب نے کہا کہ ہاں! ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب ہے۔“

(سورۃ اعراف - آیت ۱۷۲)

جب انہوں نے فرمانبرداری سے اپنی عبودیت اور اُس کی ربوبیت کا اقرار کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن سے بیت الحرام کے حج کا عہد لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پانی سے بھی لطیف ایک تختہ پیدا کیا اور قلم کو حکم دیا کہ اس پر میرے اُن بندوں کا نام لکھ دے جو بیت اللہ کا حج ادا کر کے اُس کا حق ادا کریں گے۔ پس قلم نے اُس لطیف تختہ پر بنی آدمؑ میں سے اُن لوگوں کے نام لکھے جو اپنے عہد و پیمان کو مکمل طور پر پورا کریں گے۔ پھر پتھر کو کہا گیا: ”اپنا منہ کھولو!“ تب اُس نے منہ کھولا اور اُس لطیف تختہ کو نگل لیا۔

متعلق امام صادقؑ سے پوچھا: ”کیا یہ اقرار لینے کا واقعہ مشاہدہ کی حالت میں واقع ہوا تھا؟“

امامؑ نے جواب دیا: ”ہاں! اس طرح اللہ تعالیٰ کی معرفت نفسوں میں نقش ہوئی تھی۔ تاہم لوگ اس بات کو بھول گئے۔ مگر غریب وہ اس واقعہ کو یاد کریں گے۔ اگر یہ واقعہ پیش نہ آتا تو کوئی نہ جانتا کہ اس کا پیدا کرنے والا اور اس کو روزی دینے والا کون ہے۔ پس بنی آدمؑ میں سے بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے عالمِ ذیہ میں صرف زبان سے اقرار کیا اور صدق دل سے ایمان نہیں لائے۔“

(بحار الانوار جلد ۵ صفحہ ۲۳۷)

اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”مگر یہ لوگ جس کو پہلے جھٹلا چکے تھے۔ اس پر بھلا کا ہے کو ایمان لانے والے تھے؟“ (سورۃ اعراف - آیت ۱۰۱)

⑤ ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ امام علیؑ نے سورۃ اعراف کی آیت ۱۰۲ کی تفسیر میں فرمایا:

”اللہ سبحانہ تعالیٰ نے جب حضرت آدمؑ کو پیدا کیا اور اُن کی پشت پر مسح کیا تو اس میں سے ذرات کی صورت میں ان کی بے شمار اولاد نکلی۔ پھر باری تعالیٰ نے اُن کی اولاد کو عقل عطا فرمائی اور اُن سے اقرار لیا کہ اللہ تعالیٰ اُن کا رب اور وہ سب اُس کے بندے ہیں۔ اس طرح اُن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کر کے اپنے نفسوں پر اپنی عبودیت کی گواہی دی۔ اس سلسلے میں اور بھی روایات ہیں جو حدِّ تواثر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ (بحار الانوار: کتاب الامامت - باب ہیبت و میثاق - باب خلقِ امّہ و باب اخذ میثاقہم - کتاب النبوت - باب احوالِ آدمؑ - باب فضل الحجّ)۔“

میں امام صادقؑ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ”اللہ کے بندے، جب آدمؑ کی پشت میں ذرات کی صورت میں تھے تو باری تعالیٰ نے اُن سے عہد پیمان لیا اور ہماری ولایت کے قبول کرنے کو ان کا ایمان اور اس سے انکار کو ان کا کفر قرار دیا ہے۔“ (بحار الانوار جلد ۵ صفحہ ۲۳۷)

اس حدیث کو احمد بن محمد نے بھی ابن محبوب کے سلسلہ سند سے روایت کیا ہے۔

⑥ معلیٰ ابن خنیس سے روایت ہے کہ امام صادقؑ نے مجھ سے فرمایا: ”اے معلیٰ! یومِ نیروز (نوروز) سے مراد وہ دن ہے، جب اللہ تعالیٰ نے بندوں سے عہد پیمان لیا تھا کہ وہ اس کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کے رسولوں، جتوں اور ولیوں کی پیروی کیا کریں؟“

(بحار الانوار جلد ۵ صفحہ ۲۳۷)

⑦ حبیب بستانی سے روایت ہے کہ میں نے امام باقرؑ کو فرماتے ہوئے سنا: ”اللہ تعالیٰ نے جب اپنی ربوبیت اور ہر پیغمبر کی نبوت کے متعلق عہد پیمان لینے کے لیے اولادِ آدمؑ کو ان کی پشت سے نکالا تو پہلے حضرت محمدؐ کی نبوت کا عہد پیمان لیا۔ پھر حضرت آدمؑ سے کہا: ”ذرا نظر کرو کہ تم کیا دیکھتے ہو؟“ حضرت آدمؑ نے اپنی ذریت کی طرف نظر ڈالی جو اس وقت عالمِ ذریہ میں تھی اور اس سے آسمان بھر گیا تھا۔ انہوں نے تعجب سے کہا: ”یارب! میری اتنی ساری اولاد ہے؟“ تو نے ان کو کیوں پیدا کیا ہے؟ پھر اُن سے عہد پیمان لینے کا کیا مطلب ہے؟“ اللہ جل شانہ نے فرمایا: ”اس لیے کہ یہ لوگ میری عبادت کریں، میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔ میرے رسولوں پر ایمان لائیں اور ان کی اطاعت کریں۔“

(بحار الانوار جلد ۵ صفحہ ۲۳۶-۲۳۷)

⑧ ابن مسکان سے روایت ہے کہ میں نے سورۃ اعراف کی آیت ۱۰۲ کے

دوسرا مرحلہ

عالمِ اصلااب

ہر انسان کے لیے اصلااب پدر کے عالم میں ہونے کا دور بھی پایا جاتا ہے اور جب یہ دو ختم ہو جاتا ہے تو وہ تیسرے عالم کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

پروردگار عالم فرماتا ہے:

پس انسان کو چاہیے کہ دیکھے وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا۔ وہ

پیدا کیا گیا اُچھلنے والے پانی سے جو ریڑھ کی ہڈی اور پیلیوں کے

درمیان سے نکلتا ہے۔ (سورہ طارق - آیت ۵ تا ۷)

یہ پانی لہہ در حقیقت دو قسم کے پانی پر مشتمل ہوتا ہے۔ پہلا وہ جو مڑکی ریڑھ کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے اور دوسرا وہ جو عورت کے سینے کی اوپر والی

لہہ اچھلنے والے پانی سے مراد منی ہے۔ صلب سے مراد حرام مغز ہے اور ترائب سے مراد عورت کے سینے کی اوپر والی ہڈیاں ہیں۔ یہ آیت کریمہ اعجاز قرآنی کی ایک اہم دلیل ہے۔

عالمِ ذرّیں اس طرح کا اقرار لینا کچھ بعید بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اس حالت میں شعور اور خطاب کی قابلیت عطا کرنے پر اللہ تعالیٰ یقیناً قادر ہے بلکہ قرآن پاک کی بعض آیات سے یہ بھی ثابت ہے کہ تمام چیزوں میں یہاں تک کہ جمادات میں بھی شعور ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربّانی ہے:

”اور سارے جہان میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اُس کی حمد و ثنا کی تسبیح نہ کرتی ہو۔ مگر تم لوگ اُن کی تسبیح نہیں سمجھتے“

(سورہ بنی اسرائیل - آیت ۴۴)

پس جس طرح خود ہمارے خال میں سنتِ الہیہ کا نفاذ مشخص و معلوم ہے، اسی طرح اگرچہ ہم لوگ ان کی تسبیح کو نہیں سمجھ پاتے مگر وہ بھی سنتِ الہیہ کے مطابق جاری ہے۔

ہے۔ یہ گو دا پیٹھ کی عودی ہڈی میں ہوتا ہے۔“ پس اچھلنے والا پانی اوپر سے نیچے کو آتا ہے اور حرام مغز سے ہوتا ہوا خضتین لے میں داخل ہوتا ہے۔ لہذا حرام مغز اس کی پہلی منزل ہوتا ہے اور اس میں موجود پانی مرد کے نطفے کا اولین مادہ بنتا ہے جبکہ عورت کی منی کے لیے اس کے سینے کی اوپر والی ہڈیاں پہلا مقام ہوتی ہیں اور وہاں سے وہ رحم میں داخل ہوتی ہے اور آیت کریمہ انہی منزلوں کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ پس دوسرا مرحلہ وجود انسانی کا صلب پدر ہے جہاں اس کی منی کی تخلیق ہوتی ہے اور اس امر کو انسان بہت دنوں سے جانتا ہے کہ نطفے میں والدین کی بہت سی خصوصیات و صفات کو بچے کی طرف منتقل کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ نطفہ کسی درخت کے بیج کی مانند ہوتا ہے کہ جب اس بیج کو کاشت کیا جاتا ہے تو وہ اپنی نشوونما کے ساتھ ساتھ بتدریج اپنی خصوصی صفات اختیار کرتا جاتا ہے۔ یہی حال حیوانات کا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ پرندے اپنے ماں باپ کی شکل و صورت اور پروں کا رنگ بھی پالیتے ہیں۔ انسان کا بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔ حبشی اپنی جلد کی سیاہی، لچھے دار بالوں، چبھٹی ناک اور آنکھوں کے رنگ وغیرہ میں اپنے باپ دادا سے مشابہت رکھتا ہے۔ اسی طرح ہر بچہ اپنے والدین کے اعضا اور

لے امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ خضیوں کا کھانا اس لیے حرام کیا گیا کہ یہ جماع کا مقام اور منی کی گزرگاہ ہوتا ہے۔ اہل سائنس نے اب اس حقیقت کو معلوم کر لیا ہے کہ خضیہ منی کی گزرگاہ ہوتے ہیں اور ریڑھ سے آکر منی ہمیں اترتی ہے۔

امام موسیٰ کاظمؑ نے اپنے آباء طاہرینؑ کے سلسلے سے امیر المومنین علیؑ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ ”رسول اللہؐ“ تو گردوں کو بھی ان کی حرمت کے بغیر ان کے پیشاب سے قریب ہونے کی وجہ سے نہیں کھاتے تھے۔“

ہڈیوں میں سے نکلتا ہے اور غالباً ان دونوں کو ایک پانی اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ آپس میں مل کر ایک ہو جاتے ہیں اور یہی وہ مخلوط نطفہ ہے جس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”ہم نے انسان کو نطفہ مخلوط سے پیدا کیا ہے۔“

(سورہ دھر- آیت ۲)

چونکہ انسان کی خلقت جس نطفے سے ہوتی ہے وہ مرد اور عورت دونوں کی منی سے مخلوط ہوتا ہے۔ لہذا اللہ نے اس کو ”مخلوط“ کی صفت سے تعبیر فرمایا اور یہ حقیقت اس صدی سے پہلے کے لوگوں کو معلوم نہیں تھی لے کہ بچے کی پیدائش مرد و عورت دونوں کی منی سے ہوتی ہے بلکہ لوگ یہی سمجھتے تھے کہ بچہ صرف اپنے باپ کی منی سے پیدا ہوتا ہے یا یہ کہ بچہ مرد کی منی سے اور بچی عورت کی منی سے پیدا ہوتی ہے۔ مگر قرآن مجید نے ثابت کر دیا کہ مولود خواہ مذکر ہو یا مادہ، دونوں ہی کی منی کے اختلاط سے پیدا ہوتا ہے۔

آج جدید سائنسی علوم میں یہ معلوم کر لیا گیا ہے کہ مرد کی منی اس کی ریڑھ کی ہڈیوں میں بنتی ہے اور عورت کی منی اسکے سینے کی اوپر والی ہڈیوں میں بنتی ہے۔ پس جب یہ دونوں پانی عورت کے رحم میں پہنچ کر ایک ہو جاتے ہیں تو بچے کی خلقت شروع ہوتی ہے اور اچھلنے والا پانی ایک اقل اور ناطق انسان کی شکل اختیار کرنے لگتا ہے۔ امام جعفر صادقؑ علیہ السلام کی ایک حدیث میں ہے کہ ”ریڑھ کے گودے کو اس لیے حرام قرار دیا گیا ہے کہ ہر عورت و مرد میں اچھلنے والا پانی ہمیں سے گزرنا

لے بیسویں صدی کے آخر میں علمی طور پر معلوم کیا گیا کہ مرد کی ریڑھ والی ہڈی میں اس کی منی بنتی ہے اور عورت کے سینے کی اوپر والی ہڈیوں میں منی بنتی ہے۔

رنگ کو طبعی طور پر حاصل کر لیتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ غلیات جن سے جنین کی تخلیق ہوتی ہے اور ان میں آباء و اجداد کی صفیں موجود ہوتی ہیں جلا تک وہ اپنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ بغیر خورد بین کے ان کو دیکھا نہیں جاسکتا۔ پھر بھی وہ ان تمام طبیعیاتی اور کیمیائی خصوصیتوں کو اپنے میں محفوظ رکھتے ہیں جن سے انسان کی ماہیت کا تعین ہوتا ہے۔

مقام حیرت ہے کہ غلیات میں عوامل وراثت کیسے چھپے ہوتے ہیں؟ وہ پروٹوپلازما کو تساجزو ہوتے ہیں؟ یا کہاں ہوتے ہیں کہ جہاں سے ان کو یہ ساری مشابہت حاصل ہوتی ہے۔

وراثتی صفیں

جدید علوم کے ماہرین عظیم کوششوں اور گہری تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ غلیات میں بیضوی شکل کی کنارے دار گٹھلیاں ہوتی ہیں جن کے اندرونی حصے میں نہایت چھوٹے چھوٹے اجسام ہوتے ہیں جو خلیہ کو توڑنے سے ظاہر ہوتے ہیں۔ ان اجسام کا نام انہوں نے ”کروموسوم“ رکھا ہے اور ان ”کروموسومات“ میں نہایت چھوٹے چھوٹے جسم ہوتے ہیں جن کو وہ ”جینیات“ کا نام دیتے ہیں اور انہوں نے ثابت کیا ہے کہ ماں باپ کی وراثتی صفیں ان ہی اجسام کے ذریعے بچے میں منتقل ہوتی ہیں۔

شرع مقدس اسلام نے اس حقیقت کی طرف بھی توجہ دلائی ہے اور وہ یوں کہ سورۃ دہر کی دوسری آیت میں اللہ نے فرمایا ہے کہ: ”ہم نے انسان کو لطفہ امشاج سے پیدا کیا“ تو ”امشاج“ کے معانی میں سے ایک معنی ”طبائع مختلفہ“ بھی ہیں بعض تفسیروں میں لفظ ”امشاج“ کی تشریح

میں کہا گیا ہے کہ ”اس سے مراد مختلف طبیعتیں ہیں۔ جیسے گرمی سردی خشکی اور تری وغیرہ جو لطفے میں شامل ہوتی ہیں اور پھر ان ہی حیوانی طبیعتوں میں اللہ نے اعتدال پیدا کر کے اس میں حیات کی بنیاد رکھ دی اور پھر اسکو سمات و بصارت جیسی نعمتیں عطا کر دیں۔ پس برکت والا ہے وہ اللہ جو رب العالمین ہے“

حدیث نبوی میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ”اس بارے میں نگاہ رکھو کہ تم اپنی اولاد کو کس طرف میں رکھ رہے ہو۔ کیونکہ عروق نسوانی ”وساس“ ہوتی ہیں“ لفظ ”وساس“ کی تشریح کرتے ہوئے مشہور لغت المنجد کے مؤلف نے لکھا ہے کہ اس سے مراد ”اخلاق والدین کو بچوں کی طرف منتقل کرنے والی“ ہے اور وراثت طبعی میں اس کا زبردست اثر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کو نصیحت کرتے تھے کہ وہ زوجیت میں احتیاط کریں۔ یعنی بیج ڈالنے سے پہلے یہ دیکھ لیا کریں کہ زمین بھی صالح ہے یا نہیں تاکہ اولاد میں ماں کی طرف سے بُری صفات پیدا نہ ہوں۔ امیر المؤمنین امام علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ ”حسن خلق شرافت نسب کی دلیل ہے“ یہ حدیث ثابت کرتی ہے کہ کسی فرد کی عمدہ خصلتوں سے اس کی خاندانی پاکیزگی کو جاننا ممکن ہے۔

امام حسین علیہ السلام کی زیارت وارثہ میں الفاظ آتے ہیں: ”میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ بلند مرتبہ اصحاب اور پاکیزہ ارحام میں نور تھے۔ اس جملے میں بھی اس امر کی دلالت موجود ہے کہ انعقاد لطفہ کے لیے مرد کا صلب اور عورت کے سینے کی ہڈیاں طرف ہوتی ہیں اور اس کا بھی ثبوت ہے کہ عمدہ صفات ماں باپ سے وراثت میں ملتی ہیں۔

سفید رنگ کے پیدا ہوتے ہیں جبکہ ان کے ماں باپ ایسے نہیں ہوتے۔ اس اتفاقی چھلانگ کے حسب ذیل دو بڑے سبب ہو سکتے ہیں:

اسباب طفرہ

اول یہ کہ بطور طفرہ پیدا ہونے والی نسل میں جو صفیں ظاہر ہوئیں وہ سابقہ نسلوں میں اگرچہ دور کی نسلیں ہوں، موجود تھیں مگر ظاہر نہیں ہو سکی تھیں بلکہ پوشیدہ رہ گئی تھیں۔ پھر کچھ ایسے مناسب حالات پیدا ہوئے کہ ان نسلوں میں وہ پوشیدہ صفیں ظاہر ہو گئیں۔

امام علی رضا علیہ السلام نے اپنے آباء و اجداد کی سند سے بیان کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص سے پوچھا: ”کیا پیدا ہوا ہے تمہارے یہاں؟“

اس نے کہا: ”یا رسول اللہ! پیدا کیا ہونا ہے! یا لڑکا یا لڑکی!“

پیغمبر نے پوچھا: ”وہ کس سے مشابہ ہوگا؟“

اُس مرد نے کہا: ”اپنی ماں کے مشابہ ہو گیا یا اپنے باپ کے!“

آنحضرتؐ نے فرمایا: ”یہ نہ کہو، کیونکہ نطفہ جب رحم مادر میں قرار پاتا ہے تو اللہ حضرت آدمؑ سے لے کر اس بچے تک جتنی نسلیں گزر چکی ہیں، سب کو پیش کرتا ہے۔ کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی؟ جس میں ارشاد باری ہے:

”جس صورت میں بھی اللہ چاہتا ہے تجھے بنا دیتا ہے“

(سورۃ الفطار - آیت ۸)

یعنی خدا تمہارے اور حضرت آدمؑ کے درمیان کی تمام صورتوں میں سے کوئی

ایک صورت بنا دیتا ہے“ لہ

لہ بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۹۴

بعض روایات میں ہے کہ حضرت محمد حنفیہ رضی اللہ عنہ جنگ جمل میں امیر المؤمنین علیہ السلام کے علمبردار تھے۔ پس جناب امیرؑ نے ان کو حکم دیا کہ وہ دشمن کی فوج پر بڑھ کر حملہ کریں۔ وہ کچھ دور بڑھے لیکن نیزوں اور تیروں کی بوچھاڑ نے ان کو مزید بڑھنے سے روک دیا اور وہ کچھ دیر اپنی جگہ پر کھڑے رہے۔ یہ دیکھنا تھا کہ امیر المؤمنینؑ تیزی سے ان کے پاس آئے اور فرمایا: ”ان ہی نیزوں اور تیروں میں بڑھ کر حملہ کرو!“

وہ کچھ اور آگے بڑھے مگر پھر ٹھہر گئے۔ امامؑ نے اپنے بیٹے کا یہ حال دیکھا تو بڑھ کے ان کے پاس گئے۔ اپنی تلوار کا دستہ ان کے سینے پر مارا اور فرمایا: ”یہ تم میں تمہاری ماں کا اثر آگیا ہے“ اور خود یوں حملہ آور ہوئے کہ صفوں کو چیر کر رکھ دیا۔

جناب امیرؑ نے اپنے اس جملے سے ثابت کر دیا کہ وہ ضعف و تردّد جو حضرت محمد حنفیہؑ سے ظاہر ہوا وہ انہیں ان کے باپ سے وراثت میں نہیں ملا تھا۔ کیونکہ حیدر کرارؑ کے یہاں کم ہمتی کا کوئی شائبہ بھی نہیں مل سکتا۔ لہذا جناب محمد حنفیہؑ کا یہ توقف ان کی ماں کے اثر سے تھا۔

طفرہ

اس کے باوجود کبھی کبھی اس اصول کے خلاف بھی نظر آتا ہے کہ بعض بیٹوں میں ان کے باپ کی صفیں کچھ بھی منتقل نہیں ہوتیں اور ہم بہت سی مثالوں میں دیکھتے ہیں کہ قانون وراثت کا فرما نہیں ہوتا اور یہ بات انسان، حیوان اور نباتات سب ہی میں دیکھی جاسکتی ہے کہ صفیں جامد ہو کر رہ جاتی ہیں اور سابق سے لاحق تک نہیں پہنچتیں۔ اسے ”طفرہ“ (اتفاقی چھلانگ) کہا جاتا ہے۔ مثلاً، ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لڑکے سفیدی مائل آنکھوں، سرخ بالوں اور

شرع مقدس میں بعض اوقات اور بعض حالات میں جماع کرنے سے منع بھی کیا گیا ہے۔ جدید علوم کے ماہرین شاید اس نہی میں پوشیدہ رموز کو بھی

اس کا مادہ منویہ بہتر ہو جاتا ہے اور بچہ خوبصورت پیدا ہوتا ہے اور بعض میں کہا گیا ہے کہ ناشپاتی رنگ کو صاف کرتی ہے اور بچے کو خوبصورت بناتی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امیر المومنینؓ سے فرمایا: ”اے علیؓ! جو تین دن تک مسلسل نہار منہ ناشپاتی کھائے تو اُس کا ذہن صاف ہو جاتا ہے۔ علم و حلم سے پُر ہوتا ہے اور ابلیس و فوج ابلیس سے محفوظ رہتا ہے“

کتاب الوسائل ہی کے باب اطعمہ و اشربہ میں پیغمبر اکرمؐ کی امام علیؓ کے لیے یہ نصیحت بھی منقول ہے کہ ”اے علیؓ! نو چیزوں سے نسیان کا مرض پیدا ہوتا ہے:

۱۔ کھٹا سیب

۲۔ گزبرہ (کشیز)

۳۔ پنیر

۴۔ جو ہے کا جھوٹا کھانا

۵۔ قبروں پر لکھی ہوئی عبارت پڑھنا

۶۔ دو عورتوں کے درمیان چلنا

۷۔ جو میں پڑ جانا

۸۔ مقام نقرہ (سزین کے اوپر کے ایک مقام) میں فصد کھلوانا

۹۔ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا

اور انار کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ ”جو شخص انار کھائے اس کا قلب روشن ہو جاتا ہے اور جس کا قلب روشن ہو جائے اُس سے شیطان دُور رہتا ہے“

دوم یہ کہ طبیعت میں کچھ ایسے اسباب پیدا ہوجاتے ہیں جو ”جنیات“ ہیں ابتدائی تغیر کا باعث بنتے ہیں جن کے نتیجے میں نئی صفیں پیدا ہوتی ہیں۔ اس صورت میں تین قسم کے حالات ممکن ہیں:

۱۔ وراثتی صفات کا مسلسل ظاہر ہوتے رہنا۔

۲۔ بعض وراثتی صفات کا کسی نسل میں مخفی ہو جانا اور ایک مدت تک مخفی حالت میں پڑے رہنا۔

۳۔ نئی صفات کا ظاہر ہو کر آگے کے لیے مسلسل ہو جانا۔

تخلیق جنین میں خوراک کا اثر

ہم نے طبیعت میں بعض ایسے اسباب پیدا ہونے کا جو ذکر کیا ہے، جن سے وراثتی صفات میں تغیر واقع ہوتا ہے، اس کی تائید ان حدیثوں سے ہوتی ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ بعض چیزوں میں بعض صفات پیدا کرنے کی خاصیت ہوتی ہے۔ یعنی ان کے ذریعے قانون ”طفرہ“ تک پہنچنا ممکن ہو جاتا ہے۔ جیسے بعض غذاؤں کے بارے میں ہے کہ ان کا اثر نطفے تک پہنچتا ہے۔ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ احادیث مبارکہ میں نسل کو خوبصورت بنانے کے لیے بعض چیزوں جیسے ناشپاتی، سیب اور خرما وغیرہ کھانے کی تاکید کی گئی ہے۔

۱۔ کتاب الوسائل کے باب ”اطعمہ و اشربہ“ میں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیرؓ سے فرمایا: ”ناشپاتی کھایا کرو۔ کیونکہ اس میں تین خصوصیات ہوتی ہیں: وہ دل جمعی عطا کرتی ہے۔ تخیل کو سخی بنا دیتی ہے اور بزدل کو شجاعت دلاتی ہے۔

کتاب مذکور کی بعض حدیثوں میں ہے کہ جو شخص نہار منہ ناشپاتی کھائے

جماع کے لیے مکروہ اوقات
فقہا کرام نے آٹھ وقتوں میں جماع کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے:

الگ ہوں تو ہر ایک میں مرض ہے۔

یہ تو احادیث کا تذکرہ تھا اور علمائے طبعیات نے کہا ہے کہ جب کوئی شخص جماع کا ارادہ رکھتا ہو تو ضروری ہے کہ اس کی غذا میں غذائیت کے لیے لازم تمام اجزاء خصوصاً دامن اے ضرور شامل ہو۔ انہوں نے بتایا ہے کہ جماع کے وقت اگر باپ کا نطفہ نہریلے اجزاء سے متاثر ہوگا تو بچہ ناقص ہوگا یا بد شکل ہوگا۔ یہ ذہریلہ پین فاسد قسم کی چیزوں کے کھانے سے پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح نشہ اور مشروبات کا بھی پیٹ کے بچے پر برا اثر ہوتا ہے کیونکہ وہ صلب پدر میں نطفے کو مسموم بنا دیتا ہے۔ اسی وجہ سے ماہرین اس سے پرہیز کا مشورہ دیتے ہیں اور شرع مقدس اسلام نے ماہرین کے اس نتیجے تک پہنچنے سے بہت پہلے ہی اس کے نقصان سے لوگوں کو آگاہ کر دیا تھا۔

چونکہ گفتگو یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ نشہ آور چیزوں سے نطفہ مسموم ہو جاتا ہے لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نشہ آور چیزوں کے عقلی، خلقی، اجتماعی اور صحت سے متعلق نقصانات کو بھی بیان کر دیا جائے۔ چنانچہ بعض ماہرین نے تولیدِ نسل سے متعلق اعضا پر الکحل کے برے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

چمڑے سمیت بھر کا کباب سیسے کے ظرف میں تیار کی ہوئی شراب اور الکحل نطفہ کو مسموم بنانے کے اسباب میں سے ہے۔ ماہرین نے کہا ہے کہ الکحل جنسی احساس کو کمزور کر دیتا ہے۔ انسان کو بے اثرم بنا دیتا ہے اور انجامِ مبینی سے محروم کر کے بغاوت و فحاشی پر ابھارتا ہے۔ نیز مختلف امراض بھی پیدا کرتا ہے۔ اس کے

اسی طرح دریافت کر لینگے جس طرح انہوں نے بعض غذاؤں کے اثرات کو مادہ منویہ اور اس سے پیدا ہونے والے بچے کے بارے میں معلوم کر لیا ہے۔

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ”اگر میں عراق میں ہوتا تو سورانی انا رکھاتا اور فرات میں غسل کرتا۔“

آپ ہی نے فرمایا ہے کہ ”انار کو گودے سمیت کھاؤ کیونکہ وہ معدے کی اصلاح کرتا ہے اور ذہانت میں اضافہ کرتا ہے“

خرمے کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ”ایک مرتبہ رسول اللہؐ کے پاس خرمے بطور ہدیہ بھیجے گئے۔ آنحضرتؐ نے لانے والوں سے پوچھا: یہ کونسے خرمے ہیں؟“ انہوں نے کہا: ”برنی قسم کے اے خدا کے رسول!“ حضورؐ نے فرمایا: ”دیکھو یہ جبریلؑ بتا رہے ہیں کہ اس قسم کے خرموں میں ۹۹ مصیبتیں ہوتی ہیں:

- ① شیطان کو ناتواں بناتا ہے
- ② کمزور قوت پیدا کرتا ہے
- ③ قوت جماع کو بڑھاتا ہے
- ④ اللہ سے قریب کرتا ہے
- ⑤ قوت سماعت اور بصارت کے لیے نفع بخش ہے
- ⑥ شیطان سے دور رکھتا ہے
- ⑦ کھانا ہضم کرتا ہے
- ⑧ امراض کو دفع کرتا ہے
- ⑨ منہ میں خوشبو پیدا کرتا ہے

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ ہر خرمے کے ساتھ ایک نیکی ہے۔

پنیر کے بارے میں یہ مروی ہے کہ وہ دن کے وقت نقصان دہ ہوتا ہے اور رات کو نفع بخش ہوتا ہے اور پیٹھ کے پانی میں اضافہ کرتا ہے۔ امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ پنیر اور اخروٹ اگر اکٹھے ہو جائیں تو ہر ایک میں شفا ہے اور اگر

۱۔ چاند گرہن کی رات

۲۔ سورج گرہن کے دن

۳۔ زوال آفتاب کے وقت (جمعرات کے علاوہ کسی دن میں)

۴۔ غروب آفتاب کے وقت، جب تک شفق نہ ڈھل جائے۔

نہایت لطیف صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں۔ یہ تمام لطیف صلاحیتیں شراب پینے اور دوسری نشہ آور چیزوں کے استعمال سے ضائع ہو جاتی ہیں۔ طب جدید نے اس کے ہلکے آثار کے بارے میں تحقیق کی ہے اور ماہرین اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جسم انسانی پر اس کے نہایت بُرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مخلص معالج اس لغت سے پرہیز کرنے ہی کا مشورہ دیتے ہیں اور اُس کی برائیاں بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ مولف جلیل شیخ محمد خلیلی اپنی کتاب ”المغریات العشر“ (یعنی دس تباہ کن اشیاء) میں دائرۃ المعارف سے علامہ بستانی کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ ”شراب انسان کی اہم باریک لسنوں پر اثر انداز ہوتی ہے اور اُس کے مسلسل استعمال سے جسم کا ہر عضو بیمار ہو جاتا ہے۔ خصوصاً اعضائے رئیسہ پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔ اس کے نقصانات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ نظام ہضم کو بھی خراب کرتی ہے اور خرابی ہضم سے سارے جسم پر جو بُرا اثر پڑتا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں کیونکہ غذا ہی حیات و تندرستی کو باقی رکھنے کا واحد سہارا ہے۔

علاوہ بریں شراب کا اثر دوران خون پر بھی پڑتا ہے کیونکہ الکحل کے سبب سے یاریکا اور موی تمام لسنیں پھیل جاتی ہیں۔ نیز جگر سمیت تمام اعضائے اس کا میل جمع ہونا ہوتا ہے جس کے نتیجے میں رگیں سخت ہو جاتی ہیں اور اپنے معمول کے عمل سے قاصر ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح الکحل سے گرنے بھی متاثر ہوتے ہیں اور کبھی کبھی اُن میں اتنی سوزش پیدا ہو جاتی ہے کہ خونی پیشاب آنے لگتا ہے۔ کیونکہ گرنے پیشاب کو صاف کرنے سے قاصر ہو جاتے ہیں اور خون پیشاب میں مل

اجتماعی نقصانات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ انسان کی نسل میں کمزوری پیدا کرتا ہے اور کبھی کبھی تیسری یا چوتھی نسل میں بانجھ پن کا باعث ہوتا ہے۔ نیز وہ پہلی یا دوسری نسل میں سلی کے مرض کا باعث بھی ہو سکتا ہے جو کہ ایک ہلکے مرض ہے علاوہ بریں شراب نوشی سے معاشرے پر جو نہایت بُرا اثر پڑتا ہے اس سے بھی ہمیں غافل نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ نشہ کرئیوالوں کے بچے بھی غیر صالح ماحول میں بُری طرح نشوونما پاتے ہیں اور ان کے باپ ان کے لیے بدترین نمونہ پیش کرتے ہیں لہذا وہ بھی اس غلط راہ پر چل پڑتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جو جس حالت میں بچپن گزارتا ہے اسی حالت پر وہ جوان بھی ہو جاتا ہے۔

بہر طور نشہ کرنے والے اپنی اولاد کے لیے کوئی اچھا نمونہ نہیں پیش کرتے ماہرین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ نشہ کی عادت رکھنے والے دوسروں کے مقابلے میں عمر بھی کم پاتے ہیں۔ مدافعت امراض کی قوت بھی ان میں کم ہوتی ہے اور کام کاج میں بھی ان کی کارکردگی بہتر نہیں ہوتی۔ (کتاب الخمر از شیخ محمد رضا سادی) حفاظت حیات کے بارے میں متمدن ملکوں میں کام کر نیوالے ادارے واقعی اس امر پر متفق ہیں کہ شرابیوں کی عمریں دوسروں کے مقابلے میں کمتر ہوتی ہیں اور شرابی مریضوں میں موت کا تناسب غیر شرابی مریضوں کے مقابلے میں دو چند کے قریب ہوتا ہے۔

جہاں تک صحت پر شراب کے بُرے اثرات کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں بھی سن لیجیے کہ انسانی جسم نہایت لطیف واقع ہوا ہے اور خلاق عالم نے اسے

۵ — محاق کی راتوں میں (قمری جینے کی وہ دو باتیں راتیں جب چاند بالکل غائب ہوتا ہے)۔

جاتا ہے جس سے دوران خون میں خلل پڑتا ہے اور اس طرح جسم کی قوت مدافعت امراض کے مقابلے میں ختم ہو جاتی ہے اور جراثیم کو حملہ کرنے کا بھرپور موقع ملتا ہے جس کے خطرناک نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ شراب کے اثرات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شراب کی عادت سے سرطان پیدا ہوتا ہے اور کچھ دوسرے خطرناک امراض بھی اس سے پیدا ہوتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ مذکورہ امراض میں سے ہر ایک ایسا ہے کہ عقلمند کو اس سے بچنے کے لیے اس کو پیدا کرنے والے اسباب سے بچتے رہنا چاہیے چاہے دین کی طرف سے کوئی مخالفت نہ بھی ہو۔ پس ایسی صورت میں جبکہ ہمارے دین نے اس چیز سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے، یہاں تک کہ اس کی خرید و فروخت اور تیاری کو بھی حرام قرار دیا ہے اور اسے نجس العین کہا ہے تو ہم کیسے نہ پرہیز کریں۔

پروردگار عالم فرماتا ہے: ”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو شراب جو“ انصاف اور ازالہ توہین اعمال شیطان کی گندی چیزیں ہیں لہذا تم لوگ اس سے پرہیز کرو تا کہ فلاح پاسکو۔ یقیناً شیطان تو ایسے یہ چاہتا ہے کہ وہ تمہارے درمیان شراب اور جحیم کے ذریعے عداوت اور کینہ ڈال دے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے تو کیا تم لوگ ان چیزوں سے باز آؤ گے؟

(سورۃ مائدہ - آیت ۹۰-۹۱)

جناب رسالتؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ ”اللہ نے لعنت کی ہے شراب پر اس کے پینے

۶ — طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک

۷ — رمضان شریف کے علاوہ ہر قمری مہینے کی چاند رات کو۔

وائے پلانے وائے بیچنے وائے خریدنے وائے پھوڑنے وائے کشید کرنے وائے اٹھانے وائے منگوانے وائے اور اس کی کمائی کھانے وائے تمام لوگوں پر! نیز آنحضرتؐ کے فرمودات میں ہے:

● ”پرہیز کرو شراب سے کہ وہ برائی کی کنجی ہے“

● ”پرہیز کرو شراب سے کہ وہ تمام برائیوں کی اصل ہے“

● ”جو شخص خدا اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ شراب نہ پئے اور اس دسترخوان پر نہ بیٹھے جہاں شراب پی جاتی ہو“

● ”جو شراب پینے کی عادت میں مر جائے وہ اللہ کی بارگاہ میں بیت پرست کی حیثیت سے جائے گا“

● ”زنا کرنے والا زنا کرنے کے وقت مومن نہیں رہتا۔ چور چوری کرنے کے وقت مومن نہیں رہتا۔ شراب پینے والا شراب پینے کے وقت مومن نہیں رہتا“

مذکورہ بالا احادیث کے علاوہ بھی بہت سی حدیثیں شراب کی مذمت میں آئی ہیں اور یہ حقیقت اتنی واضح ہے کہ کسی استدلال کی ضرورت نہیں۔

شراب و نشہ کے خلاف جہاں بڑے بڑے طبیبوں نے لکھا ہے وہیں معاشرتی علوم پر لکھنے والوں اور ماہرین قانون نے بھی لکھا ہے اور اس موضوع پر مزید لکھنا تحصیل حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب اس کی روک تھام کرنا صرف مسلمانوں کی ذمہ داری ہے بلکہ پوری انسانیت کی ذمہ داری ہے اور زمین کے طول و عرض میں مختلف مذاہب و نظریات کے لوگ اجتماعی طور پر انسانیت کو اس لعنت سے نجات دلانے

۸۔ ہر جینے کی پندرھویں رات کو

نیز انہوں نے بعض حالات میں بھی جماع کو مکروہ قرار دیا ہے۔ مثلاً:

● حالت سفر میں جبکہ غسل کے لیے پانی نہ ہو۔

● سیاہ، زرد یا سُرخ آندھی چلنے کے وقت۔

● زلزلے کے وقت۔

اسی طرح بالکل برہنہ ہو کر جماع کرنا اور احتلام کے بعد غسل یا وضو سے پہلے جماع کرنا بھی مکروہ ہے۔ البتہ مکہ جماع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے تاکہ صرف آخری کے بعد غسل کرے کیونکہ حدیث میں احتلام اور جماع میں یہ فرق بتایا گیا ہے کہ احتلام شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور بار بار جماع کی صورت میں شرمگاہ کو دھولنا اور جماع سے پہلے وضو کر لینا مستحب ہے۔

اسی طرح ایسی حالت میں بھی جماع کرنا مکروہ ہے جبکہ کسی صاحبِ شہوہ شخص کی نظر پڑ جانے کا خطرہ ہو یا کوئی صاحبِ شعور مرد و عورت کی باتوں یا تنفس کو سنتا ہو۔ اور مرد کے لیے مکروہ ہے کہ وہ جماع کے وقت عورت کی شرمگاہ پر نظر کرے۔

کے لیے کوشاں ہیں۔ ان میں ڈاکٹر بھی ہیں، سائنس دان بھی اور قانون و معاشرت کے ماہرین بھی ہیں۔

۱۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: "اس کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر کوئی مرد اپنی زوجہ سے اس حالت میں ہمبستری کرتا ہے کہ اسی گھر میں کوئی بچہ جاگ رہا ہو۔ اس طرح کہ وہ ان دونوں کو دیکھ رہا ہو اور ان کے کلام و تنفس کو سُن رہا ہو تو ایسا شخص

بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ وقتِ ظہر کے بعد جماع مکروہ ہے کیونکہ اس سے بچے میں بھینگا پن پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ البتہ جمعرات کے دن کا استثناء ہے اور یہ بھی مکروہ ہے کہ کسی اور عورت کے دیکھنے یا تصور سے شہوت پیدا ہو تو خود اپنی زوجہ سے اسی شہوت میں جماع کرے کیونکہ اس سے بچہ پسِتر پریشیا ب کر نیوالا ہو جاتا ہے اور عید قربان کی شب کو بھی جماع مکروہ ہے کیونکہ اس سے بچے میں ایک انگلی زیادہ یا کم ہو جاتی ہے۔

ثمر دار درخت کے نیچے جماع کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس سے بچہ جلاؤ قاتل یا عیف لہ ہو جاتا ہے۔ شعاعِ آفتاب میں بغیر پردہ ڈالے جماع کرنا بھی مکروہ ہے کہ اس سے زندگی بھر کا فقر و فاقہ نصیب ہوتا ہے۔ اسی طرح اذان و اقامت کے درمیان جماع میں کراہیت ہے کہ اس سے بچہ خون ریزی پر مائل ہوتا ہے بغیر وضو

کبھی فلاح نہیں پاسکتا۔ اگر وہ لڑکا ہو گا تو زانی بنے گا اور لڑکی ہو تو زانیہ ہو جائے گی۔ امام زین العابدین علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ جب آجنا ب اپنی زوجہ سے تعاربت کا ارادہ کرتے تو کمرے کے دروازوں کو پہلے فضل لگاتے، پھر ان پر پڑے ڈالتے اور پھر کسی خادم کو اس کمرے کے قریب آنے کی اجازت دیتی۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ بچہ صاحبِ تمیز نہ ہو تب بھی احتیاط لازم ہے کیونکہ اس سے زنا کی طرف رغبت کا خطرہ ہے (علل الشرائع جناب صدوق علیہ الرحمہ)۔

۲۔ عربیہ اس شخص کو کہتے ہیں جو حکومت کی طرف سے کسی قبیلے یا محلے کا مقرر کردہ نمائندہ ہوتا تھا اور ظالم حکومتوں کے لیے ان کے جبر و استبداد میں مددگار ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے حدیث میں ہے کہ "جو عربیہ بنتا ہے وہ قیامت کے دن یوں آئے گا کہ اس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن سے بندھے ہوں گے" (مجمع البحرین)

اللہ سے دین و دنیا میں سلامتی عطا کرتا ہے۔ پھر روزِ جمعہ عصر کا وقت بھی جماع کے لیے مستحب ہے کہ بچہ مشہور و معروف عالم ہو سکتا ہے اور شبِ جمعہ وقتِ عشاء کے بعد جماع سے بچے کا ابدال میں سے ہونا بھی ممکن ہو جاتا ہے۔

اس گفتگو کو دوسرے لفظوں میں یوں پیش کیا جاسکتا ہے کہ مستحب اوقات کے اختیار کرنے اور مکروہات سے پرہیز کرنے کے ذریعے انسان اپنے بچے کی تخلیق میں حسن و خوبی کی طرف ”طفہ“ واقع ہونے کی امید کر سکتا ہے۔

آگے چل کر ہم بیان کریں گے کہ وراثتی صفیتیں دو قسم کی ہوتی ہیں یعنی بعض تو حتمی ہوتی ہیں مگر بعض میں تبدیلی ممکن ہوتی ہے۔ یعنی یہ ممکن ہوتا ہے کہ اگر وہ بُری ہوں تو بچے کو اُن سے بچایا جاسکے اور اگر اچھی ہوں تو اُنکی نشوونما اور اُن کے استحکام کے لیے کوشش کی جاسکتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا ان آخری قسم کی صفات کا بہترین ثبوت ہے۔

جماع بھی مکروہ ہے کہ بچہ بے بصیرت اور بخیل ہوتا ہے۔ کھلی چھت پر جماع کو اس لیے مکروہ قرار دیا گیا ہے کہ بچہ منافق و ریاکار ہو سکتا ہے۔ نیز خضاب کر کے یا شکم پیری کی حالت میں بھی جماع کرنا مکروہ ہے اور جماع کے وقت ذکرِ خدا کے سوا کلام کرنا بھی مکروہ ہے۔ مزید معلومات کے لیے فقہ و حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کیجیے۔

جماع کے لیے مستحب اوقات

جماع کے وقت بسم اللہ کہنا اور با وضو ہونا مستحب ہے۔ مستحب دو شنبہ میں جماع مستحب ہوتا ہے۔ اس سے بچہ حافظِ کتاب اللہ اور راضی برضا ہوتا ہے۔ شبِ سہ شنبہ میں بھی جماع مستحب ہے کہ اس سے پیدا ہونے والا بچہ شہادتین کے بعد زنبہ شہادت بھی پاسکتا ہے اور اللہ اس کو عذاب نہیں دیتا۔ نیز وہ بچہ خوشبوئے جسم و دہن رکھنے والا، رحم دل، ہاتھ کا سخی اور غیبت و بہتان سے پاکیزہ ہوگا۔ اسی طرح روزِ پنج شنبہ زوالِ آفتاب کے قریب جماع کرنا بھی مستحب ہے کہ اس سے پیدا ہونے والا بچہ شرِ شیطان سے محفوظ رہتا ہے اور

۱۔ امام صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے: ”تین چیزیں جسم کے لیے نہایت خطرناک بلکہ کبھی مہلک بھی ہوتی ہیں۔ شکم سیری کی حالت میں حمام میں جانا، شکم سیری میں جماع اور بوڑھی عورت سے جماع کرنا۔“

۲۔ صاحبِ مسالک نے فرمایا ہے کہ ان اسبابِ کراہت کے مطابق جہاں حمل کا امکان ہو، وہاں کراہت ہے، جہاں نہ ہو وہاں نہیں۔ مگر صاحبِ جواب ہر نے فرمایا ہے کہ ان اسباب کے ذکر میں حکمت ہے اور حکمِ کراہت میں عمومیت ہے۔ پس کراہت بہر صورت ثابت ہے خواہ حمل ممکن ہو یا نہ ہو۔

آیاتِ کریمہ

پروردگارِ عالم فرماتا ہے:

”اور یقیناً ہم نے انسان کو گیلی مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اس کو نطفہ بنا کر ایک محفوظ مقام میں رکھا۔ پھر ہم نے اس نطفے کو جما ہوا خون بنا دیا۔ پھر اس جھے ہوئے خون کو ہم نے گوشت کا لو تھڑا بنا دیا۔ پھر اس لو تھڑے میں ہم نے ہڈیاں پیدا کیں اور ہڈیوں پر ہم نے گوشت چڑھا دیا۔ پھر ہم نے اسے ایک اور ہی مخلوق بنا دیا۔ پس برکت والا ہے وہ اللہ جو سب سے بہتر پیدا کرنے والا ہے“

(سورۃ مومنون - آیات ۱۲ تا ۱۴)

اس آیتِ کریمہ کے بارے میں علامہ محمد حسین طباطبائی اپنی تفسیر ”المیزان“ کی ۱۵ ویں جلد میں لکھتے ہیں کہ ”نطفہ“ تھوڑے سے پانی کو کہتے ہیں اور کبھی کبھی مطلقاً پانی کے لیے بولا جاتا ہے اور لفظ ”قرار“ مصدر ہے جس سے بطور مبالغہ قرار کی جگہ مراد لیا گیا ہے اور لفظ ”مکین“ کے معنی ہیں ممکن یعنی قدرت رکھنے والا کیونکہ بچہ دانی (رحم) نطفے کو ضائع ہونے یا فاسد ہونے سے محفوظ رکھتی ہے یا اس لیے کہ خود نطفہ اس میں محفوظ طور پر ٹھہرا رہتا ہے پس معنی آیت یہ ہوئے کہ ہم نے انسان کو نطفے کی حالت میں ایک محفوظ مقام

۱۔ اسی تفسیر کی جلد ۲۰ سورۃ الدھر میں فاضل مصنف نے لکھا ہے کہ لفظ ”نطفہ“ کا استعمال عام طور پر کسی حیوان کے اس پانی کے لیے مشہور ہو گیا ہے جس سے اسی کے مثل دوسرا حیوان پیدا ہوتا ہے۔ یعنی ”منی!“

بطنِ مادر

انسان صلبِ پدر سے منتقل ہو کر بطنِ مادر کی طرف آتا ہے۔ اس مرحلے میں اسے تین تاریکیاں گھیرے ہوئے ہوتی ہیں۔ اس جھلی کی تاریکی جس میں بچے کی تخلیق ہوتی ہے۔ رحم یعنی بچہ دانی کی تاریکی اور پیٹ کی تاریکی — مطلب یہ ہے کہ وہ تین پردوں میں ہوتا ہے۔

کسی فردِ انسانی کی تخلیق میں جو چیزیں اثر انداز ہوتی ہیں، ان میں سے کچھ رحمِ مادر میں بھی اسی طرح موجود ہوتی ہیں جیسے ان میں سے کچھ صلبِ پدر میں ہوتی ہیں۔ علمی تحقیقات سے بھی یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ انسان کی سعادت اور شقاوت پر اثر انداز ہونے کے سلسلے میں اس دور کو بڑی اہمیت حاصل ہے جب وہ اپنی ماں کے رحم میں ہوتا ہے۔ اس حقیقت کو ہم آیاتِ کریمہ، احادیثِ شریفہ اور علماء کے اقوال کی روشنی میں مختصر طور پر بیان کرتے ہیں۔

بچے کے بارے میں بہت سے حقائق معلوم کر لیے گئے ہیں۔ چنانچہ معلوم ہوا ہے کہ جنین اپنی حالت میں تو بس ایک خلیہ ہوتا ہے جس میں نہ انسان کی شکل ہوتی ہے نہ اعضا و جوارح وغیرہ۔ پھر بہت جلد اس میں تبدیلیاں رونما ہونے لگتی ہیں، حالانکہ وہ رحم کی تاریکیوں میں ہوتا ہے۔ پس وہ ہر روز ایک نئی شکل میں آتا ہے اور آہستہ آہستہ ظاہری حسن و جمال اور باطنی حکم ترکیب پر مشتمل ایک انسان بن جاتا ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ یہ ساری نقش نگاری پانی پر ہوتی ہے۔ حالانکہ مشورہ یہ ہے کہ پانی پر کوئی نقش نہیں بنتا اور کہا جاتا ہے کہ پانی پر کون تصویر بنا سکتا ہے؟ بہر حال جب جنین ابتدائی تغیرات کی منزلیں طے کر کے پہلی صورت اختیار کرتا ہے تو وہ شہوت کے پھل کی طرح ہوتا ہے جس کے دانے ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں۔ ماہرین اس کو ”مرولا“ کہتے ہیں۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے جبکہ جنین کی ناف اس کی ماں کے قلب کی شریانوں اور ورید (یعنی خون کی نالی) سے مل جاتی ہے اور جنین کو ماں کے خون سے غذا ملنے لگتی ہے۔ اس کے خلیات باہر کو بڑھنے لگتے ہیں اور اندر کی طرف ایک تدریجی خلا پیدا ہوتا ہے۔ اس وقت وہ ماہرین کی اصطلاح میں ”بلا سٹولا“ کہلاتا ہے۔ پھر خلیات میں ٹھوس پن پیدا ہوتا ہے اور وہ منتطیل کنارے دار شکل کا ہو جاتا ہے۔ پھر درمیان میں گرو پیدا ہوتا ہے جس سے اس کا سپٹ اور سینہ الگ الگ نمایاں ہوتا ہے۔

ایک اور عجیب بات یہ ہے کہ ان تمام مرحلوں میں اس کے تمام خلیات ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں لیکن جب بچہ صورت پذیر ہونے لگتا ہے تو ان ہی خلیات میں باہمی تغیر و اختلاف پیدا ہو جاتا ہے اور مختلف قسم کے خلیات

یعنی رحم میں بکھرا دیا۔ جیسے کہ اس کو ابتدا میں جو ہر طین سے پیدا کیا تھا یعنی ایک حالت سے اس کو دوسری حالت میں بدل دیا۔

ظاہر ہے کہ سنت الہی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ”پس ہرگز نہ پاؤ گے تم اللہ کے طریقے میں کوئی تبدیلی اور ہرگز نہ پاؤ گے تم اللہ کے طریقے میں کوئی تغیر۔“

(سورۃ فاطر - آیت ۴۳)

لہذا انسان لحظہ بہ لحظہ قوانین قدرت کے تحت ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف رحم مادر میں پیدائش تک بدلتا رہتا ہے اور قدم بہ قدم مکمل کی راہ حکم الہی سے طے کرتا رہتا ہے۔ پھر وہ گوشت کے ٹوٹنے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ پھر وہ قانون الہی کے تحت گوشت سے ملبوس ہڈیوں کی شکل میں ایک ڈھانچہ بن جاتا ہے اور پھر خالق عالم اس میں روح ڈال دیتا ہے۔ پس یہ تغیرات جو رحم مادر میں بچے پر مسلسل وارد ہوتے رہتے ہیں وہی اس میں سعادت یا شقاوت کی صلاحیتیں بھی پیدا کرتے ہیں۔

خلیہ سے حیات جنین کی ابتدا
پروردگار عالم فرماتا ہے:

”اللہ وہی ہے جو رحم میں تمہاری صورت جیسے چاہتا ہے بناتا ہے۔ نہیں ہے کوئی لائق عبادت سوائے اس کے جو غریب اور حکیم ہے۔“ (سورۃ آل عمران - آیت ۶)

بعض محققین نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”جس طرح اس مفہوم کی غلطی آج کے دور میں ظاہر ہوتی ہے ویسے پہلے نہ ہوتی ہوگی۔ کیونکہ اب علم الحیات اور جنین (یعنی پیدائش سے پہلے رحم مادر میں تخلیق پانے والے

منوی جرثومے اور نسوانی انڈے کے اتصال سے مشبہ (یعنی وہ طرف جس میں بچے کی خلقت کے مراحل طے ہوتے ہیں) وجود میں آتا ہے۔ پھر اس میں پھیپھڑا، قلب، خون و غذا پہنچانے کے لیے رگیں تصفیہ خون کے لیے گردے اور ذخیرہ ہارمون کے لیے غدود پیدا ہوتے ہیں جو مناسب غذاؤں کے ہضم کرنے اور نقصان دہ چیزوں سے بچانے کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

زندگی خلیہ میں موجود ہوتی ہے اور یہی ابتداء ہے جس سے زندگی کے مروجے طے ہوتے ہیں۔ یہ پایا گیا ہے کہ زندگی کی ابتدا ایسی ترگوں سے ہوتی ہے جن کو ”فیروسات“ کہتے ہیں اور وہ جمادات و حیوانات کے درمیان کی سی حیثیت رکھنے والی ہوتی ہیں کیونکہ جمادات کی طرح وہ شفاف ہوتی ہیں اور حیوانات کی طرح ان میں نشوونما ہوتا ہے اور غالباً زندگی کا راز گویا اسی پل میں پوشیدہ ہوتا ہے۔

نسوانی انڈے اگر چند ساعت تک منوی جرثومے سے مل کر بار آور نہ ہوں تو وہ مرجاتے ہیں اور تین سے پانچ دن تک منوی جراثیم کو انڈے نہ ملیں تو وہ بھی مرجاتے ہیں۔ یعنی انفصال و جدائی موت ہے اور اتحاد و یگانگت زندگی و بقا ہے۔

نسوانی انڈے اور منوی جرثومے کے درمیان جب بار آور اتحاد ہو جاتا ہے تو تخلیق پانے والے انسان کی نشوونما ایک ہی تسلسل سے نہیں ہوتی کیونکہ کبھی تو وہ بلا تفریق و تخصیص خلیات جمع کرتا ہے اور اس طرح بہت سے خلیات ایک ہی شکل کے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ پھر ان میں تمیز و تخصیص کا عمل شروع ہوتا ہے اور خلیات کے ایک مجموعے سے مختلف اعضاء کا ظہور ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جسم انسانی کا پورا تشخص حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کا وزن بڑھتا

سے جسم کے مختلف اعضاء کی تشکیل ہونے لگتی ہے۔ مثلاً اعصاب، آنتیں اور دوران خون کے اعضا ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ پورا انسان تیار ہو جاتا ہے۔

علامہ بریں بعض ماہرین علم الحیات نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے اسے ملاحظہ فرمائیں:

انسانی لے ڈھانچہ دو نہایت کمزور خلیوں سے صورت پذیر ہوتا ہے۔ ایک حیوان منوی (یعنی جرثومہ) مرد کا اور نہایت چھوٹا سا انڈہ عورت کا۔ مرد کے مادہ منویہ میں پچاس کروڑ جرثومے ہوتے ہیں جو رحم میں پہنچ کر انڈوں کی پیڑائش کے مقام کی طرف دوڑتے ہیں جہاں تقریباً تین لاکھ انڈے ہوتے ہیں۔ یہ عمل اسی انداز میں ہوتا ہے جیسے کوئی فوج کسی قلعے پر حملہ آور ہوتی ہے۔ چنانچہ بہت سے جرثومے انڈوں کے بیرونی غلاف وغیرہ سے ٹکرا کر ختم ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ قربان ہو جانے والے جرثوموں کے ذریعے بنے ہوئے راستے سے کوئی ایک جرثومہ غلاف کے اندر داخل ہو جاتا ہے اور نسوانی انڈے سے متصل ہو کر بچے کی تخلیق کا عمل شروع کر دیتا ہے۔

یہاں یہ عمل قابل توجہ ہے کہ عام طور پر انسانی جسم اس اجنبی جسم کو خارج کر دیتا ہے جو اس میں داخل ہو جائے لیکن یہاں اسکے برعکس عمل ہوتا ہے جس کے لیے طب جدید یہ بتاتی ہے کہ نسوانی جسم اس عمل کے لیے پہلے ہی تیار ہوتا ہے اور اس کے اخلاط و مزاج میں ایسا تغیر واقع ہوتا ہے کہ وہ مردانہ جرثومہ منویہ کو بحفاظت انڈوں تک پہنچا دیتا ہے تاکہ تخلیق کا عمل پورا ہو۔

لے یہ تمام اقتباسات ڈاکٹر خالص جلیبی کی کتاب ”الطب محراب الایمان“ سے ماخوذ ہیں۔

ہے اور پھر آخری مرحلے میں اس پر رونق آتی ہے تاکہ وہ اچھی صورت میں
رحم سے باہر آئے۔ (اقتباس ختم ہوا)
احادیث مقدسہ

یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ سعادت و شقاوت جنہیں انسان رحم مادر
ہی میں پالیتا ہے، دو قسم کی ہوتی ہیں۔ پہلی قسم وہ جو قضاءِ حتمی کے طور پر ہوتی
ہے یعنی انسان کے لیے اس کی پوری زندگی میں لازم رہتی ہے اور جدا
نہیں ہوتی جیسے اس کی موت کہ اس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی، مگر یہ کہ
فدا چاہیے۔

اس صورت میں ظرفِ رحم گویا اس کے لیے علتِ تمامہ کی حیثیت رکھتا
ہے۔ یہ وہ قسم ہے جو نہ تعلیمِ انبیاء سے بدلتی ہے نہ طبعی وسائل سے۔ خواہ
اس کا تعلق جسم سے ہو جیسے بعض اعضاء کا نقص یا جسم کا رنگ اور خواہ وہ روح
سے متعلق ہو جیسے جنون یا ضعفِ عقل اور طبعی بیوقوفی وغیرہ۔ اسی لیے حضرت
امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ”حماقت وہ مرض ہے جس کی کوئی دوا
نہیں اور وہ بیماری ہے جو دور نہیں ہوتی“

دوسری قسم وہ ہے جس کے لیے رحم مادر مناسب مٹی کی مانند ہوتا ہے۔
اسی وجہ سے یہ سعادت یا شقاوت ان حالات پر منحصر ہے جن میں اس کی
نشو و نما ہو سکے یا وہ زائل ہو جائے۔ یہ قابلِ تبدیلی ہوتی ہے یعنی اس کا
امکان ہوتا ہے کہ وہ وسائلِ تربیت وغیرہ کے ذریعے شقاوت کا ازالہ ہو سکے
یا سعادت کو مستحکم کیا جاسکے مثلاً وہ مکمل شجاعت و کرم یا مکمل جبن و بخل
جسے بچہ رحم مادر میں بطور وراثت حاصل کرتا ہے۔ اسے وسائلِ تربیت
سے بڑھایا جاسکتا ہے، اگر وہ مکمل اچھا ہو اور اگر بُرا ہو تو اسے دور کیا

جاسکتا ہے۔

یہ کوئی حتمی تقدیر نہیں ہوتی کیونکہ اس کو صحیح تربیت اور دیگر وسائل
سے بدلا جاسکتا ہے مثلاً اگر بچہ بعض جسمانی امراض کو وراثت میں پاتا ہے تو
صحیح علاج کے ذریعے اس کو دور کیا جاسکتا ہے۔ جیسے صالِح ماں باپ کا بچہ
فطری طور پر صلاح و سعادت پاتا ہے لیکن پیدائش کے بعد اگر ماحول اچھا نہ
ملے تو یہ صلاح و سعادت فساد و شقاوت میں بدل سکتی ہے اور برے مل باپ
کا بچہ صحیح تربیت اور اچھے ماحول کی بدولت نیک بن سکتا ہے۔

بہر حال رحم مادر میں سعادت و شقاوت کی یہ صلاحیتیں حاصل ہوتی
ہیں لیکن پیدائش اور بلوغِ عقل و کمال کے بعد سعادت یا شقاوت کی راہ پر
چلنے کے لیے جو اہم ترین محرک ہے وہ انسان کا خود اپنا ارادہ ہے جس کی بناء پر
اس کے انجام خیر یا انجام شر کا تعین ہوتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے
کہ ”حقیقتِ سعادت یہ ہے کہ انسان کے عمل کا خاتمہ سعادت پر ہو اور
حقیقتِ شقاوت یہ ہے کہ اس کے عمل کا خاتمہ شقاوت پر ہو“

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی بچہ رحم مادر میں وراثت کے طور پر
شقاوت پاتا ہے تو اس کا اثر اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہوتا کہ اس میں
قبولیتِ فساد کی اسی طرح صلاحیت ہوتی ہے جیسے کسی مٹی میں بیج کو نشو و نما
دینے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ مگر جب تک خود بچے کا ارادہ بُرائی اور فساد
کو بروئے کار نہ لائے تب تک اس سے بُرائی اور فساد کا ظہور نہیں ہو سکتا۔
امرنہ کور کی تائید اس حدیثِ نبویؐ سے بھی ہوتی ہے کہ ”کبھی سعید
(یعنی نیک بخت) شقی بن جاتا ہے اور کبھی شقی نیک بخت اور سعید

بن جاتا ہے۔“ ۱۷

اور امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

”نیک بخت وہ ہے جو دوسرے سے عبرت حاصل کرے
اور بد بخت وہ ہے جو اپنی خواہش اور غرور کے فریب
میں آجائے۔“ ۱۸

حدیث نبویؐ کا مطلب یہ ہے کہ کبھی ایسا شخص جو رحم مادر سے سعادت
اور صلاح کی استعداد لے کر پیدا ہوتا ہے۔ وہ جوان ہو کر شقاوت کا راستہ
اختیار کر کے شقی بن جاتا ہے اور کبھی وہ شخص جسے رحم مادر میں شقاوت اور
بدکاری وراثت کے طور پر ملتی ہے وہ خود عقل و ہوش حاصل کر کے صحیح
ماحول اختیار کرتا ہے اور اعمال صالح کے ذریعے سعید و خوش بخت بن جاتا
ہے۔ اسی طرح امام علیہ السلام کا فرمان اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ اہل
شقاوت کا بڑا انجام اس قابل ہے کہ دوسرے لوگ اس سے وعظ و نصیحت
نہا صل کریں اور اپنے آپ میں حسن ارادہ پیدا کر کے صحیح راستہ اختیار کریں۔
تاکہ خود سعید و نیک بخت بن جائیں خواہ ان میں وراثتی طور پر شقاوت
ہی کیوں نہ رہی ہو۔

د کتاب الکافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب
اللہ عز و جل ایسے نطفے کو جس سے صلب حضرت آدمؑ میں میثاق لیا ہوتا ہے
عالم بشریت میں پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو سب سے پہلے اس مرد میں
جماع کی خواہش پیدا کرتا ہے جس کے صلب میں وہ نطفہ موجود ہوتا ہے اور

۱۷ تفسیر روح البیان جلد ۱ صفحہ ۱۰۴ ۱۸ منہج البلاغہ جلد ۱ صفحہ ۱۴۹

اُس کی زوجہ کے رحم کو حکم دیتا ہے کہ اپنے دروازے کو کھول دے تاکہ اس بشر
کی تخلیق سے متعلق حکم قضا و قدر نافذ ہو۔ پس دروازہ رحم کھل جاتا ہے اور
نطفہ اس میں داخل ہو جاتا ہے۔ پھر چالیس دن تک وہ وہیں ایک حالت
سے دوسری حالت کی طرف بدلتا رہتا ہے۔ پھر وہ ایسا گوشت کا لوتھر بن
جاتا ہے کہ جس میں رگوں کا جال ہوتا ہے۔ پھر اللہ دو فرشتوں کو بھیجتا ہے جو
عورت کے منہ کی راہ سے اس کے رحم میں داخل ہو جاتے ہیں، جہاں وہ عمل
تخلیق جاری کرتے ہیں۔ اس گوشت کے لوتھرے میں وہ قدیم روح جو
اصلاب و ارحام سے منتقل ہوتی ہوئی آتی ہے بطور صلاحیت و استعداد موجود
ہوتی ہے۔ پس فرشتے اس میں زندگی و بقا کی روح پھونک دیتے ہیں اور باذن اللہ
اس میں آنکھ، کان اور دوسرے تمام اعضاء بنادیتے ہیں۔ پھر اللہ ان دونوں
کو وحی کرتا ہے کہ ”اس پر میری قضا و قدر اور نافذ امر کو لکھ دو اور جو کچھ
لکھو اس میں میری طرف سے بداء کی شرط بھی لگا دو۔“

تب وہ فرشتے کہتے ہیں: ”اے پروردگار! ہم کیا لکھیں؟“

پروردگار ان کو حکم دیتا ہے: ”اپنے سروں کو اس کی ماں کے سر کی طرف
اٹھاؤ۔ پس وہ فرشتے جب سر اٹھا کر اُدھر دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ لوح
تقدیر اس کی پیشانی سے ٹکرا رہی ہے، جس میں نومولود کی صورت و زینت اُس
کی مدت حیات اور اس کے شقی یا سعید وغیرہ ہونے کے بارے میں سب کچھ
لکھا ہوتا ہے۔ پس ان فرشتوں میں سے ایک دوسرے کے لیے پڑھتا ہے اور
دونوں لکھتے ہیں وہ سب کچھ جو اس نومولود کی تقدیر میں ہوتا ہے اور بدکاری
شرط بھی وہ لکھتے جاتے ہیں۔“ ۱۹

۱۹ فروع الکافی جلد ۲ صفحہ ۱۴

پیدا ہوتی ہے وہ حتمی و لازمی نہیں ہوتی، اس طرح کہ نومولود اس سعادت یا شقاوت کی بنا پر اپنے عمل میں مجبور ہو۔ بلکہ اس کی حیثیت صرف صلاحیت و استعداد تک محدود ہوتی ہے، جسے عملی کوشش اور دوسرے حالات کے ذریعے بدلا جاسکتا ہے۔

علاوہ بریں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ رحم مادر میں نومولود میں جو صفات پیدا ہوتی ہیں وہ دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک وہ جن کی نوعیت حتمی ہوتی ہے اور دوسری وہ جو غیر حتمی ہوتی ہیں جن کے لیے رحم مادر کسی کھیت کی مثلاً مٹی کی طرح ہوتا ہے کہ اگر دوسرے اسباب بھی مہیا ہوں تو بیج نشوونما پاتا ہے۔

حدیث شریف میں اسی آخری قسم کی صفات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جن میں تبدیلی و تغیر کا امکان باقی رہتا ہے کیونکہ انسان فاعل مختار اور اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔ اس کی عملی زندگی میں خدا کی طرف سے اس پر کوئی جبر نہیں ہے۔

علامہ مجلسیؒ نے فرمایا ہے کہ قرآن کریم کی مختلف آیات اور ائمہ معصومینؑ کی احادیث مبارکہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو لوہیں پیدا کیں جن میں ساری کائنات میں ہونے والے حوادث مرقوم ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام ”لوح محفوظ“ ہے جس میں لکھی ہوئی باتوں میں اصلاً تغیر و تبدیلی نہیں ہوتی، بلکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے ازلی علم کے مطابق حتمی طور پر وقوع پذیر ہوتی ہیں جبکہ دوسری کا نام ’لوح محو و اثبات‘ ہے جس میں ایک چیز لکھی جاتی ہے اور پھر حکمت و مصلحت کی رو سے یہ مٹائی بھی جاسکتی ہے۔ اس کے فوائد اہل عقل و بصیرت سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہم

اس مقام پر ہمارے لیے مناسب ہے کہ ہم بعض الفاظ حدیث کی بھی وضاحت کر دیں۔ پس گزارش ہے کہ نومولود کی لوح تقدیر کے پیشانی مادر سے ٹکرائے کا جو ذکر ہے وہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ماں کی نفسیاتی کیفیات ’اُس کے پوشیدہ افکار‘ اس کی ذہنیت، عقل، صفات اور اس کے اخلاق کا نومولود کی شخصیت پر بہت بڑا اثر ہوتا ہے اور فرشتوں کے لکھنے سے یہ مراد ہے کہ نومولود میں اس کی ماں کی طرف سے بہت سی صفات منتقل ہوتی ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بچے کا جسم اس کے والدین کی بہت سی صفات میں ان کا تابع ہوتا ہے، خصوصاً ماں کی صفات کا کیونکہ اس کا رحم ہی وہ مقام ہوتا ہے جہاں اس پر تخلیقی تغیرات واقع ہوتے ہیں۔

طب جدید کی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ انسان پر جو تاثرات اور نفسیاتی کیفیات طاری ہوتی ہیں، خواہ وہ اس کے اختیار میں ہوں، خواہ بے اختیارانہ طور پر ہوں۔ ان کامرد اور عورت دونوں ہی پر بہت بڑا اثر ہوتا ہے اور یہ اثر مرد و عورت کے ذریعے ان کے نومولود بچے پر بھی ہوتا ہے اور کبھی کبھی بعض ایسے اثرات بھی ہوتے ہیں جن سے نومولود کی خلقت میں کوئی کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اس علم کے ماہرین کی طرف سے یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ جنسی مقاربت یعنی جماع کے وقت مرد اور عورت دونوں کو نہایت اطمینان اور راحت ضرور اور انبساط کی حالت میں ہونا چاہیے تاکہ اگر نتیجے میں حمل واقع ہو تو وہ بڑے اثرات سے محفوظ رہے۔

جہاں تک امام علیہ السلام کے اس فرمان کا تعلق ہے کہ فرشتے جو کچھ لکھتے ہیں اس میں براء کی شرط بھی لگاتے ہیں تو اس میں یہ واضح دلیل موجود ہے کہ رحم مادر میں سعادت و شقاوت کی صلاحیتوں کے بارے میں جو کچھ استعداد

بفضلہ تعالیٰ انسانی زندگی کے تیسرے مرحلے سے متعلق ہم جو کچھ کہنا چاہتے تھے وہ تمام ہوا اور اب (حاشیہ بداء کے بعد) چوتھا مرحلہ شروع ہوگا۔
مسئلہ بداء

مسئلہ بداء چونکہ مسلمانوں کے درمیان ہمیشہ سے ہی ایک اختلافی مسئلہ رہا ہے۔ لہذا ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ یہاں معنی بداء اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت کے بارے میں کچھ حقیقتیں پیش کر دیں۔

لفظ بداء عربی زبان کا لفظ ہے اور ایک فعل ثلاثی مجرد کا مصدر ہے۔ اس کا فعل ماضی ”بَدَا“ اور فعل مضارع ”يَبْدُو“ سے ماضی مضارع کی گردائل میں شروع ہوتا ہے۔ (دیکھیے تاج العروس جلد ۱ صفحہ ۳۱۰ القاموس جلد ۴ صفحہ ۳۰۲ اور سان العرب جلد ۴ صفحہ ۶۵)

اس فعل کے دوسرے مصادر بداء — بدوة اور بدوا — بھی ہیں۔ بہر طور اس کے معنی ہیں ظاہر ہونا یا کھل جانا یا آشکار ہونا۔ یعنی کسی چیز کا پوشیدہ ہونے کے بعد ظاہر ہو جانا۔

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

”وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتٍ مَّا كَسَبُوا“

(سورہ زمر- آیت ۴۸)

یعنی ”ظاہر ہو گئیں اُن کے لیے (آخرت میں) بُرائیاں اُن اعمال کی جن کے وہ مرتکب ہوئے تھے“ جبکہ دنیا میں وہ بُرائیاں اُن پر پوشیدہ تھیں۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ“

(سورہ زمر- آیت ۴۷)

کہیں کہ اس لوح میں زید کی عمر پچاس سال لکھی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہو کہ حکمت کا تقاضا تو یہی ہے کہ زید کی عمر پچاس سال ہی ہو بشرطیکہ اس عمر کو گھٹانے یا بڑھانے والا کوئی کام اس نے انجام نہ دیا ہو مثلاً اگر اس نے صلہ رحمی کی تو پچاس سال کو مٹا کر اس کی عمر ساٹھ سال کر دی جائے گی، جبکہ وہ قطع رحمی کرے تو اس کی عمر چالیس سال کر دی جائے گی لیکن لوح محفوظ میں یہ بات اس طرح لکھی گئی ہے کہ وہ صلہ رحمی کرے گا اور اس کی عمر ساٹھ سال ہوگی۔ جیسے کوئی ماہر طبیب کسی آدمی کے مزاج کا معائنہ کر کے بتا دے کہ اس کے مطابق وہ ساٹھ سال کی عمر پائے گا۔ پس وہ آدمی اگر زہریلی شراب پی لے یا کوئی دوسرا اس کو مار ڈالے تو اس کی عمر کم ہو جائے گی یا پھر اس نے ایک مقوی دوا استعمال کی جس سے اس کا مزاج قوی و مضبوط ہو گیا تو اس کی عمر بڑھ جائے گی۔ بہر صورت اس ماہر طبیب کی رائے کے برخلاف کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔

یوں اس لوح میں جو تغیر و تبدل واقع ہوا اس کو بدار کہتے ہیں۔ یہ لفظ بھی آزمائش، مذاق اور تشخیر وغیرہ کی طرح اللہ تعالیٰ کے حق میں مجازاً بولا جاتا ہے یا اس کو بدار اس لیے کہتے ہیں کہ اس سے ملائکہ اور مخلوقات کو پہلی خبر ملنے کے بعد نیا علم حاصل ہوا جو پہلے ان کو حاصل نہیں تھا۔

اس قسم کی دو لوحوں کا موجود ہونا ناممکن یا محال نہیں ہے کہ اس میں مختلف قسم کی تاویل و تکلف کی ضرورت پڑتی۔ لہذا اگر اس امر کی حکمت ہم پر ظاہر نہیں ہوئی تو حیا لینا چاہیے کہ ہماری عقل ان حکمتوں کو سمجھنے سے عاجز ہے۔ لے

لے بحار الانوار جلد ۴

”اللہ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جو خشکی اور تری میں ہیں اور نہیں گزرتا کوئی پتہ مگر یہ کہ اللہ اسے بھی جانتا ہے“

(سورۃ النعام- آیت ۵۹)

پس ائمہ اہل بیت صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہم اور ان کے شیخ پروردگار عالم کی طرف لفظ بداء کی نسبت ہرگز اس معنی میں نہیں کرتے کہ کوئی چیز اس کی نگاہ و قدرت سے پوشیدہ تھی، پھر ظاہر ہو گئی یا یہ کہ کوئی چیز اسے معلوم نہ ہونے کے بعد معلوم ہو گئی۔ معاذ اللہ! بلکہ وہ اس قسم کے ہر تصور سے اظہارِ برائت کرتے ہیں۔

لہذا جہاں تک اس معنی کا تعلق ہے جس کے اعتبار سے لفظ بداء کی نسبت اللہ عزوجل کی طرف دی جاسکتی ہے تو اس کی حیثیت تکوینی امور میں ویسی ہی ہے جیسے تشریعی امور میں نسخ کی ہوتی ہے اور نسخ کے معنی ہیں کسی ایسے حکم شرعی کا زمانہ ختم ہو جانا جو بظاہر ہر زمانے کے لیے معلوم ہوتا تھا۔ مگر شارع علیہ السلام کو معلوم تھا کہ یہ ایک محدود مدت تک کے لیے ہے۔ نسخ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ حکم شرعی تو درحقیقت ہر زمانے کے لیے تھا مگر بعد میں شارع کو اس کے غیر صالح ہونے کا علم ہوا تو انہوں نے اسے منسوخ کر دیا۔

پس صحیح طور پر بداء کے یہ معنی ہیں کہ کسی امر تکوینی کے تسلسل و استمرار کا اپنی قدرتی انتہا کو پہنچ جانا، یہ بات یاد رہے کہ فیضانِ الہی کا کسی چیز کے بائے میں اللہ کی طرف سے متعین حد تک پہنچ جانا اور بات ہے اور کسی چیز کو ثابت کر کے پھر اسی کو لغو قرار دینا اور بات ہے۔ یہ آخری صورت لفظ بداء سے ہرگز مراد نہیں ہوتی۔

لے دیکھیے کلام سید داماد، بحار الانوار جلد ۴ صفحہ ۱۲۶ طبع طہران

یعنی ”اور ظاہر ہوا ان کے لیے اللہ کی طرف سے وہ جس کا وہ گمان نہیں کرتے“

پس معلوم ہوا کہ بداء کے یہ معنی ظاہر و منکشف ہونے کے ہیں لیکن یہ معنی صرف انسان کے لیے درست ہو سکتے ہیں۔ جہاں تک اللہ عزوجل کا تعلق ہے تو اس کی طرف اس معنی کی نسبت محال اور ناممکن ہے۔ کیونکہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ گویا اللہ نے کسی چیز کو جان لیا بعد اس کے کہ وہ اس سے جاہل تھا۔ معاذ اللہ! اور یہ ناممکن بھی ہے اور لغو بھی۔ اس لیے کہ خالقِ عالم تمام چیزوں کو ازل سے جانتا ہے۔ ان چیزوں کی پیدائش سے پہلے ہی۔

یاد رہے کہ اس کا علم عین ذات ہے اور وہی ذات واجب الوجود ہر چیز کی علت ہے۔ پس چونکہ علت کا علم مستلزم ہوتا ہے معلول کے علم کے لیے لہذا ہر معلول یعنی ہر چیز اس کے علم میں ہے۔ غرض کہ جمیع موجودات کا اس کو علم ہے اور وہ ذات گرامی اپنے علم و قدرت سے جمیع موجودات کا احاطہ کیے ہوئے ہے، جبکہ وہ خود لا محدود ہے۔ لہذا اس کی طرف کسی بھی طرح جہل کی نسبت نہیں دی جاسکتی۔

یہ حقیقت عقل سے بھی ثابت ہے اور آیاتِ قرآنیہ بھی اس پر دلالت کرتی ہیں مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اللہ نگاہوں کی خیانت کو بھی جانتا ہے اور ان چیزوں کو بھی جو دلوں کے پردے میں ہوتی ہیں“

(سورۃ المؤمن- آیت ۱۹)

”اور خدا ہی ہر چیز کو گھیسرے ہوتے ہے“

(سورۃ النصار- آیت ۱۲۶)

لفظ 'کتاب' قرآن مجید کی کئی سورتوں میں آیا ہے: سورہ الزخرف
آیت ۴ - سورہ النحل آیت ۷۵ - سورہ فاطر آیت ۱۱ - سورہ یونس آیت ۳۱
اور سورہ الحدید آیت ۲۲۔

ان تمام آیات میں یہی کہا گیا ہے کہ "اس کتاب" میں تمام موجودات
چھوٹے بڑے اور کھلی دجڑی سب مذکور ہیں۔ اس مقام پر ہم یہ نہیں بیان
کرنا چاہتے کہ "کتاب" سے مراد کیا ہے۔ بلکہ یہ عرض کرنا ہے کہ بارگاہِ ایزدی
میں دو کتابیں ہیں۔ "کتاب محو اثبات" اور "لوح محفوظ" پہلی کتاب
کی تحریر میں تبدیلی ممکن ہے مگر دوسری میں نہیں۔ جیسا کہ سورہ رعد کی
آیت ۳۰ میں بیان ہوا ہے۔

تفسیر "مجمع البیان" میں ہے کہ "محو اثبات کے بارے میں کئی
اقوال ہیں۔ ایک قول کے مطابق یہ عمل ہر چیز میں جاری ہوتا ہے۔ پس رزق
موت اور سعادت و شقاوت سب ہی میں محو اثبات کا عمل ہوتا ہے۔ اقول
نے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ وہ دعائیں کہا کرتے تھے:
"ہدایا! اگر تو نے مجھے اشقیاء میں سے لکھا ہو تو اسے محو کر دے اور مجھے سعید
لوگوں میں لکھ لے۔ کیونکہ تو جو کچھ چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا
ہے ثابت رکھتا ہے اور تیرے پاس ام الکتاب بھی ہے؟"

اسی طرح کے دعائیہ کلمات ہمارے ائمہ طاہرین علیہم السلام سے بھی
منقول ہیں اور عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا:

"بارگاہِ الہی میں دو کتابیں ہیں۔ ام الکتاب کے علاوہ ایک دوسری
کتاب بھی ہے جس میں محو اثبات واقع ہوتا ہے جبکہ ام الکتاب میں کوئی
تبدیلی نہیں ہوگی۔"

مذکورہ حقیقت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نسخ کے معنی ہیں کسی
ایسے حکم شرعی کے زمانہ مخصوص کا ختم ہو جانا جو بظاہر باقی رہنے والا معلوم
ہوتا تھا یا یوں کہیے کہ وہ حکم شرعی محض اس وقت تک کے لیے تھا جب
تک نسخ نہ آگیا اور جب نسخ آگیا تو معلوم ہو گیا کہ پہلے حکم شرعی کی مدت
ختم ہو گئی۔ مثلاً کوئی حکم جب عمومی طور پر صادر ہوا تو اس سے متعلق تمام انواع و اقسام
کا شامل ہونا معلوم ہوتا تھا۔ مگر تخصیص ہونے کے بعد پتا چلا کہ تمام انواع و اقسام
میں صرف ایک ہی حصہ اس حکم سے متعلق ہے۔

اسی طرح بداء کے صحیح معنی یہ ہیں کہ کسی امر کو نبی کے لیے فیضانِ الہی
اپنی مقررہ مدت کو پہنچ گیا۔ یعنی اس کا تسلسل و استمرار منقطع ہو گیا۔ لہذا اس معنی
میں نہ کسی غنئی بات کا ظاہر ہونا مضمر ہے نہ کسی جہالت کے بعد علم کا آجانا۔
بلکہ بداء درحقیقت کسی چیز کے زمانہ وجود کے محدود اور منتہی ہونے کا نام
ہے اور اس مخصوص معنی میں بداء "کتاب محو اثبات" میں جاری ہوتا ہے
اس حتمی کتاب میں نہیں جو "لوح محفوظ" کہلاتی ہے۔

معلوم ہوا کہ خالق کائنات کی بارگاہ میں دو کتابیں ہیں۔ ایک "لوح
محفوظ" جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اور دوسری "کتاب محو اثبات"
جس میں تغیر و تبدل واقع ہوتا ہے اور اسی میں بداء واقع ہوتا ہے۔ یہ
قرآن مجید میں اللہ نے ان دونوں کتابوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔
وہ فرماتا ہے:

"اللہ جسے چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور
اللہ کے پاس ام الکتاب بھی ہے" (سورہ رعد - آیت ۳۰)

یعنی اسی آخری کتاب کے نوشتے میں تبدیلی کو بداء کہتے ہیں (مترجم)

نیز نفوسِ کلیہ عالیہ رکھنے والے حضرات جیسے نبی و صی پر ایسے مخفی امور
منکشف ہو جاتے ہیں جن کی بنا پر وہ کوئی حکم لگاتے ہیں۔ پھر بھی ان کے
حکم کے خلاف اگر کوئی امر ظاہر ہوتا ہے تو وہ محض اس وجہ سے کہ جس شرط
کی بنا پر انھوں نے حکم لگایا تھا وہ شرط زائل ہو گئی۔ اس طرح کی بہت سی
مثالیں موجود ہیں۔

مثلاً اُس یہودی کا قصہ جس کے بارے میں حضرت ابو عبد اللہ الصادق
علیہ السلام نے فرمایا ہے: ”ایک یہودی نبی اکرم کے پاس سے گزرا اور اُس
نے آنحضرتؐ پر یوں سلام کیا: ”السَّامُ عَلَیْكَ“ (جس کے معنی ہیں
کہ تم پر موت آئے)۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: ”وَ عَلَیْكَ“ (یعنی اور تجھ پر)۔
آپ کے اصحاب نے کہا: ”اس نے تو آپ کے لیے موت کی بدعا
کی!“

آنحضرتؐ نے فرمایا: ”میں نے اُس پر موت کو لوٹا دیا ہے۔ ایک
کالا سانپ اس کی پشت گردن پر ڈسے گا اور یہ ہلاک ہو جائے گا۔“
وہ یہودی جنگل میں گیا اور اس نے بہت سی سوکھی لکڑیاں جمع کیں۔
پھر ان کو باندھ کر اپنے سر پر لیے ہوئے زندہ واپس آیا۔ آنحضرتؐ نے اس
سے کہا: ”ان لکڑیوں کو زمین پر رکھ دے“ یہودی نے جب لکڑیوں کا
گٹھا زمین پر ڈالا تو اس میں سے ایک کالا سانپ نکلا جو لکڑیوں پر دانت مار
رہا تھا۔ آنحضرتؐ نے اس سے پوچھا: ”کیا تو نے کوئی نیک کام کیا ہے؟“
اس نے کہا: ”میں نے تو بس یہ لکڑیاں جمع کیں اور ان کو اٹھا کر لایا ہوں۔
البتہ یہ ضرور ہوا کہ میرے پاس دو بیٹھی روٹیاں تھیں۔ جن میں سے ایک میں
نے خود کھائی اور دوسری ایک مسکین کو صدقے کے طور پر دیدی“

ابن عباس کے علاوہ بعض دوسرے صحابہ نے یہی بات پیغمبر اکرم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کی ہے۔

سورہ الدخان کی آیت ۴ ”اور اس (رات) میں ہر امر حکیم کا فیصلہ
کیا جاتا ہے۔“ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں صاحبِ مجمع البیان نے جو کچھ لکھا
ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ”اللہ تعالیٰ ہر سال شبِ قدر میں ہر امر کے بارے
میں فیصلہ صادر فرماتا ہے۔ مگر بداء اور مشیت کی شرط کے ساتھ کہ موت، رزق
اور بلیات و امراض وغیرہ میں اگر وہ چاہے گا تو تقدیم و تاخیر با زیادتی و کمی
کر دے گا۔ اللہ جل شانہ کے ان فیصلوں کو رسول اللہؐ امیر المؤمنینؑ کی طرف
بھیجتے ہیں اور حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام دوسرے ائمہ طاہرین علیہم السلام
کی طرف روانہ کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ سلسلہ سلسلہ امام زمانہؑ تک وہ فیصلے
پہنچتے ہیں اور ان میں بداء و مشیت اور تقدیم و تاخیر کی شرط ہوتی ہے۔
پس معلوم ہوا کہ تقدیر حتمی میں تو کوئی بداء واقع نہیں ہوتا۔ البتہ تقدیر
غیر حتمی (جو مختلف شرطوں کے ساتھ مشروط ہوتی ہے) اس میں بداء واقع ہوتا
ہے۔ جیسا کہ ائمہ طاہرینؑ کی دعاؤں وغیرہ سے بھی معلوم ہوتا ہے۔
لہذا بداء در حقیقت منزل تکوین میں وہی مقام رکھتا ہے جو منزل
تشریع میں نسخ کا مقام ہے۔ جیسا کہ سید اماماد رحمۃ اللہ نے افادہ فرمایا ہے۔
یعنی امر تکوینی میں بداء، حکم تشریعی کے منسوخ ہونے کی مانند ہے۔ اس میں
نہ خفا کے بعد کوئی ظہور ہوتا ہے نہ جمل کے بعد علم۔

۱۔ مجمع البیان طبرسی: تفسیر سورہ رد آیت ۴۰

۲۔ مجمع البیان طبرسی: تفسیر سورہ الدخان آیت ۴

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسی وجہ سے اللہ نے تجھ سے موت کو دفع کر دیا۔ یقیناً صدقہ بڑی موت کو دفع کر دیتا ہے۔^۱ لہ
اسی طرح کا واقعہ جناب ابراہیم خلیل اللہ کا ہے کہ انہوں نے خواب
میں دیکھا کہ گویا وہ اپنے فرزند جناب اسماعیلؑ کو ذبح کر رہے ہیں۔ یہ خواب
جناب ابراہیمؑ کے لیے بمنزلہ وحی تھا۔ لہذا آپ نے اسے اپنے فرزند کو سنایا۔
جناب اسماعیلؑ نے کہا: ”جس امر کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اُسے
پورا کیجیے“ اور وہ ذبح ہونے کو تیار ہو گئے۔ جناب ابراہیمؑ بھی اپنے فرزند
عزیز کو ذبح کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے اور بیٹے کو بھی لٹا دیا۔ مگر ربِّ علیل
کی آواز آئی:

”ابراہیمؑ! تم ہمارا حکم بجالائے۔ پس اپنے بیٹے اسماعیلؑ
کو اب ذبح نہ کرو۔ ہم نے ان کا قدیر ذبح عظیم سے دیدیا
ہے۔“ (سورہ الصافات۔ آیات ۱۰۲ تا ۱۰۷)

معلوم ہوا کہ ذبح حضرت اسماعیلؑ کا حکم قرینہ نہ دینے پر معلق تھا لیکن
حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ شرط معلوم نہیں تھی۔ اسی طرح جیسے آنحضرتؐ
نے اس یہودی کی موت کا حکم لگایا تھا وہ صدقہ نہ دینے کی حالت میں مقرر
تھی۔ جب اس نے صدقہ دیدیا تو موت ٹل گئی۔

یہاں اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بداء در حقیقت حتمی قضا الہی (یعنی
علم الہی) میں نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف نفوس کلید الہیہ رکھنے والوں یعنی نبی و
امام معصومؑ کے علم میں ہوتا ہے تو پھر اسے اللہ کی طرف کیوں منسوب کرتے

لہ بحار الانوار جلد ۴ صفحہ ۱۳۱

ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں معاملے میں اللہ کے لیے بداء واقع ہوا؟
تو اس کے جواب میں یس کہوں گا کہ عالم جسمانی میں جتنے حوادث
رو نما ہوتے ہیں ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اسی طرح ہوتی ہے جیسے
کسی کو اس کے متعلق کی صفت سے موصوف کیا جائے مثلاً کوئی کہے کہ:
”میرے پاس وہ مرد آیا جس کا باپ کریم النفس ہے“ تو یہاں بیٹے کو
اس کے باپ کی صفت سے موصوف کر دیا گیا اور چونکہ اس عالم میں جو کچھ
بھی ہوتا ہے وہ اللہ کے ارادے سے ہوتا ہے۔ لہذا وہ افعال جو ہم سے
صادر ہوتے ہیں ان کو مجازی طور پر اللہ کی طرف بھی منسوب کیا جاسکتا
ہے۔

پس یہ کہنا کہ ”اللہ تعالیٰ کے لیے فلاں معاملے میں بداء واقع ہوا“
اس کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کے لیے اس معاملے میں وہ ظاہر ہوا جو پہلے مخفی
تھا۔ یعنی یہ ظاہر ہونے کی بات در حقیقت دوسروں کے لیے ہے، اللہ
کے لیے نہیں۔ تو یاد رکھنا چاہیے کہ بداء بمعنی ظہور انسان کے لیے ہے اللہ
کے لیے نہیں ہے۔

اس حقیقت کو ”سمیع و بصیر“ جیسی صفتوں سے سمجھیے کہ ان صفتوں
سے انسان کو بھی موصوف کیا جاتا ہے اور اللہ کو بھی۔ حالانکہ یہ صفتیں جس
طرح انسان میں پائی جاتی ہیں، اللہ جل شانہ میں ہرگز اس طرح نہیں پائی
جائیں۔ کیونکہ انسان تو اعضاء جسمانی کے ذریعے سناتا اور دیکھتا ہے۔ مگر
اللہ عز وجل جسم و جسمانیات سے منزہ و پاک ہے اور وہ سمیع ہے تو اپنے
علم سے اور بصیر ہے تو اپنے علم سے اور علم اس کی عین ذات ہے یعنی اس کی صفت
اور اس کی ذات گرامی دو الگ الگ چیزیں نہیں ہیں بلکہ اس کی صفتیں نہ اسکی

● چوتھا مرحلہ

عالم دنیا

یعنی وہ دنیا جس میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں اور جو زمین، پانی اور ہوا وغیرہ سے مرکب ہے، اپنی تمام نیکی بدی اور سعادت و شقاوت کے ساتھ۔

اس دنیا میں انسان کے لیے اہمیت اس امر کی ہے کہ وہ یہاں ایک بھر پور اور دیر پا زندگی بسر کرے۔ اسی وجہ سے وہ اپنے مقصد کی راہ میں تنگ و دوکھنا رہتا ہے خواہ اس کا مقصد حیات مادی ہو خواہ معنوی و روحانی۔ وہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہر قسم کے وسیلے استعمال کرتا ہے تاکہ کامیابی کی سعادت حاصل کرے۔ کوئی مادی راہ اختیار کرتا ہے تو کوئی روحانی۔ مادی گروہ

مادی راہ اختیار کرنے والوں کو ہم نین گروہوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔
۱۔ پہلا گروہ ایسے لوگوں کا جو کمال و پائیداری حیات کو صرف مال جمع

ذات واجب سے جدا ہیں نہ زائد بر ذات ہیں بلکہ عین ذات ہیں۔

جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے تو ایسے بہت سے الفاظ ہیں جو اللہ کے لیے بھی بولے جاتے ہیں۔ ایسے ہی الفاظ میں سے یہ لفظ بداء بھی ہے۔ پس امید ہے کہ ان توضیحات سے اس حدیث شریف کا مطلب واضح ہو گیا ہو گا جس میں معصوم نے فرمایا ہے کہ ”لنن ما دریں دو فرشتے شرط بداء کے ساتھ نوملود کے بارے میں قضا و قدر کے فیصلے لکھتے ہیں“ اس ارشادِ امام کا مطلب یہ ہے کہ نوملود کی شقاوت یا سعادت جسے وہ بحکم قضا و قدر اپنے والدین سے وراثت میں پاتا ہے۔ ان کا دوام حتمی و جبری نہیں ہوتا (بالخصوص اعمال و کردار اختیار کی بارے میں) لہذا یہ ضروری نہیں کہ اگر والدین شقی ہوں تو نوملود بھی حتمی شقی ہی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بداء ظاہر ہوتا ہے۔

یہی حقیقت ہمارے ائمہ طاہرینؑ کی ان دعاؤں سے ظاہر ہوتی ہے جن میں کہا گیا ہے: ”خدایا! اگر تو نے مجھے اشقیاء میں شمار کیا ہو تو اسے محو کر دے اور مجھے سعادت مندوں میں لکھ لے کیونکہ تو محو کر دیتا ہے جس چیز کو محو کرنا چاہتا ہے اور ثابت رکھتا ہے جسے ثابت رکھنا چاہتا ہے اور تیرے پاس ام الکتاب بھی ہے“

پس آیات محو و اثبات اور قضا و قدر کے بارے میں تغیر و تبدل واقع ہونے سے متعلق جو حدیثیں وارد ہیں ان میں اسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔

نفسیہ کی راہ سے حاصل ہونیوالی چیزیں ہیں جن کی بنیاد چار چیزوں یعنی حکمت، شجاعت، عفت اور عدالت پر ہے۔ پس جو شخص ان چاروں صفوں کو اپنے میں جمع کر لے وہ ان کے نزدیک پورا سعادتمند اور محفوظ ہوتا ہے۔ یہ لوگ جسمانی کمالات کو کسی کمال تک پہنچنے میں موثر نہیں سمجھتے۔ پس اگر کوئی شخص کسی عضو جسمانی سے محروم ہو یا کسی مرض میں مبتلا ہو تب بھی اس کے لیے مذکورہ چار صفات کمال تک پہنچنے میں کوئی مانع نہیں ہے کیونکہ امراض و عوارض جسمانیہ حصول سعادت کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتے۔

۲۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو ”متراضین“ یعنی ریاضت و مجاہدہ نفس کرنے والے کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ خواہشات نفس اور نیوی لذتوں سے اپنے نفس کو روکے رکھنے ہی میں سعادت و کمال زندگی کا راز مضمر سمجھتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ لوگ اپنے جسم کو اذیت پہنچاتے ہیں۔ کبھی نوکیلی میخوں پر بیٹ کر کبھی درختوں کی شاخوں سے اپنے آپ کو لٹکا کر اور کبھی تیز دھوپ میں بیٹھ کر۔ نیز یہ لوگ کھانا پینا ترک کر کے بھی ریاضت کرتے ہیں۔ یہ لوگ ماقبل ارسطو کے فلسفیوں سے بھی بڑھے ہوئے ہوتے ہیں کیونکہ یہ صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے کہ جسمانی نشوونما کی طرف سے بے پروائی برتیں بلکہ یہ ایک قدم اور آگے بڑھ کر جسم کو عذاب و اذیت پہنچانے کے ذریعے روحانی سعادت طلب کرتے ہیں۔

۳۔ تیسرے گروہ میں وہ لوگ شامل ہیں جو سعادت و تکامل حیات تک پہنچنے کا راز اس امر میں مضمر سمجھتے ہیں کہ انسان اپنے کوان امور

کرنے اور کثرت ثروت میں منحصر سمجھتے ہیں کیونکہ وہ گمان کرتے ہیں کہ مال کے ذریعے ذاتی استغناء حاصل ہوتا ہے اور ذاتی استغناء کمال و پادارسی حیات کا ذریعہ ہے۔

۲۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا جو عزت و جاہ اور بلندی مرتبہ میں کمال زندگی کا راز مضمر سمجھتے ہیں لیکن یہ چیزیں کسی بڑے خاندان یا بڑے قبیلے کی طرف نسبت کے بغیر کم حاصل ہوتی ہیں۔

۳۔ تیسرے گروہ میں وہ لوگ شامل ہوتے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ استغناء ذاتی معزز افراد اور بڑی جماعتوں کے ساتھ رابطہ قائم کرنے ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ لوگ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مال کثیر بھی خرچ کرتے ہیں اور اپنے روابط بڑھانے کے لیے جدوجہد بھی کرتے ہیں۔ ایسے لوگ کسی مناسب موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ مذکورہ قسم کی تمام راہیں خالصتاً مادی ہیں جن میں روحانیت کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ ایسے لوگوں کا لفظ نظر صرف مادی ہوتا ہے۔

روحانی گروہ

جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو زندگی کے روحانی پہلو کو اہمیت دیتے ہیں تو وہ کمال و تکامل زندگی کو اس امر میں مضمر سمجھتے ہیں کہ روحانیت کی بالادستی کے لیے دنیوی زندگی کی سختی و تنگی کو بھی برداشت کیا جائے۔ ان لوگوں کو بھی تین گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے :

۱۔ پہلا گروہ ان لوگوں کا جنہوں نے ارسطو سے پہلے و فلاسفر یونان کی پیروی کی اور یہ تصور کیا کہ تکامل زندگی و سعادت بشری ان کمالات

اور کمال سمجھتا ہے اور دوسرا روحانی ترقی کو۔

موجودہ دور کی تہذیب و شہریت مادیت کی طرف مائل ہے اور مادی خواہشات و لذات کی تکمیل ہی کو اصل حیات تصور کرتی ہے۔ اس حد تک کہ مادیت انسان کی عقل و فکر سب پر غالب آجاتی ہے۔

لیکن ان مادی و روحانی دونوں نظریات کی افراط و تفریط کے درمیان سے وہ صحیح حقیقت روشن ہوتی ہے جو واقعی سعادت و تکامل حیات کی راہ ہے۔ یعنی — انسان روح و مادہ دونوں ہی کی ترقی اور بہتری کا راستہ اختیار کرے۔ یہی فطرت سلیمہ ہے اور یہی قانون فطرت و طبیعت انسانی ہے کیونکہ نیکی کرنے اور پیدا کرنے والے کی رضا حاصل کرنے کے لیے جسم کی طرف توجہ دینا روحانیت کے فروغ کی راہ میں حائل نہیں ہوتا اور اس سے نقص و روح پر کوئی ظلم نہیں ہوتا ہے بلکہ یہی وہ بہترین طریقہ ہے جس سے نفس و روح کو بھی راحت ملتی ہے اور جسم کو بھی۔

تکامل ذات

ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ روحانیت کا فروغ اور تکامل (یعنی درجہ کمال تک پہنچنا) اسی پر مبنی ہے کہ اللہ عزوجل نے جو فرائض ہم پر عائد کئے ہیں ان کو ادا کیا جائے اور اس کے لیے جسمانی صحت کا قائم رہنا نہایت ضروری ہے تاکہ اللہ کے امر و نہی پر عمل ممکن ہو سکے۔ پس استغناء ذاتی مادیت کے فروغ سے چشم پوشی کر کے ہمیں حاصل ہو سکتا۔ کیونکہ استغناء ذاتی درحقیقت ایک روحانی حالت اور معنوی احساس کا نام ہے جو نہ صرف مادی ترقی سے حاصل ہو سکتا ہے نہ جسمانیت سے بے تعلق ہو کر۔ لہذا وہ لوگ جو اسے صرف مادی ذرائع سے حاصل کرنا چاہتے ہیں

سے بلند تر رکھے جن میں انسان اور دوسرے حیوانات و بہائم مشترک ہوتے ہیں۔ مثلاً جنسی و شہوانی خواہشات جن کے غالب آنے سے انسان، ان کے اعتقاد کے مطابق حیوانات و بہائم کی سطح تک پست ہو جاتا ہے اور یہ بات سعادت انسانہ کی حدوں سے خارج ہے۔ لہذا ان کا ترجمان کہتا ہے کہ ”وہ چیزیں جن میں انسان اور دوسرے حیوان برابر ہوتے ہیں، ان میں ہم انسانوں کے لیے کوئی سعادت نہیں!“

ظاہر ہے کہ یہ آخری گروہ مذکورہ بالا دونوں گروہوں کے درمیان کسی قدر اعتدال پسند ہے کیونکہ نہ ان لوگوں کے نزدیک جسمانی نشوونما سے غفلت برتنا ضروری ہے نہ جسم کو عذاب و اذیت میں مبتلا کرنا۔

اسی طرح یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ یہ تینوں گروہ اس امر میں مشترک ہیں کہ جسمانی ترقی و فروغ کے مقابلے میں روحانیت کے فروغ و کمال کی طرف زیادہ توجہ کرنی چاہیے خواہ اس کے ذرائع کے بارے میں ان کا باہمی اختلاف ہے۔

تکامل حیات کی راہ

مذکورہ بالا بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سعادت و تکامل حیات کے بارے میں دو متضاد قسم کے مکاتب فکر ہیں۔ ایک وہ جو مادیت پر مبنی ہے اور دوسرا وہ جو روحانیت کے فروغ پر قائم ہے۔ پہلا مکتب فکر مادی ترقی کو سعادت

لہ روحانی گروہوں کی یہ تقسیم شیخ محمد تقی فلسفی کی کتاب ”الطفل بين الوراثية والتربوية“ سے ماخوذ ہے۔

(حاشیہ) بحار الانوار جلد ۱۴ صفحہ ۸۰ پر محمد ابن کعب سے روایت ہے کہ ”میں یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت سلیمان ابن داؤد کا لشکر سو فرسخ میں پھیلا ہوا تھا۔ پچیس فرسخ انسانوں کے لیے تھے، پچیس جنوں کے لیے۔ پچیس وحشی جانوروں کے لیے اور پچیس پرندوں کے لیے اور ان کے محل میں جو لکڑی اور شیشے بنا ہوا تھا، ایک ہزار کمرے تھے۔ جن میں تین سو مہر یا فتنہ بیویاں رہتی تھیں اور سات سو باندیاں۔ وہ تیز ہوا کو حکم دیتے تھے تو وہ ان کے محل کو اٹھا لیتی تھی۔ پھر نرم رو ہوا اسے لیکر چلتی تھی۔ ایک موقع پر وہ زمین اور آسمان کے درمیان دوش ہوا پر چل رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ ”میں نے تمہاری حکومت میں اتنا اضافہ کر دیا ہے کہ اب مخلوقات میں سے جو بھی کوئی کلام کریگا، ہوا اس کی خبر تمہیں دے دے گی۔“ اور مقاتل کا قول ہے کہ ”شیاطین نے حضرت سلیمانؑ کے لیے ایک فرسخ لیا ایسا فرش بنا تھا کہ جس میں ریشم کے تاروں کے ساتھ سونا ملا ہوا تھا۔ اس فرش کے بیچ میں سونے کا ایک میز رکھا جاتا تھا جس پر حضرت سلیمانؑ بیٹھتے تھے اور ان کے ارد گرد سونے و چاندی کی تین ہزار کرسیاں ہوتی تھیں۔ سونے کی کرسیوں پر صلحاً بیٹھتے تھے اور چاندی کی کرسیوں پر علما بیٹھتے تھے۔ پرندے ان پر اپنے پروں سے سایہ فگن ہوتے تھے۔ تاکہ ان پر دھوپ نہ پڑے اور ہوا اس پر فرش کو اپنے دوش پر اٹھا کے چلتی تھی۔ صبح سے شام تک ایک ماہ کی مسافت طے ہوتی اور شام سے صبح تک ایک ماہ کی۔“

پروردگار عالم اپنی کتاب قرآن مجید میں فرماتا ہے:

”اور ہم نے سلیمانؑ کے لیے تیز ہوا کو مسخر کر دیا تھا جو ان کے امر سے اس زمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت

وہ پیاس کی حالت میں سراب کی طرف دوڑنے کی مانند عمل کرتے ہیں کیونکہ صرف مادیت پر اعتماد بہت جلد زائل ہو جاتا ہے اور پیاس و ناکامی کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ یہ امر معمولی غور و فکر سے بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ پس مادی ذرائع کو جمع کرنے اور جسمانی تقاضوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ روحانی پہلو کا فروغ انسان کو صراطِ مستقیم سے بھٹکنے نہیں دیتا اور اس کے تمام جسمانی و روحانی پہلوؤں کو ترقی و کمال کی راہ پر گامزن کر دیتا ہے کیونکہ مادی لذتیں چاہے کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں وہ بالآخر فنا ہو جاتی ہیں جبکہ حقیقی تکامل ذات، خالق کائنات کے قرب اور اس کے نور سے منور ہونے میں مضمر ہے۔

تکامل ذات کی مثال

اس امر کی بہترین مثال حضرت سلیمان ابن داؤد علیہما السلام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے درجہ نبوت کے ساتھ ساتھ ایسا ملک عظیم بھی عطا فرمایا جو ان سے پہلے کسی کو نصیب نہیں ہوا تھا۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام ”منج البلاغہ“ میں فرماتے ہیں: ”اگر کوئی شخص دنیا میں دائمی بقا کا زینہ اور دفع موت کا راستہ پاسکتا تھا تو وہ حضرت سلیمان ابن داؤدؑ ہو سکتے تھے جن کے لیے اللہ نے نبوت اور قرب عظیم کے ساتھ ساتھ جن دنس پر حکومت کو بھی جمع کر دیا تھا۔ مگر جب وہ اپنا رزق پورا کر چکے اور ان کی مدتِ حیات ختم ہو گئی تو کمانِ فتنے ان کو پیکارِ قضا سے مارا اور محلات اور دیاران سے خالی ہو گئے اور دروڑوں کو وراثت میں مل گئے۔“

۱۰ (حاشیہ صفحہ ۶۹ پر ملاحظہ فرمائیے)

اے آلِ داؤد! شکر گزاری کا عمل کرو۔ حالانکہ میرے بندوں میں سے بہت تھوڑے ہیں شکر ادا کرنے والے“
(سورہ سیاہ - آیت ۱۲-۱۳)

اور ارشاد ہوا:

”پس ہم نے تابع کر دیا ان کے لیے (یعنی حضرت سلیمانؑ کے لیے) ہوا کو جو اُن کے حکم سے ترمی کے ساتھ چلتی تھی جہاں کا وہ قصد کرتے تھے اور (ہم نے مسخر کر دیا تھا اُن کے لیے) تمام تعمیر کرتے والے اور غوطہ خور شیاطین کو، اور کچھ دوسرے (شیاطین) اُن کے سامنے آہنی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ (اے سلیمانؑ!) یہ ہماری عطا ہے۔ چاہو تو اس کو احسان کر کے (کسی کو) دیدو اور چاہو تو اپنے پاس بغیر حساب کے رکھے رہو اور ہمارے پاس ان (سلیمانؑ) کے لیے قرب منزلت بھی ہے اور حُسن انجام بھی“
(سورہ ص - آیات ۳۶ تا ۴۰)

حضرت سلیمانؑ کا زہد و قناعت

حضرت سلیمان علیہ السلام اس عظیم حکومت و اقتدار کے باوجود بغیر چھنے ہوئے جوئے آٹے کی روٹی کھاتے تھے۔ مگر اپنے مہمانوں کو گھیموں کے بہترین آٹے کی روٹی کے ساتھ گوشت کھلاتے تھے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ”حضرت سلیمانؑ اپنے مہمانوں کو گوشت اور میدے کی روٹیاں کھلاتے تھے۔ اپنے اہل خانہ کو بغیر چھنے ہوئے آٹے کی روٹی کھلاتے تھے اور خود بغیر چھنے ہوئے جو کی روٹیوں پر

دی تھی اور ہم ہر چیز کے جاننے والے ہیں اور شیطانوں میں سے کچھ وہ تھے جو ان کے لیے سمندروں میں غوطے لگاتے تھے اور دوسرے کام بھی کرتے تھے اور ہم ہی ان سب کی حفاظت کرنے والے تھے“ (سورہ انبیاء - آیت ۸۱-۸۲)۔

نیز ارشاد ہوا:

”اور ہم نے داؤدؑ و سلیمانؑ کو کچھ علم دیا تو ان دونوں نے کہا سب حمد ہے اس اللہ کے لیے جس نے ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا فرمائی اور سلیمانؑ، داؤدؑ کے وارث ہوئے اور انہوں نے کہا: اے لوگو! ہمیں پرینڈ کی گفتگو کا علم دیا گیا ہے اور ہمیں ہر چیز عطا کی گئی ہے۔ یقیناً یہی کھلا ہوا افضل خدا ہے“ (سورہ نمل - آیت ۱۵-۱۶)

اور فرمایا:

”اور (ہم نے مسخر کر دیا) سلیمانؑ کے لیے ہوا کو جس کی صبح (کی چال)، ایک ماہ (کے برابر) اور شام (کی چال)، ایک ماہ (کے برابر) اور ہم نے ان کے لیے دانگے کے چشمے کو نکھلا دیا اور جتوں میں سے کچھ وہ تھے جو اُن کے سامنے کام کرتے تھے ان کے رب کے اذن سے اور ان میں سے اگر کوئی کجروی اختیار کرے تو ہم اس کو آتش جہنم کا عذاب چکھائیں۔ وہ (جن) ان کے لیے بناتے تھے جو کچھ وہ (یعنی حضرت سلیمانؑ) چاہتے تھے۔ محرابوں، مثالوں، حوصلوں جیسے بڑے پیالوں اور (بڑی بڑی) نصب شدہ دیگوں میں سے“

گزارا کرتے تھے۔“

حضرت صادق علیہ السلام ہی فرمایا کرتے تھے: ”وہ ایک تسبیح جیسے اللہ قبول کرے“ آل داؤد کو ملی ہوئی تمام نعمتوں سے بہتر ہے۔ ایک دوسری روایت میں امام علیہ السلام نے اس کی وجہ بتاتے ہوئے فرمایا ہے کہ ”تسبیح کا ثواب باقی رہتا ہے جبکہ ملک سلیمان فنا ہونے والی چیز تھا۔“ لے

اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کی یہ دعا قرآن مجید میں نقل فرمائی ہے کہ ”لے پروردگار! مجھے وہ ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لیے سزاوار نہ ہو“ تو انہوں نے وہ ملک طلب ہی کیوں کیا؟ جبکہ انہیں بارگاہ ایزدی میں ابدیت کا وہ عظیم مرتبہ حاصل تھا کہ ان کے بارے میں تھی تو اپنے ہاتھوں کو اپنی گردن سے باندھ کر رات بھر بارگاہ خداوندی میں کھڑے رہتے تھے اور ان کی خوراک کھجور کی چٹائوں سے حاصل ہوتی تھی جن کو وہ خود اپنے ہاتھوں سے بنا کرتے تھے۔ تو اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ انہوں نے یہ ملک عظیم کا فریاد شاہوں پر قوت و علیہ پانے کے لیے مانگا تھا۔ مگر اس سوال سے پہلے ہی انہوں نے فطرت مانگ لی تھی۔ لے

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیاوی لذتوں سے پرہیز کرنا نہایت دشوار اور سخت کام ہے۔ کیونکہ دنیاوی لذتیں فوری ہوتی ہیں اور آخرت کی سعادت بعد میں ملنے والا سودا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ نقد سودے کے مقابلے میں ادھار کو ترجیح دینا دشوار ہوتا ہے۔ لہذا حضرت سلیمانؑ

لے دعواتِ راوندی جلد ۱۴ صفحہ ۷۰ لے بحار الانوار جلد ۴۴ صفحہ ۸۳

نے دعا کی: ”اے پروردگار! مجھے وہ مملکت عطا کر دے جو بشریت سے بالاتر ہو تاکہ میں کامل قدرت کے باوجود لذات دنیا سے اجتناب کی حالت میں باقی رہوں اور لوگوں پر یہ اعظا ہر ہو جائے کہ مال دنیا کا حاصل ہونا اطاعتِ الہی سے روکنے والا نہیں ہوتا۔“ لے

اس جواب باصواب سے یہ شبہ بھی رفع ہو جاتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ جو اللہ کے ایک معصوم نبی تھے، معاذ اللہ وہ بخل سے کام لیتے تھے۔ اس شبہ کا مزید جواب یوں بھی دیا جاسکتا ہے کہ ملک و اقتدار دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جو ظلم و جور اور لوگوں کو مجبور کر کے حاصل کیا جاسکتا ہے، جیسے فسر عون اور طواغیت کی حکومت۔ اور دوسرا ملک و اقتدار وہ ہوتا ہے جو اللہ کی طرف سے بطور نعمت عطا ہوتا ہے۔ جیسے آلِ ابراہیمؑ حضرت طاہرؑ اور ذوالنورینؑ وغیرہ کی حکومتیں۔ پس حضرت سلیمانؑ نے یہ دعا کی تھی: ”پروردگار! مجھے وہ ملک (یعنی اقتدار) عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لیے سزاوار نہ ہو“ تو اس کا یہ مطلب تھا کہ وہ ظلم و جور سے حاصل کیا ہوا اقتدار نہ ہو تاکہ وہ ان کی نبوت کا معجزہ بھی ہو اور ان کی نمائندگی پر دلیل بھی بنے۔ لہذا ایسا ملک حکامِ ظالمین کو غلبہ و قوت اور ظلم و جور سے کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت سلیمانؑ کے بعد دوسرے انبیاء و اوصیاء کے لیے ان جیسا اقتدار یا ان کے اقتدار سے بھی بڑا اقتدار ملنے کی نفی نہیں ہے بلکہ واقعتاً ملا بھی ہے۔ (مثلاً حضرات محمد و آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سائے عالمین پر اللہ نے حاکمیت و اقتدار کی دولت عطا فرمائی۔ مترجم۔)

لے بحار الانوار جلد ۴۴ صفحہ ۸۹

پانچواں مرحلہ

عالمِ برزخ

لغت میں لفظ ”برزخ“ کے معنی ہیں وہ چیز جو دو چیزوں کے درمیان اس طرح حائل ہو کہ انھیں آپس میں ملنے سے روکے رکھے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”اس نے (یعنی اللہ نے) دو دریاؤں کو اس طرح جاری

کیا کہ وہ آپس میں ملتے ہیں۔ مگر ان کے درمیان ایک ایسی

رکاوٹ ہے جس سے وہ ایک دوسرے میں داخل نہیں

ہوتے۔“ (سورۃ نجم - آیت ۱۹-۲۰)

یعنی میٹھے اور نمکین پانی مراد ہیں اور وہ رکاوٹ جو اُن دونوں کو ملنے سے روکے رکھتی ہے برزخ کہلاتی ہے۔ اصطلاح میں برزخ اس گھاٹی کو کہتے ہیں جو عالمِ دنیا اور عالمِ آخرت کے درمیان ہے۔

راغب اصفہانی نے ”مفردات القرآن“ میں لکھا ہے کہ برزخ اس

بہر حال ایک نبی معصوم کے بارے میں سخی جیسی گھٹیا صفت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ عصمت اور سخی ایک ہی شخص میں جمع نہیں ہو سکتے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں حدیثِ معصوم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ جب صبح کو برآمد ہوتے تھے تو اشراف و اغنیاء کے چہروں پر نظر ڈالتے ہوئے آگے بڑھ جاتے تھے، یہاں تک کہ مسکینوں کے پاس پہنچتے تو ان کے درمیان بیٹھ جاتے اور فرماتے: ”مسکینوں کے ساتھ ایک مسکین اور آبیٹھا ہے“
(بخاری الاوار جلد ۴ صفحہ ۸۳) حاشیہ ختم

تکامل حقیقی کا راز

پس معلوم ہوا کہ تکامل حقیقی اور مستقل استغناء ذاتی کا راز اللہ سے رابطہ قائم رکھنے اور غیر اللہ سے بے پروا ہو جانے ہی میں پوشیدہ ہے، جبکہ انسان گناہوں سے دور ہو کر لباسِ تقویٰ سے آراستہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے: ”اگر تم بغیر حمایتِ قبیلہ کے عزت چاہتے ہو تو گناہ کی ذلت سے نکل کر اطاعتِ الہی کی عزت میں داخل ہو جاؤ۔“

لہذا ایک ہی راستہ ہے اک مردِ موحّد کے لیے۔ وہ مردِ خدا پرست جو اپنے تمام حالات میں اپنے پروردگار سے رابطہ قائم رکھتا ہے۔ اطاعتِ الہی میں عزت کی زندگی بسر کرتا ہے اور اپنے نفس کو امورِ مادیہ کے بارے میں غیروں کا دستِ نگرین کو ذلیل نہیں کرتا نہ اللہ کے سوا اپنے کو کسی مادی و روحانی یا اعتباری معاملے میں کسی اور کا محتاج سمجھتا ہے۔ کیونکہ انسان کا جو سب سے بڑا مقصد حیات ہے وہ حیاتِ ابدی و یقائنِ سرمدی ہے۔

ایک مثالی جسم میں ہوتی ہے جو ہوا کی طرح رقیق اور جسم مادی سے لطیف تر ہوتا ہے۔ جس میں نہ مادی کثافت ہوتی ہے نہ مجردات کی سی لطافت بلکہ وہ ان دونوں کیفیتوں کے درمیان میں ہوتا ہے۔

عالم برزخ کو عالم مثالی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ شکل و صورت کے اعتبار سے عالم دنیا کی طرح ہوتا ہے مادی اعتبار سے نہیں۔ اسی لحاظ سے اس کی خصوصیات عالم دنیا سے مختلف ہوتی ہیں۔ جہاں تک عالم برزخ کی وسعت کا تعلق ہے تو جیسا رحم مادر اور عالم دنیا کی وسعتوں میں فرق ہے ویسا ہی فرق عالم دنیا اور عالم برزخ کے درمیان ہے اور جس طرح رحم مادر میں پیٹنے والا انسان عالم دنیا کی وسعتوں کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ اسی طرح اس دنیا کا رہنے والا عالم برزخ کی وسعتوں اور اس کی خصوصیات کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ علاوہ بریں چونکہ عالم برزخ میں روح انسانی ایک مثالی ڈھانچے میں ہوتی ہے لہذا اگر کوئی اسے دیکھے تو وہ یہی سمجھے گا کہ یہ وہی عالم دنیا میں رہنے والا شخص ہے۔ مگر درحقیقت اس کا جسم مثالی ہو اسے بھی زیادہ رقیق و لطیف ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کے لیے اشیاء کا احاطہ کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ لہ

عالم برزخ میں احساس لذت و الم

اس مقام پر یہ اعتراض نہیں وارد ہو سکتا کہ روح تو ایک عرض ہے لہذا وہ اس عالم برزخ میں لذت و الم کا احساس نہیں کر سکتی کیونکہ جواب یہ ہو گا کہ لذت و الم کا احساس جسم مثالی پر واقع ہو گا روح مجرد پر نہیں۔ لہ

لہ اس بنا پر وجود انسانی کو تین اجزاء سے مرکب تسلیم کرنا ہو گا۔ جسم مادی کثیف، جسم مثالی جو نئی اصطلاح میں ”پیرسپیری“ PERISPERY کہلاتا ہے اور روح۔ لہ یہ اعتراض صرف اسی صورت میں کیا جاسکتا ہے جبکہ روح کو عرض تسلیم کیا جائے مگر روح کا جو ہر ہونا ثابت ہو چکا ہے۔

زمانے کو کہا جاتا ہے کہ جو موت اور روز قیامت کے درمیان ہے۔

محقق فیض کاشانی نے ”الوافی“ جلد ۳ صفحہ ۹۲ میں لکھا ہے کہ برزخ سے مراد وہ حالت ہے جو موت اور بعثت کے درمیان ہوتی ہے۔ حیات جسم سے روح کی مفارقت کے بعد دوبارہ جسم میں لوٹنے تک کی ہوتی ہے۔ یعنی قبر کی حالت جس میں روح ایک جسم مثالی میں رہتی ہے اور انسان اپنے کو نیند کی سی حالت میں پاتا ہے۔ حدیث نبوی میں ہے کہ ”نیند برادر موت ہے“ اور قرآن میں ہے کہ ”اللہ انسانی نفسوں کو ان کی موت کے وقت وفات دیتا ہے“ اور ان نفسوں کو بھی جو نیند کی حالت میں نہیں مرتے۔ پس وہ نفوس جن کی موت کا وقت آچکا ہوتا ہے ان کو اللہ رکھ لیتا ہے اور جو نیند میں نہیں مرتے ان کو ایک مدت معینہ کے لیے جسم کی طرف بھیج دیتا ہے“ (سورۃ زمر - آیت ۴۲)

جناب صدوق نے اپنے سلسلہ سند کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا تھا:

”اے فرزند ان عبدالمطلب، یقیناً سیر اپنے اہل سے جھوٹ نہیں بولتا۔ اس ہستی کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، جیسے تم سوتے ہو اُسی طرح مرو گے اور جیسے تم جاگتے ہو اُسی طرح دوبارہ اٹھائے جاؤ گے اور موت کے بعد جنت یا جہنم کے سوا کوئی اور گھر نہیں ہے“

مثالی جسم

پس برزخ کا شمار نہ دنیا میں ہے نہ آخرت میں — دنیا میں اس لیے نہیں کہ وہاں کی زندگی حیات دنیوی کی طرح نہیں کیونکہ روح انسانی

۲ — ”ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں مردہ نہ کہو، بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم لوگوں کو اس کا شعور نہیں“
(سورۃ بقرہ - آیت ۱۵۴)

اس آیت کریمہ کے بارے میں بحار الانوار کی روایت کے مطابق مفسر طبرسی نے فرمایا ہے کہ ”اس زندگی کے بارے میں چند اقوال ہیں جن میں سے صحیح یہ ہے کہ شہداء راہ خدا حقیقی طور پر زندہ ہیں قیامت تک کے لیے۔ ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور دوسرے بہت سے قدیم مفسرین کا یہی قول ہے اور شہداء کی تخصیص بطور بشارت ہے۔ اگرچہ ایک طرح دو سرے مومنین بھی زندہ ہیں۔ اس کے بعد ان کے رزق پانے کا بھی ذکر ہے جیسا کہ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”اور تم ہرگز ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں شہید ہوئے مردہ نہ سمجھنا بلکہ وہ تو زندہ ہیں اور اپنے رب کی بارگاہ سے رزق پاتے ہیں“
(سورۃ آل عمران - آیت ۱۶۹)

فخر الدین رازی نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے اور انہوں نے لکھا ہے کہ اکثر مفسرین کی رائے یہی ہے اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ کے اطاعت گزاروں کو ان کی قبر میں بھی ثواب ملتا ہے۔ رازی لکھتے ہیں کہ اس حقیقت پر کئی آیتیں دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً وہ آیتیں جو عذاب قبر پر دلالت کرتی ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”ان لوگوں نے کہا: ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو مرتبہ مارا اور دو مرتبہ زندہ کیا“
(سورۃ مومن - آیت ۱۱)

جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ عالم برزخ کو عالم آخرت میں بھی شمار نہیں کیا جائے گا تو وہ صرف اس لیے کہ یہی عالم برزخ ہی انسان کی آخری منزل نہیں ہے بلکہ اس کے بعد بعثت و نشور (یعنی دوبارہ جسم اصلی میں روح کے داخل ہونے اور قبر سے اٹھنے) کی منزلیں ہیں۔ پھر اس کے بعد اعمال دنیوی کے حساب اور جنت یا دوزخ میں ہمیشہ کی زندگی کے بطور جزا و سزا ملنے کی منزلیں ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ عالم برزخ کی حیثیت عالم دنیا اور عالم آخرت کے مابین ایک پڑاؤ کی سی ہے جہاں بدکرداروں کے لیے عذاب کی شدت نسبتاً کم ہوگی اور نیکوکاروں کے لیے نعمتوں کی لذتیں بھی کم تر ہوں گی۔ البتہ دنیا کے اعتبار سے دونوں ہی زیادہ ہوں گی۔

عالم برزخ کے وجود پر استدلال

عالم برزخ کے موجود ہونے پر آیات قرآنیہ، روایات و احادیث، اجماع مسلمین، عقل اور خدا پرست حکماء کے اقوال سے استدلال کیا جاتا ہے۔ جہاں تک آیات قرآنیہ کا تعلق ہے جو عالم برزخ کے وجود اور دایاں ثواب و عذاب واقع ہونے پر دلالت کرتی ہیں تو وہ بہت سی ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

۱ — ”اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی طرف راضی و پسند ہو کر واپس آجا۔ پس میرے (خاص) بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا“
(سورۃ فجر - آیات ۲۷ تا ۳۰)

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ واپس جانا موت ہی کے ذریعے مراد ہے اور موت کے بعد فوراً ہی شامل عباد صالحین ہونے کا حکم اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حالت موت کے بعد سے قیامت کے دن تک رہے گی۔

سورۃ مومن کی گیارہویں آیت کہ ”تو نے ہمیں دو مرتبہ مارا اور دو مرتبہ زندہ کیا۔“ کے متعلق تفسیر مجمع البیان میں تین اقوال آئے ہیں۔ ان میں سے پہلے اور تیسرے قول کے مطابق اس آیت شریف میں زندہ ہونے سے مراد عالم برزخ میں زندہ ہونا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ قوم نوح کے بارے میں فرماتا ہے:

”وہ ڈبو دیے گئے اور آگ میں ڈال دیے گئے۔“

(سورۃ نوح - آیت ۲۵)

یہاں ان کے فوراً ہی آگ میں ڈالے جانے کا ذکر ہے۔ لہٰذا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”وہ لوگ ہر صبح و شام آگ میں ڈالے جاتے ہیں اور قیامت

کے دن اللہ فرمائے گا: اے آل فرعون سخت ترین عذاب

میں داخل ہو جاؤ۔“ لہٰذا (سورۃ مومن - آیت ۴۶)

ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ گناہگاروں پر یوم قیامت سے پہلے

بھی عذاب ہوگا۔ لہٰذا عالم برزخ کا وجود ضروری ہے اور جب قیامت سے پہلے

عذاب ہونا ثابت ہوا تو اطاعت گزاروں کو نواب ملنا بھی ثابت ہے کیونکہ

لہٰذا میں کہتا ہوں کہ آیت کریمہ میں فَاذْخِلُوْا پر جو حرف فاء ہے وہ اُن کے

فورا دخولِ نار پر دلالت کرتا ہے لہٰذا وہ آتشِ برزخ ہے۔ ورنہ اگر آتشِ جہنم

مراد ہوتی تو یہاں حرف فاء کی بجائے ثَمَّ استعمال ہوتا۔ (مفسف)

لہٰذا اس آیت میں واو عطف اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ہر صبح و شام

جس آگ میں ڈالے جاتے ہیں وہ قیامت کے بعد واپس عذاب سے مختلف ہے۔ (مفسف)

اور دو مرتبہ موت متحقق نہیں ہو سکتی، جب تک حیاتِ قبر نہ تسلیم کی جائے۔

شیخ طوسی نے تفسیر ”البیان“ میں علامہ سدی کا یہ قول نقل کیا ہے:

”دوسری موت عالم برزخ میں واقع ہوتی ہے، جبکہ قیامت سے پہلے بندے

کو اس سے باز پرس کرنے کے لیے زندہ کیا جاتا ہے۔“

پھر شیخ طوسی کہتے ہیں: ”اس آیت کریمہ سے علامہ سدی کے قول

کے علاوہ رجعت بھی مراد لی جاسکتی ہے اور یقینی طور پر یہاں کوئی ایک قول

مراد نہیں لیا جاسکتا۔“

انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ابن عباسؓ عبد اللہ اور ضحاک کا کہنا ہے

کہ: ”یہ بھی اس آیت کی طرح ہے ”کیسے تم خدا کا انکار کر سکتے ہو؟ تم ماؤں

کے پیٹوں میں بے جان تھے تو اسی نے تم کو زندہ کیا۔ وہی تم کو موت دے

گا اور وہی تم کو زندہ کرے گا اور وہی تم کو دوبارہ زندہ کرے گا۔“

(سورۃ بقرہ - آیت ۲۸)

انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اس آیت مبارکہ میں کفار کو خبردار کرنا اور

ان کے کفر کے خلاف حجت قائم کرنا مقصود ہے یعنی کس طرح وہ لوگ اللہ

کی عطا کی ہوئی نعمتوں کا انکار کر رہے ہیں، حالانکہ وہ رحمِ مادر میں آنے سے

پہلے پشتِ پدر میں نطفہ کی صورت میں مردہ تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو

زندہ کیا یعنی ان کو دنیا میں زندگی بخشی۔ وہ ان کو قبر میں زندہ کرتا ہے تاکہ ان

سے باز پرس کی جائے۔ نیز اللہ تعالیٰ ان کو قیامت کے دن دوبارہ اٹھا

کھڑا کرے گا۔ لہٰذا

لہٰذا تفسیر تبیان جلد اول صفحہ ۱۲۳

غداً و ثواب خدا کی طرف سے دونوں ہی حق ہیں اور یہ دونوں قبر میں واقع ہوں گے یعنی عالم برزخ میں۔ چنانچہ اہل اطاعت کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”اور وہ لوگ خوش ہوتے ہیں ان لوگوں سے جو ابھی ان سے نہیں ملے“ (سورۃ آل عمران - آیت ۱۷۱)

یہ آیت دلیل ہے عالم برزخ کی زندگی پر۔

(صاحب بحار الانوار کا کلام یہاں ختم ہوا)

روایات و احادیث سے استدلال

جہاں تک روایات و احادیث کا تعلق ہے تو صاحب بحار الانوار

فخر الدین رازی کے حوالے سے یہ حدیث پیغمبر بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔“ رازی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ثواب و عذاب کے بارے میں اخبار و احادیث متواتر ہیں۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی نمازوں کے بعد دعا کیا کرتے تھے: ”اے اللہ! میں عذاب قبر سے تیری پتاہ مانگتا ہوں۔“

رازی نے آخر میں یہ دلیل پیش کی ہے کہ لوگ شہداء کی قبروں کی زیارت و تعظیم بھی کرتے ہیں جو وجود حیات برزخ کی ایک دلیل ہے۔

(علامہ مجلسی صاحب بحار الانوار کا کلام بحوالہ رازی یہاں ختم ہوا)

بحار الانوار جلد ۶ میں یہ احادیث بھی مروی ہیں:

۱۔ روایت کی گئی ہے کہ پیغمبر اکرمؐ غزوہ بدر میں مشرکین قریش کے مقتولین کا نام لے کر ان کو پکارتے تھے اور فرماتے تھے: بھئیتم نے اپنے پروردگار

کے وعدوں کو بطور حق پایا؟“

لوگوں نے کہا: ”یا رسول اللہ! یہ تو مردہ ہیں، آپ ان کو کیسے پکارتے ہیں؟“

آنحضرتؐ نے فرمایا: ”یہ تم لوگوں سے زیادہ سنتے ہیں۔“ (صفحہ ۲۰۷)

۲۔ آنحضرتؐ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: ”انبیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔“ (صفحہ ۲۰۷)

۳۔ اور آنحضرتؐ ہی سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے حضرت جعفر بن ابی طالب کے لیے جب وہ غزوہ موتہ میں شہید ہو گئے تو فرمایا:

”میں نے ان کو اس حالت میں دیکھا کہ ان کو دو پر دیے گئے ہیں جن سے وہ ملائکہ کے ساتھ پرواز کرتے ہیں۔“ (صفحہ ۲۱۲)

۴۔ عذاب قبر کی تاکید کے بارے میں وہ حدیث بھی ہے جو ”الکافی“

میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

”لیکن میں تم لوگوں کے بارے میں عالم برزخ کا خوف کرتا ہوں۔“

پوچھا گیا: ”برزخ کیا ہے؟“ آپؐ نے فرمایا: ”وہ قبر ہے، موت

سے لے کر قیامت تک!“ آپؐ ہی نے فرمایا ہے: ”خدا کی قسم میں

تم لوگوں کے بارے میں صرف عالم برزخ کا خوف کرتا ہوں۔ پھر

جب معاملہ ہم تک پہنچ جائے گا تو ہم (تمہاری مدد کے لیے) تمہارا

بیٹے اولی ہوں گے۔“ لے

عمر و ابن یزید سے روایت کی گئی ہے کہ انھوں نے حضرت ابو عبد اللہ

دلیل اجماع

اجماع کے متعلق علامہ مجلسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ”اور جان لو کہ عالم برزخ کا ثواب و عقاب وہ ہے جس پر ابتداء سے اب تک امت اسلامیہ کا اتفاق ہے اور اکثر اہل مذاہب بھی اس کے قائل ہیں۔ مسلمانوں میں سے شاید و نادر کے سوا کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا ہے۔ پس ان کے خلاف سابق و لاحق کا اجماع ہے اور عامہ و خاصہ دونوں کے یہاں اس مضمون کی احادیث متواتر وارد ہوئی ہیں“ (بحار الانوار جلد ۲ صفحہ ۲۷۱)

عالم برزخ میں انہیں چھوڑے رکھا جائے گا اور قیامت کے دن ان کے لیے انگ روشن کی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا: ”اس میں داخل ہو جاؤ“ تو یہ نا سمجھ اور مجنوں لوگ ہوں گے۔ وہ لوگ ہوں گے جو زمانہ فترت انبیاء میں پیدا ہوئے اور قاتر العقل بوڑھے، بوڑھیاں اور ان کے مثل ہونگے جنہوں نے نہ ایمان کو سمجھا نہ کفر کو۔ پس وہ اپنی قبروں میں اپنی حالت پر رہیں گے یہاں تک کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ ان کو قوت اور اک عطا فرمائے گا اور پھر مذکورہ طریقے سے ان کی آزمائش ہوگی۔ (انتہی)

فیروزہ لوگ جنہوں نے ثواب و عذاب قبر سے انکار کیا ہے ان میں ضرار ابن عمرو اور عتزلہ میں سے کچھ لوگ شامل ہیں۔ سید عیسوی کے لگ بھگ ملحوں کی ایک جماعت شیراز میں ظاہر ہوئی جن کا عالم عذاب قبر سے انکار کرتا اور لوگوں کو یہ کہہ کر بیوقوف بناتا تھا کہ میت کے منہ میں کپڑا رکھ کر دفن کرو اور پھر دوسرے دن قبر کھود کر دیکھو تو اس کو اسی حالت میں پاؤ گے۔ پس اگر سوال و حساب ہوتا تو اس کے منہ سے کپڑا گر جاتا۔ پھر یہ کہ

امام صادق علیہ السلام سے کہا: ”میں نے جناب کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ہمارے تمام شیعہ بہر حال جنت میں ہوں گے، تو امام نے فرمایا: ”تم نے سچ کہا، بخدا وہ سب جنت میں ہوں گے“ انہوں نے کہا: ”میں آپ پر خدا ہو جاؤں کچھ گناہ تو کبیرہ بھی ہوتے ہیں“ امام نے فرمایا: جہاں تک یوم قیامت کا تعلق ہے تو تم سب کے سب جنت میں جاؤ گے نبی مطاع یا وصی نبی کی شفاعت سے۔ لیکن خدا کی قسم! میں تم لوگوں کے بارے میں برزخ کا خوف کرتا ہوں“ انہوں نے کہا: ”برزخ کیا ہے؟“ امام نے فرمایا: ”وہ قبر ہے موت سے لیکر قیامت تک!“ لہ

اور امام صادق علیہ السلام پروردگار عالم کے اس قول کے بارے میں کہ ”اور ان کے بعد ایک برزخ اس دن تک کے لیے جب کہ وہ پھر اٹھائے جاتیں گے“ فرمایا ہے: ”برزخ سے مراد قبر ہے جہاں دنیا اور آخرت کے درمیان ثواب و عقاب ملے گا“ لہ

واضح ہو کہ آیات کریمہ، احادیث کثیرہ متواترہ اور براہین قاطعہ سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ موت کے بعد انسانی روح باقی رہتی ہے۔ اگر وہ پورا کا قریب ہو تو مبتلائے عذاب ہو کر اور اگر پورا مومن ہو تو نعمتوں سے بہرہ یاب ہو کر لیکن اگر وہ ضعیف العقل رہا ہو تو اسے چھوڑ رکھا جائے گا اور یہ سب کچھ ہم مثالی میں ہو گا“ لہ

لے سفینۃ البحار جلد ۱ صفحہ ۲۱۸ لہ بحار الانوار جلد ۲ صفحہ ۲۷۱

لہ بحار الانوار جلد ۲ صفحہ ۲۷۱۔ سید جزائری نے انوار نعمانیہ (صفحہ ۴۵۷) میں لکھا ہے: ”وہ لوگ جن کے بارے میں اخبار و احادیث میں وارد ہوا ہے کہ

حکماءِ خدا شناس کے اقوال

جہاں تک حکماءِ خدا شناس کا تعلق ہے تو ان میں ایک گروہ یعنی فلاطون اور ان کی پیروی کرنے والوں کا یہ نظریہ ہے کہ کائنات میں عالمِ حسی کے علاوہ ایک عالمِ مقداری (یعنی مثالی) بھی موجود ہے جو عالمِ مادیات اور عالمِ مجردات کے درمیان واقع ہے۔ نہ اس میں مادیات جیسی کثافت ہے، نہ مجردات جیسی لطافت اور اس میں اجسام و اعراض کے لیے حرکت سکون، آواز، ذائقہ اور خوشبو وغیرہ کے احساسات سب کچھ پائے جاتے ہیں قائم بالذات ہو کر مگر کسی مادے میں معلق ہوئے بغیر۔ یہ نہایت وسیع عالم ہے اور اس میں رہنے والے لطافت و کثافت اور حسن و قبح صورت کے لحاظ سے مختلف درجات میں ہوتے ہیں اور ان کے مثالی اجسام میں تمام حواس ظاہری و باطنی موجود ہوتے ہیں۔ لہذا وہ ہر قسم کے جسمانی و روحانی آلام سے اذیت بھی اٹھاتے ہیں اور نعمتوں سے لطف اندوز بھی ہوتے ہیں۔ لہ

ہم عذابِ قبر کی شدت و صعوبت کے باوجود اس کی آواز نہیں سنتے“
(الانوار النعمانیہ صفحہ ۴۵۸ - چاپ سنگی)

میں کہتا ہوں کہ اگر یہ متحد عقل و تدبیر سے کام لیتا اور تلقاً ضائع فطرت پر غور کرتا تو ایسی سطحی بات کہنے سے گریز کرتا اور خدا پر ایمان لاتے ہوئے یہ بیان دیتا کہ یہ آنکھ کا نثر عالمِ مادی کے اعضاء ہیں اور مادے سے بنے ہیں۔ یہ امور منکوتی کو دیکھنے اور سننے سے قاصر ہیں۔ پس عالمِ برزخ کی باتوں کو دیکھنے اور سننے کے لیے مادی حواس ناکافی ہیں۔ (مصنف)

لہ الانوار النعمانیہ صفحہ ۴۶۰

ہمارے شیخ بہائی اعلیٰ اللہ مقامہ فرماتے ہیں کہ ان امور پر اگر چہ عقلی دلیلیں نہیں قائم کی جاسکتیں تاہم نقلی دلائل (یعنی قرآن و احادیث وغیرہ) سے یہ ثابت ہیں اور خدا شناس لوگوں نے اپنے مجاہدات اور کاشفات سے بھی ان کی تائید و تحقیق کی ہے اور ظاہر ہے کہ روحانی تحقیق کرنے والے مادی محققین سے قدر و منزلت کے اعتبار سے بلند تر ہیں۔ پس جس طرح تم ان مادی تحقیقات کرنے والوں کے نظریات کو ہیئت فکری وغیرہ کے بارے میں تسلیم کرتے ہو، اسی طرح تمہیں روحانی مجاہدہ و مکاشفہ کرنے والوں کی باتیں منکوتی و مقدس عوالم کے بارے میں تسلیم کرنی چاہئیں اور علامہ حلی اعلیٰ اللہ مقامہ نے ”شرح حکمتہ الاشراق“ میں عالمِ برزخ کے وجود کا قول انبیاء اولیا اور خدا شناس حکماء کی طرف منسوب کیا ہے۔ لہ

دلیل عقلی

پوشیدہ نہ رہے کہ قادرِ مطلق نے انسان کی خلقت گیلی مٹی سے کی۔ پھر اسے ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پلٹا رہا۔ یہاں تک کہ وہ نہایت ہی اعلیٰ درجے کی صورت میں پورا بشر بن گیا یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ جسمِ انسانی لطفہ منی سے پیدا ہوا، لطفہ خون سے، خون غذاؤں سے اور غذا میں مٹی ہوا، رطوبت اور حرارت وغیرہ سے وجود میں آئیں۔ پھر جب لطفہ ”قرار لکین“ یعنی مستحکم مقام پر ٹھہر گیا تو خالقِ کل نے اسے علقہ بنا دیا۔ یعنی اس کو منوی صفات سے جھے ہوئے خون میں بدل دیا۔ پھر اسے مضغ یعنی گوشت کا لوتھڑا بنا دیا۔ پھر اس میں ہڈیاں پیدا کر دیں اور

لہ الانوار النعمانیہ صفحہ ۴۶۰

پھر ہڈیوں کو گوشت و پوست کا لباس پہنا دیا۔

ان تمام چھ مرتبوں کے تغیرات کے بعد اسے ایک نئی خلقت عطا فرمائی یعنی روح پھونک کر اسے جیتا جاگتا انسان بنا دیا۔ جیسا کہ پروردگار نے فرمایا ہے :

”پھر ہم نے اسے ایک اور خلقت دی۔ پس برکت والا ہے اللہ جو بہترین خالق ہے“

یعنی ایک ایسی خلقت عطا کی جو پہلے سے مختلف تھی اور اس کے بعد وہ جسمانی و روحانی حیثیت سے دوئے زمین پر پھر پوزندگی بسر کرنے کے قابل ہو گیا۔

یہیں سے اس خالق حقیقی کی ایک ایسی عجیب و غریب صنایع حکمت ظاہر ہوتی ہے جو شرح و بیان کے احاطے میں نہیں آسکتی۔ یہاں خلقت کے ابتدائی چھ مرحلوں اور خلقت روح کے بیان میں جو لفظ ”ثُمَّ“ یعنی پھر استعمال ہوا ہے اس سے ابتدائی مراحل اور خلقت روح کے درمیان جو تفاوت پایا جاتا ہے اس کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ روح ہی وہ ہے جو انسان کو ادراک کے قابل بناتی ہے اور جسم مادی سے مختلف ہے۔

یہ روح وہ علمی العنصر اور قدسی الجوہر و جودی چیز ہے جو جسم میں اسی طرح رواں دواں رہتی ہے جیسے ہوا میں روشنی اور کونے میں آگ اور اسی سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح جسم مادی کی قسم میں سے نہیں ہے۔

اسی حقیقت سے اس راز کا انکشاف ہوتا ہے جو پروردگار عالم لے کتاب ”توحید المفصل“ کا مطالعہ کیجیے تو بہت سے عجائباتِ صنعت و خلقتِ باری کا علم ہوگا۔

کے اس قول میں کہ جو ذکر مراتب خلقت کے بعد واقع ہوتا ہے پوشیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”پس برکت والا ہے وہ اللہ جو سب سے بہتر خالق ہے“ اس راز کی توضیح یہ ہے کہ پروردگار عالم نے روح اور بدن کو جو کہ ایک دوسرے سے اپنی حقیقت میں متفاوت ہیں، ان کے تفاوت کے باوجود جمع کر دیا ہے اور انسان کی خلقت میں عجیب عجیب کمالات صنعت کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ پس وہ یقیناً احسن الخالقین ہے۔ حالانکہ پروردگار نے خلقتِ سموات و ارض کا ذکر کرنے کے بعد بھی یہ نہیں فرمایا۔

خلاصہ کلام یہ کہ مذکورہ مراتب خلقت کو ذہن میں رکھتے ہوئے عالم برزخ کے وجود سے انکار کی گنجائش نہیں رہتی۔ علاوہ بریں عالم خواب کو بھی ذہن میں رکھیے جو کہ زندگی و موت کے درمیان برزخ کی حیثیت رکھتا ہے وہ ہمارے لیے عالم ارواح کی مثال پیش کرتا ہے کیونکہ خواب کی حالت میں روح کو خوشی و غم اور دوسرے تاثرات کا احساس ہوتا ہے۔ وہ گفتگو کرتی ہے اور مختلف قسم کی حرکتیں اس سے صادر ہوتی ہیں، حالانکہ تہ اس کی زبان ہلتی ہے اور نہ کسی عضو بدن کو حرکت ہوتی ہے۔

لے ثقہ الاسلام کلینی رحمہ اللہ نے ”الکافی“ میں حسن ابن عبد الرحمن سے روایت کی ہے۔ انہوں نے حضرت ابوالحسن علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ امام نے فرمایا: ”پہلے کے لوگوں میں خواب کی کیفیت نہیں ہوتی تھی۔ یہ بعد میں پیدا ہوئی۔“ حسن ابن عبد الرحمن کہتے ہیں: ”میں نے پوچھا: اس کا کیا سبب ہوا؟“ آپ نے فرمایا: ”اللہ نے اس زمانے کے لوگوں کی طرف ایک رسول بھیجا اور اس نے ان لوگوں کو اللہ کی اطاعت و عبادت کی طرف

مزید بریں وہ مسلمان جو توحید، نبوت اور معاد یعنی اصول ثلاثہ کا علم و معرفت کے ساتھ عقیدہ رکھتا ہے اس پر واجب ہوتا ہے بحکم عقل کہ وہ ان امور کو بھی تسلیم کرے جو آیات و سنت متواترہ یعنی اقوال معصوم سے ثابت ہوتے ہیں، ورنہ مذکورہ بنیادی اصول کے بارے میں اس کا عقیدہ کامل نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً اسے تسلیم کرنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ انسان کے مرنے کے بعد اس کی بوسیدہ ہڈیوں میں پھر سے جان ڈال دے گا کیونکہ ایک بات

بلايا۔ ان لوگوں نے کہا: ”اگر ہم ایسا کریں تو ہمیں کیلے گا کیونکہ آپ کے پاس نہ تو ہم سے زیادہ مال ہے نہ آپ کی ہم سے زیادہ قبیلے میں عزت ہے۔“ رسولؐ نے جواب دیا: ”اگر تم لوگ میری اطاعت کرو تو اللہ تم کو جنت میں داخل کرے گا اور اگر نافرمانی کر دے گا تو وہ تمہیں جہنم میں ڈال دے گا۔“ ان لوگوں نے کہا: ”یہ جنت و جہنم کیا ہے؟“ اللہ کے رسولؐ نے ان دونوں چیزوں کا وصف بیان کیا۔ ان لوگوں نے کہا: ”ہم وہاں کب جائیں گے؟“ رسولؐ نے کہا: ”جب تم مر جاؤ گے، انہوں نے کہا: ”ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ جب لوگ مر جاتے ہیں تو گل بڑ کر رکھ ہو جاتے ہیں۔“ اس کے بعد ان کی طرف سے تکذیب و توہین اور بھی بڑھ گئی۔ پس اللہ عز و جل نے ان میں خواب دیکھنے کی صلاحیت پیدا کر دی۔ پھر لوگوں نے جو کچھ خواب میں دیکھا اسے اگر اللہ کے رسولؐ سے بیان کیا۔ رسولؐ نے کہا: ”اللہ نے اس کے ذریعے تم پر اپنی حجت تمام کی ہے۔ تمہارے مرنے کے بعد تمہاری روحیں اسی طرح ہوں گی خواہ تمہارے بدن گل بڑ جائیں۔ مگر وہیں عذاب و ثواب محسوس کریں گی۔ دوبارہ جسموں میں اٹھنے سے پہلے تک۔“ (بخاری الاوار جلد ۶ صفحہ ۲۴۲-۲۴۳)

کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کے نتیجے میں جو بات مرتب ہو اسے بھی تسلیم کرنا ضروری ہوتا ہے جکار کا قول ہے کہ ”جو عجیب بات سناوے اسے امکان کے دائرے میں تسلیم کر لو۔ جب تک یقینی دلیل سے اس کی نفی نہ ہو جائے یعنی جس چیز کا وجود و عدم دونوں ممکن ہوں، اسکے وجود سے انکار نہ کرو بلکہ اسے ممکن سمجھو۔ پس ہر وہ چیز جو دلیل قطعی سے ناممکن نہ قرار پائے وہ بحکم امکان واقع ہو سکتی ہے۔ خصوصاً جبکہ اس کے وجود پر سچے شواہد بھی موجود ہوں اور خبر صادق نے اس کے بارے میں قطعی سند کے ساتھ اپنے علم لدنی سے خبر بھی دی ہو تو حکم عقل کے مطابق اس کا قبول کرنا ضروری ہے اور ایسی صورت میں صرف اس کا امکان ہی نہیں بلکہ اس کے واقعی وجود کو تسلیم کرنا ہوگا اور کسی عقلمند کے لیے اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہوگی۔

مومن کے لیے روزِ حشر سے پہلے کی سزا

واضح رہے کہ کبھی کوئی مرد مومن اور دلاء آل رسولؐ رکھنے والا بھی بعض گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پس جب اللہ اس کے لیے نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو دنیا ہی میں اسے تعجیل کے ساتھ سزا مل جاتی ہے اور کبھی عالم برزخ میں سزا ملتی ہے، یہ بات احادیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

”پروردگار عالم جب کسی بندہ گناہگار کا مرتبہ بڑھانا چاہتا ہے تو اسے بیماری میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اگر ایسا نہ کرے تو اسے فقر و احتیاج میں مبتلا کر دیتا ہے اور اگر ایسا بھی نہ ہو تو اس پر موت کی سختی بڑھ جاتی ہے تاکہ اسکے گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔“

عمر ابن یزید کا قول ہے کہ میں نے حضرت ابو عبد اللہ امام صادق علیہ السلام سے کہا: ”ہمارے اصحاب میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کبائر کا ارتکاب کرتے ہیں؟“

حضرت نے فرمایا: ”اے عمرو! اولیاء اللہ کو بُرا نہ کہو۔ ہمارے دوستوں میں سے اگر کوئی ایسے گناہوں کا ارتکاب کر لیتا ہے جو موجب عقاب ہوں تو اللہ اس کو جہنمی مرض میں مبتلا کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ مرض کفارۃ ذنوب بن جاتا ہے۔ اگر مرض سے عافیت ہو تو اللہ اس کو مالی نقصان میں مبتلا کرتا ہے۔ اگر ایسی بلاؤں سے وہ محفوظ رہے تو اولاد کے بارے میں مبتلا ہوتا ہے اور اگر دنیاوی مصائب سے وہ محفوظ رہ جائے تو نزع کی سختی میں مبتلا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جب اس کی روح بدن سے نکلتی ہے تو اللہ اس سے راضی ہوتا ہے۔“

سوال منکر و نکیر

مرنے والے کو قبر ہی میں ایک حساب دینا ہوتا ہے۔ دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں اور اصولِ دین کے بارے میں اس سے سوال کرتے ہیں۔ اس مسئلے پر شیعوں اور اصحابِ حدیث کا اجماع ہے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ مستحق النعام بندہ خدا کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ جن کے نام مبشر و بشیر ہیں۔ وہ مرنے والے سے اس کے رب، اس کے نبی اور اس کے ولی کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ وہ بندہ مومن ان کو اپنے اس صحیح عقیدے کے مطابق جواب دیتا ہے جس پر وہ دنیا میں تھا۔ سوال کا مقصد محض استحقاقِ نعمت ہوتا ہے جس کے بعد اسے بشارت و نعمت سے سرفراز کیا جاتا ہے اور وہ شخص جو مستحقِ عذاب ہوتا ہے اس پر دو فرشتے آتے ہیں جن کو ناکر و نکیر

کہتے ہیں اور وہ اسے عذاب کے حوالے کر جاتے ہیں۔ اس سے سوال کا مقصد اس کے استحقاقِ عذاب کو ظاہر کرنا ہوتا ہے جو اس کے بد اعتقادی کے جواب سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ ان فرشتوں کا سوال موت کے بعد ہی واقع ہوتا ہے۔ اسی انداز پر ہمیشہ کہ ہم نے ذکر کیا۔ یہی علماء امامیہ اور محدثین کا نظریہ ہے اور ان کے متکلمین میں سے بھی کسی نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث میں ہے کہ ”قبر میں سوال اسی میت سے کیا جائے گا جو ایمان کو پورے طور پر سمجھتا ہو یا کفر کو“۔ لہٰذا ابو بکر حضرمی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابو جعفر باقر علیہ السلام سے پوچھا: ”اللہ آپ کا بھلا کرے! قبروں میں کن لوگوں سے سوال کیا جائے گا؟“ امام نے فرمایا: ”ان لوگوں سے جو ایمان یا کفر کو پورے طور پر سمجھتے ہوں“۔ میں نے کہا: ”اور باقی لوگ؟“ امام نے فرمایا: ”نا سمجھ لوگوں سے قطع نظر کیا جائے گا“۔

اس مضمون کی متعدد حدیثیں موجود ہیں اور ان سے اس حدیث کی نفی نہیں ہوتی کہ ”قبر یا تو حنن کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے“۔
مردوں کو منتقل کرنے والے فرشتے
لئی الاخبار میں شیخ طوسی علیہ الرحمہ کی کتاب امالی کے حوالے

۱۔ دیکھیے اوائل المقالات از شیخ مفید علیہ الرحمۃ صفحہ ۶۹ مکتبہ الدارسی۔ قم
۲۔ البحار جلد ۶ صفحہ ۲۶۰ بحوالہ کافی ۳۔ البحار جلد ۶ صفحہ ۲۶۲ بحوالہ کافی۔

دوسری جگہ منتقل کرنا کیسے ہوتا ہے؟“ تو امامؑ نے فرمایا: اے ابامہر! اللہ نے ستر ہزار فرشتے ایسے پیدا کیے ہیں جن کو ’نقلہ‘ (یعنی منتقل کرنے والے) کہا جاتا ہے۔ پس یہ فرشتے زمین کے مشرق و مغرب میں پھیل جاتے ہیں اور وہ مردوں کو ان کے مناسب مقامات پر بدلتے رہتے ہیں۔ ایک کو اٹھا کر دوسرے کو اس کی جگہ یوں رکھ دیتے ہیں کہ تمہیں کچھ پتہ نہیں چلتا اور اللہ اپنے بندوں پر ذرا سا بھی ظلم نہیں کرتا۔“

ملائکہ نقالہ کا ایک قصہ

شیخ محدث علامہ محمود عراقی نے اپنی کتاب ”دارالسلام“ کے تشریح میں مکاشفات مرحوم الحاج مولانا مہدی زرقی کے ذیل میں نجف اشرف کے ایک مرد صالح کا بیان یوں نقل کیا ہے:

نجف اشرف میں ایک مرتبہ قحط پڑا اور سخت گرانی ہو گئی۔ میں بال بچوں والا آدمی تھا اور میرے لیے زندگانی دشوار ہو گئی۔ پس ایک روز میں زیارت قبور کے ذریعے اپنا غم غلط کرنے کو دارالسلام کی وادی میں چلا گیا۔ وہاں میں نے حالت بیداری میں لوگوں کی ایک جماعت کو دیکھا جو ایک جنازے کو لیے ہوئے آئے اور وہ اس کو لے کر ایک ایسے باغ میں داخل ہو گئے جس کا حسن بیان سے باہر ہے۔ پھر انہوں نے اسے ایک قصر میں پہنچا دیا جو ہر طرح کے ساز و سامان سے مزین تھا۔ میں بھی ان کے پیچھے اندر چلا گیا۔ پس وہاں میں نے ایک جوان شخص کو دیکھا جو شانہ انداز سے ایک زرد جوہر سے مزین کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ جب اس جوان نے مجھے دیکھا تو مجھے خود ہی سلام کیا اور میرا نام لیکر مجھے اپنے پاس بلایا۔ میں قریب پہنچا تو میری تعظیم کو اٹھے اور بڑے احترام سے انہوں

سے امام جعفر صادق علیہ السلام کی یہ حدیث ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ اللہ کے فرشتے ایسے بھی ہیں جو مرے والوں کو ان کی قبروں سے منتقل کر کے اس مقام پر پہنچا دیتے ہیں جو ان کے لیے مناسب ہوتا ہے۔“

اسی کتاب میں ”عوالی اللئالی“ کے حوالے سے سند صحیح کے ساتھ مکمل ابن زیاد نخعی سے روایت ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: ”تم اپنے مردوں کو جہاں چاہو دفن کرو۔ اگر وہ نیکو کار ہوں گے تو ملائکہ انہیں بیت اللہ اور مدینہ رسولؐ کے قرب میں منتقل کر دیں گے اور اگر وہ فاسق و قاجر ہوں گے تو ان کو اس مقام پر پہنچا دیں گے جس کے وہ اہل ہوں گے۔“

شیخ الطائفہ (شیخ طوسی) علیہ الرحمہ نے ”کشف الحق“ میں اپنی سند سے البصیر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ”میں نے حضرت ابو عبد اللہ امام صادق علیہ السلام کے ساتھ حج کیا تو امامؑ نے مدینے میں اپنے جد امجد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کی زیارت کی اور ہم نے بھی زیارت کی۔ پس میں نے کہا: اے فرزند رسولؐ! یہ ملائکہ کا میت کو ایک جگہ سے

لے ان حدیثوں سے اس امر کی تردید نہیں ہوتی کہ نجف اشرف اور دوسرے مقدس مقامات پر دفن سے عذاب قبر میں تخفیف ہو جاتی ہے کیونکہ اگر میت کے اعمال اتنے ہی بُرے ہوتے کہ اس کے لیے وہ جگہ مناسب نہ ہوتی تو ملائکہ اسے وہاں سے منتقل کر دیں گے لیکن اگر اس حد تک بُرائی نہ ہوگی تو وہاں دفن ہونے سے عذاب قبر میں یقیناً تخفیف ہوگی۔“ (مصنف)

نے مجھے اپنے پہلو میں بٹھالیا اور کہا: ”آپ مجھے نہیں پہچانتے۔ یہ میرا ہی جنازہ تھا جسے آپ نے دیکھا تھا۔ میرا نام فلاں ہے اور میں فلاں مقام کا رہنے والا ہوں۔ یہ لوگ درحقیقت ملائکہ نقالہ ہیں جنہوں نے مجھے میرے شہر سے منتقل کر کے اس جنت برزخیہ میں پہنچا دیا ہے۔“ پس جب میں نے یہ سنا تو میرا غم دور ہو گیا اور مجھے مبہر کرتے کا خیال آیا۔ میں اس قصر سے نکلا اور بھی میں کچھ دور چلا تھا کہ کچھ اور بھی قصر نظر آئے جن میں سے بعض میں میں نے اپنے باپ، ماں اور دیگر عزیزوں کو دیکھا۔ جنہوں نے مسرت کے ساتھ میرا استقبال کیا اور مجھ سے انہوں نے زندہ عزیزوں کے بارے میں پوچھا۔ میں نے شدت فقر و فاقہ اور بچوں کی بھوک کا ذکر کیا۔ پس میرے والد نے ایک قبیہ کی طرف اشارہ کیا اور کہا: ”وہاں چاول ہے، جتنا چاہو لے جاؤ۔“ میں خوش ہو کر اس قبیہ میں داخل ہوا اور اپنی عیال کو چاولوں سے بھر لیا۔ پھر میں نجف کی طرف چل پڑا۔ ہم ایک مدت تک ان چاولوں میں سے کھاتے رہے۔ مگر وہ کم نہیں ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ میری زوجہ نے مجھے سارا واقعہ بیان کرنے پر مجبور کر دیا۔ پھر جب وہ چاول کے ذخیرے کے پاس گئی تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

کافی میں احمد ابن عمر کی روایت ہے کہ انہوں نے امام صادقؑ سے کہا: ”میرا بھائی بغداد میں رہتا ہے اور مجھے خوف ہے کہ کہیں وہ وہیں نہ مگر جائے۔“ امامؑ نے فرمایا: ”کیا پروا! وہ جہاں چاہے مرے، مشرق و مغرب میں جہاں کہیں کوئی مومن مرتا ہے، پروردگار اسے وادی السلام میں لے آتا ہے۔“ انہوں نے کہا: ”وادی السلام کہاں ہے؟“ امامؑ نے فرمایا: ”شہر کوفہ کی پشت پر واقع ہے۔ میں تو ان مومنین کو حلقہ در حلقہ باتیں

کرتے ہوئے دیکھتا ہوں۔“ لہ

کلیفی طاب ثراہ نے حیدر بنی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ”میں امیر المؤمنین علیہ السلام کے ساتھ پشت کوفہ کی طرف آیا تو آپ وادی السلام میں آکر یوں کھڑے ہو گئے جیسے کسی سے خطاب کر رہے ہوں۔ میں بھی آپ کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ پھر کھڑے کھڑے اکتا گیا تو بیٹھ گیا۔ آخر کار میں اٹھا اور میں نے امیر المؤمنینؑ سے عرض کی: امیر المؤمنین! آپ بھی تھک گئے ہوں گے۔ یہ بیچے میں اپنی چادر بچھا تا ہوں، آپ کچھ دیر آرام کر لیجیے۔“ جناب امیرؑ نے فرمایا: ”اے حبیب! یہ تو بس مومنین سے انس و محبت کی باتیں ہیں۔“ میں نے کہا: ”کیا وہ یہاں ہیں؟“ آپ نے فرمایا: ”ہاں! اور اگر میں تمہاری نگاہ سے پردہ ہٹا دوں تو تم بھی انہیں حلقہ در حلقہ باتیں کرتے ہوئے دیکھو گے۔“ میں نے کہا: ”وہ اپنے جسموں میں ہیں یا روحوں میں؟“ امامؑ نے فرمایا: ”روحیں ہیں اور جہاں کہیں بھی کوئی مومن مرتا ہے، اس کی روح سے کہا جاتا ہے؟“ وادی السلام میں چلی جائے یہ جنت عدن کا ایک حصہ ہے۔“ لہ

وادی السلام کے بقعہ جنت ہونے کے بارے میں متواتر حدیثیں موجود ہیں اور آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ عالم برزخ، عالم دنیا سے مختلف ہے۔ لہذا وہاں روحیں اجسام مثالیہ میں رہتی ہیں اور لذت و الم سے متاثر ہوتی ہیں۔ یہ تاثر دنیاوی تاثر کے مقابلے میں شدید تر اور دائمی ہوتا ہے۔ مگر اس دنیا کے لوگوں کے لیے اس کا ادراک اسی طرح ناممکن ہوتا ہے

ہوتی ہے تو وادی سلام میں چلی جاتی ہے جو پشت کو فہر پر ایک جنتِ رضی ہے مگر مادی نگاہوں سے نظر نہیں آتی۔ وہاں تمام مومنین کی روئیں مثالی قالب میں رہتی ہیں اور جنتِ خلد کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتی ہیں۔ وہاں ان کے لیے گل و گلزار، ترسیں، حوریں اور شہد و شیر کی تہریں سب کچھ ہوتا ہے۔ وہ کھاتے پیتے بھی ہیں اور جنسی نعمتوں سے بھی محفوظ ہوتے ہیں۔ وہ آپس میں حلقہ و حلقہ بیٹھتے بھی ہیں اور پھر باتیں بھی کرتے ہیں۔ انتہی۔

فشارِ قبر

جب کسی بندہ مومن کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو زمین کہتی ہے: ”خوش آمدید! آپ اپنے ہی گھر آئے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں آپ سے محبت کرتی تھی جبکہ آپ میری پشت پر چلتے تھے۔ اب آپ میرے پیٹ میں داخل ہوئے ہیں تو دیکھیں گے کہ یہ بھی کتنی خوشگوار جگہ ہے۔“ پس قبر کی زمین بندہ مومن کے لیے حد نظر تک کشادہ ہو جاتی ہے۔ جب کسی فاسق و فاجر شخص کو قبر میں اتارا جاتا ہے تو زمین کہتی ہے: ”تیرے لیے کوئی خوش آمدید نہیں اور نہ تجھ سے میرا کوئی واسطہ ہے۔ تو جب میری پشت پر چلنا تھا، مجھے تجھ سے نفرت ہوتی تھی۔ اب جبکہ تو میرے پیٹ میں آگیا ہے تو دیکھ لے کہ میں کتنی بُری جگہ ہوں۔ یہ کہہ کر قبر اس پر اتنا فشار ڈالتی ہے کہ اس کا بھیجا، اس کے پیروں کے ناخنوں سے نکل آتا ہے۔ اس کے بعد اس کی طرف جہنم کا ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ پھر اس کے پاس ایک بد شکل آدمی آتا ہے۔ تب وہ اس کو کہتا ہے: ”بندہ خدا تو کون ہے؟ میں نے تجھ سے بری کوئی چیز نہیں دیکھی۔ وہ جواب دیتا ہے میں تیرا وہ بُرا کردار ہوں جو تو نے ظاہر کیا اور میں ہی تیری ناپاک رائے ہوں۔“ (انوارِ نعمانیہ صفحہ ۶-۴)

جیسے پیٹ کے بچے کے لیے دنیا کی زندگی کا ادراک ناممکن ہوتا ہے۔ کیا آپ نے توجہ نہیں کی اس امر کی طرف کہ صحابہ پیغمبرؐ کے پاس بیٹھے ہوتے تھے اور آنحضرتؐ کے پاس جبریل امینؑ آجاتے تھے پیغمبرؐ ان کو دیکھتے بھی تھے اور ان سے باتیں بھی کرتے تھے۔ مگر دوسرے لوگ نہ جبریلؑ کو دیکھتے تھے نہ ان کی باتیں سنتے تھے؟“

عالمِ شہود میں اس کی مثال اس خوابیدہ انسان سے دی جاسکتی ہے جس کے پاس لوگ بیٹھے ہوتے ہیں اور وہ خواب میں طرح طرح کی چیزوں یہاں تک کہ بعید مقامات کو دیکھتا ہے اور کبھی کبھی ان چیزوں کو دیکھ کر اس قدر خوف زدہ ہو جاتا ہے کہ اس کی چیخ نکل جاتی ہے۔ پھر بھی اس کے پاس بیٹھے ہوئے لوگ نہ ان چیزوں کو دیکھتے ہیں نہ اس کی خواب لٹی باتوں کو سنتے ہیں۔

سیدِ نعمت اللہ جزائری کا ارشاد

انوارِ نعمانیہ صفحہ ۴۵۸ میں وہ لکھتے ہیں: ”ہاں قبر میں فرشتوں کا سوال، فشارِ قبر اور وہاں کا عذاب اسی بدن پر واقع ہوتا ہے۔ پھر جب روح اس عذاب یا ثواب سے فارغ ہوتی ہے تو وہ دوسری قسم کی شقاوت یا سعادت کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ حضرت رسولؐ کا فرمان ہے: ”قبر یا تو باغاتِ جنت میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔“ پس منزلِ قبر کے بعد روح ہیکلِ مثالی میں چلی جاتی ہے جو نہایت لطیف ہوتا ہے۔ لہذا عالمِ برزخ مجردات و مادیات کے درمیان کی ایک اور چیز ہے جس میں اللہ تعالیٰ روح کو نہایت قبلِ عرصے میں بعید ترین مسافت طے کرنے کی صلاحیت دے دیتا ہے۔ اگر وہ مومن کی روح

صحابہ کرام نے عرض کی: ”ہم لوگ سنتے آئے ہیں کہ وہ پیشاب کی نجاست سے پختے نہیں تھے“ حضورؐ نے فرمایا: ”خدا کی پناہ! وہ تو اپنے اہل و عیال سے نزدیکی برتتے تھے۔“ اس وقت سعد کی والدہ بولیں: ”اے سعد! تجھ کو مبارک ہو“ حضورؐ نے فرمایا: ”اے سعد کی ماں! اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف حکم نہ لگاؤ۔“ (بخاری الاثر جلد ۲۲ صفحہ ۱۶۳ - فروع کافی جلد ۲ صفحہ ۲۳۶)۔

مؤلف کہتا ہے کہ جب سعد ابن معاذ جیسے جلیل القدر صحابی کو جن کی نماز جنازہ میں ملائکہ نے شرکت کی، ان کو فشار قبر سے نجات نہیں ملی تو اور کس کو اس سے نجات مل سکتی ہے۔ (انوار الثعالبیہ صفحہ ۴۰۶)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ”قبر میں فشار ہوتا ہے۔ اگر کوئی اس سے نجات پانے والا ہو تو سعد ابن معاذ نجات حاصل کریں گے۔“

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت رقیہ پیغمبرؐ کی بیٹی دعائے پیغمبرؐ سے فشار قبر سے محفوظ رہیں۔ جس طرح آپ کی دوسری بیٹی حضرت زینب کے لیے تخفیف ہوئی دعائے رسولؐ سے۔

ہم پروردگارِ عالم سے حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کے واسطے سے فشار قبر سے نجات اور عفو و مغفرت کی دعا مانگتے ہیں۔

روایات میں ہے کہ حضرت ابو عبد اللہ امام صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ ”وہ شخص جس کو سولی پر چڑھا کر چھوڑ دیا جائے اس پر عذاب قبر“

۱۔ البخاری جلد ۶ صفحہ ۲۶۱ ۲۔ زینب و رقیہ وغیرہ کے دختران پیغمبرؐ ہونے میں اختلاف ہے۔ (ناشر)

فشار قبر کی یہی سختی ہے کہ جس سے فاطمہ بنت اسد (والدہ امام علیؑ) کے بچاؤ کا ذمہ خود حضرت رسول اللہؐ نے لیا تھا۔ چنانچہ جب فاطمہ بنت اسد کے لیے قبر کھودی گئی تو حضور اکرمؐ اس میں بیٹ گئے۔ جب حضورؐ سے اس عمل کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ”ایک دفعہ جب میں نے ان معظّمہ سے فشارِ قبر اور اس کی سختی کا تذکرہ کیا تو وہ بولیں: ہائے افسوس کہ اپنے ضعف کی وجہ سے مجھ میں فشارِ قبر کی شدّت کا سامنا کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ تب میں نے ان سے کہا تھا: فشارِ قبر سے بچاؤ کے لیے میں اللہ کے دربار میں آپ کا صامی ہوں گا۔ اب اسی لیے میں خود ان کی قبر میں لیٹا ہوں۔“

ابو بصیر سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے امام صادقؑ سے عرض کی: ”کیا کوئی انسان اپنے آپ کو فشارِ قبر سے بچا سکتا ہے؟“ امامؑ نے فرمایا: ”اس کی سختی سے میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔ بہت ہی کم لوگ ہیں جو اپنے آپ کو فشارِ قبر سے بچا سکتے ہیں۔ چنانچہ جب عثمان بن عفان نے دختر پیغمبرؐ بی بی رقیہ کو قتل کیا تو رسول اللہؐ نے ان کی قبر پر کھڑے ہو کر آنسو بہائے اور آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا: اس پر جو گزری اس نے مجھ سے بیان کی تھی۔ پس میں نے اس پر شفقت کرتے ہوئے فشارِ قبر سے اس کے بچاؤ کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی ہے کہ: اے اللہ! رقیہ کو فشارِ قبر سے معاف فرما۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کو خلاصی بخش دی۔“ امام صادقؑ نے یہ بھی فرمایا کہ جب رسول اللہؐ نے حضرت سعد ابن معاذ کی نماز جنازہ پڑھی تو اس میں ستر ہزار فرشتے بھی شامل ہوئے تھے تب حضورؐ نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر فرمایا: ”کیا سعد جیسے شخص پر فشارِ قبر ہو گا؟“

کی تائید میں میرے پاس صدیقین آل محمد علیہم السلام کی احادیث ہیں۔ اس نظریے کے خلاف نظریہ رکھنے والے کسی تکلم امامیہ کو میں نہیں جانتا کہ اس کا نظریہ بیان کروں۔ اسی طرح فقہا امامیہ اور اصحاب حدیث میں بھی اس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ انتہی۔

خلاصہ یہ کہ عالم برزخ کے بارے میں جو کچھ بیان کیا گیا وہ مذہب امامیہ اور دوسرے بہت سے مسلمانوں کا نظریہ ہے جیسا کہ پہلے بھی آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔

حقیقت موت

موت کی حقیقت یہ ہے کہ روح و بدن کا رشتہ ٹوٹ جائے اور لوگوں نے اس کی کئی مثالیں دی ہیں۔ مثلاً یہ کہ روح جسم میں اسی طرح ہوتی ہے جیسے سیفینے کا ناخدا سیفینے میں۔ پس ناخدا کا سیفینے سے جدا ہونا ان کے باہمی رشتے کو توڑ دیتا ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ قوت جو سیفینے کو ڈوبنے سے بچانے پر قادر تھی وہ اس کے ناخدا کی قوت تھی۔ حالانکہ ناخدا کی اصلیت و حقیقت سیفینے کی اصلیت و حقیقت سے مختلف ہوتی ہے اور اسے سیفینے پر صرف اقتدار حاصل ہوتا ہے جو اس کے جدا ہونے سے منقطع ہو جاتا ہے۔

یہی حالت روح و بدن کی ہے کہ اگرچہ دونوں اپنی حقیقت میں الگ الگ چیزیں ہیں۔ تاہم روح جسم پر اقتدار رکھتی ہے اور وہ اس کا رخ اسی طرح موڑتی رہتی ہے جیسے ناخدا سیفینے کا رخ موڑتا ہے۔ پس جب وہ جسم سے جدا ہو جاتی ہے تو جسم ایک خاموش اور بچھا ہوا مادہ باقی رہ جاتا ہے۔

دوسری مثال یہ ہے کہ روح جسم کے اندھیرے میں نور کی مانند ہوتی ہے اور جسم اس روشنی کے ذریعے کان سے سنتا ہے اور آنکھ سے دیکھتا ہے وغیرہ۔

کیسے نازل ہوتا ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”جو رب الارض ہے وہی رب ہوا ہے۔ پس وہ ہوا کو حکم دیتا ہے کہ اسے اسی طرح یا اس سے زیادہ فشار دے جس طرح زمین دیتی ہے“ (البحار جلد ۶ صفحہ ۲۶۶)

معتبر روایتوں میں ہے کہ جو بندہ مومن شب جمعہ یا جمعہ کے دن انتقال کرے، وہ فشار قبر سے محفوظ رہتا ہے۔ (انوار نعمانیہ صفحہ ۴۵۶) امیر المومنین امام علی علیہ السلام نے فرمایا: ”جو بندہ مومن جمعرات کے دن زوال آفتاب کے بعد انتقال کرے، اللہ جل شانہ، اس کو فشار قبر سے محفوظ رکھتا اور قبیلہ ربیعہ و مضر قبیلے کثیر تعداد لوگوں کے حق میں اس کی شفاعت قبول فرماتا ہے“ (انوار نعمانیہ صفحہ ۴۵۶)

قول حضرت مفیدؒ

جناب مفیدؒ اپنی کتاب ”اوائل المقالات“ میں لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ عالم برزخ میں اللہ تعالیٰ مردوں کے لیے ویسا ہی مثالی جسم پیدا کر دیتا ہے جیسا انہیں دنیا میں ملا تھا۔ مومن کو اس جسم میں نعمتیں ملیں گی اور کافر و فاسق عذاب سے دوچار ہوں گے جبکہ ان کا مادی جسم قبر ہی میں پڑا ہوگا جسے دیکھنے والے دیکھ بھی سکیں گے اور امتداد زمانہ سے بوسیدہ ہو کر دیرہ ریزہ بھی ہو جائے گا۔ یہ عذاب و ثواب انہیں ان کی قبروں کے علاوہ دوسرے مقامات پر ملے گا اور ہمارے مذہب کے مطابق یہ سب کچھ نفس انسانی پر طاری ہوگا۔ میرے نزدیک (عالم برزخ میں) انسان ملکوت سے مراد وہ مخلوق ہے جو قائم بنفسہ ہے مگر جو اہر و اعراض کی صفتوں سے خارج ہے اور اس

لحم مقالات شیخ مفیدؒ صفحہ ۴۹۔ مکتبہ داوری ایران

ہے بلکہ اس پر محیط ہوتا ہے، اسی طرح روح جسم پر محیط ہوتی ہے لیکن اس میں داخل نہیں ہوتی۔ یعنی روح جسم کے درمیان یک رنگی حقیقت بالکل نہیں ہے۔ پس برکت والا ہے وہ احسن الخالقین جس نے دو مختلف الحقیقت ہے چیزوں کو تہایت مقبوطی کے ساتھ ایک دوسرے سے وابستہ کر دیا۔

مذکورہ بیان سے ظاہر ہوا کہ موت کے معنی کسی لباس کو اتار دینا ہے یا کسی تعلق کا ٹوٹ جانا ہے اور روح اس کے بعد معدوم نہیں ہوتی، بلکہ وہ اللہ کے اذن سے ایک دوسرے مقام پر باقی رہتی ہے۔ معلوم ہوا کہ روح کا بدن سے تعلق بھی اذن الہی سے ہوا تھا اور دونوں کے درمیان جدائی بھی اسی کے اذن سے ہوئی۔ پھر اسی کے اذن سے روح کا تعلق ایک مثالی جسم سے ہوتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

پروردگار فرماتا ہے:

”کار ساز بس خدا ہی ہے، وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے“

(سورۃ شوریٰ - آیت ۹)

جب یہ معلوم ہو گیا کہ روح جسم میں محض ایک تعلق ہے۔ روح نہ جسم میں داخل ہوتی ہے نہ اس سے خارج ہوتی ہے تو یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ موت اسی تعلق کے منقطع ہو جانے کا نام ہے اور روح معدوم نہیں ہوتی

لہ قرآن مجید میں ہے:

”لوگ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں تو کہہ دیجیے کہ روح میرے پروردگار کے امر سے ہے“ (سورۃ اسرار - آیت ۸۵)

معلوم ہوا کہ جسم و بدن کا ہر عضو نورانیت روح کی برکت سے زندہ و فعال ہوتا ہے۔ لہذا جب روح جسم کا تعلق ٹوٹتا ہے تو جسم سے یہ نور رائل ہو جاتا ہے۔ پس موت کے معنی ہیں اس نور یعنی روح کو مقام بدن سے نکال کر کہیں اور پہنچا دینا اور روح کے نکل جانے سے جسم پسے کی طرح اندھیرا رہ جاتا ہے۔

اس گفتگو سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ روح و بدن کا تعلق اس انداز پر نہیں ہے کہ گویا روح بدن میں حلول کیے ہوئے ہے۔ یعنی روح جسم میں داخل نہیں ہوتی کیونکہ روح تو ایک مجرد (یعنی مانے سے خالی) چیز ہے و خود کوئی جسم نہیں ہے۔ پس اس کے داخل یا خارج ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ثابت ہوا کہ روح جسم کے درمیان محض ایک تعلق ہوتا ہے، بغیر اسکے کہ دونوں ایک دوسرے سے مل کر مرکب ہوں۔ لہذا موت نام ہے اسی تعلق کے ٹوٹ جانے کا۔ اسی وجہ سے بعض حکما نے روح کو جسم پر محیط لباس سے تشبیہ دی ہے۔ پس جس طرح لباس جسم میں داخل ہوتا ہے نہ اس میں سے خارج ہوتا

لہ امام زین العابدین حضرت علی ابن الحسین علیہما السلام سے پوچھا گیا کہ ”موت کیا ہے؟“ تو آپ نے فرمایا: ”مومن کے لیے تو میلے لباس کو اتار کر اور بھاری قید و بند سے آزاد ہو کر بہترین و معطر ترین کپڑوں کو پہن کر تہایت سداہنی ہوئی سواری پر سوار ہو کر مرغوب ترین منزل کی طرف روانہ ہونا ہے اور کافر کے لیے لباس فاجرہ اور پراسن مقام سے جدا ہو کر تہایت گندے اور کھردرے لباس میں بدترین و حشت ناک منزل کی طرف جانا ہے“ معالم الزلفی۔

بلکہ اس کا ایک تعلق اسکے مردہ جسم سے بعد موت بھی باقی رہتا ہے۔ اس مقام پر کہا جاسکتا ہے کہ روح کا جسم سے تعلق تین قسم کا ہوتا ہے۔ پہلا وہ جو زندگی کے دوران ہوتا ہے اور یہ قوی ترین تعلق ہے دوسرا وہ جو نیند کے وقت ہوتا ہے کیونکہ نیند لے بھی موت ہی کی طرح ہے اور اس وقت روح

لے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ ”موت کیا ہے؟“ آپ نے فرمایا: وہ نیند کی مانند ہے جو تمہیں ہر رات آتی ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ اس کی مدت اتنی طولانی ہوتی ہے کہ انسان یوم قیامت سے پہلے بیدار نہیں ہوتا۔ پس جو شخص خواب میں فرحت و مسرت دیکھتا ہے وہ اس کا بھی صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا اور جو غم و اندوہ دیکھتا ہے وہ اس کا صحیح اندازہ لگانے سے بھی قاصر ہوتا ہے۔ لہذا موت کے بعد کی فرحت و مسرت اور غم و اندوہ کا اندازہ و کیسے لگا سکتا ہے۔ یہی موت ہے اور اس کے لیے اپنے کو تیار کرو، امام صادقؑ سے کہا گیا: ہمارے لیے موت کی صفت بیان کیجیے؟ امامؑ نے فرمایا: وہ مومن کے لیے بہترین خوشبو کی مانند ہے جس کو سونگھ کر اس کے سارے درد و الم دور ہو جاتے ہیں اور کافر کے لیے موت سانپ اور بچھو کے ڈسنے کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی شدید تر، کہا گیا کچھ لوگ تو کہتے ہیں کہ ”موت آری یا قیچی سے کاٹنے، پتھروں سے مارنے اور آنکھوں میں چکی کے کھونٹے کو چلانے سے بھی زیادہ سخت ہوتی ہے“ امامؑ نے فرمایا: ”ہاں کافر و فاسق کے لیے وہ ایسی ہی ہوتی ہے کیا نہیں دیکھتے تم کہ ان میں سے کچھ ایسے ہوتے ہیں جو یہ ساری سختیاں جھیلے ہیں۔ مگر عذاب موت ان کے لیے دنیاوی عذاب سے نہایت سخت تر ہوتا ہے“ کہا گئی: ”پس ایسا کیوں ہے کہ بعض کافروں کو دیکھتے ہیں کہ ان پر حالت نزع بہت

عذاب قبر
مذکورہ گفتگو سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ قبر میں سوال کا مسئلہ ثابت و محقق ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے

سہل ہوتی ہے اور وہ ہنستے بولتے ختم ہو جاتے ہیں۔ اس طرح بعض مومنین کا بھی یہی حال ہوتا ہے جبکہ کچھ مومنین اور کچھ کافروں سکرات موت کی اذیتیں جھیلے ہیں۔ امامؑ نے فرمایا: ”مومنین کے لیے جو راحت ہوتی ہے وہ ان کے لیے فوری ثواب کا حصہ ہوتی ہے اور جو سختی ہوتی ہے وہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے تاکہ وہ آخرت میں پاکیزہ ہو کر داخل ہوں اور مستحق ثواب بنیں۔ اس کے برخلاف کافروں کے لیے جو سہولت ہوتی ہے وہ ان کی کسی نیکی کا اجر ہوتا ہے تاکہ آخرت میں ان کے لیے عذاب کے سوا اور کچھ نہ ہو اور جو ان پر سختی ہوتی ہے وہ ان کے ابدی عقاب و عذاب کی ابتدا ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ عادل ہے۔ وہ کسی پر ظلم و جور نہیں کرتا“ (معالم الزلفی)

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے نبی ہیں اور اسلام میرا دین ہے“
 نب وہ فرشتے اس کی قبر میں حد نظر تک وسعت کر دیتے ہیں۔ اسے
 جنت کا کھانا دیتے ہیں اور اس پر روح و ربحان کا نزول ہوتا ہے۔ جیسا کہ
 اللہ عزوجل فرماتا ہے: ”پس اگر وہ مقربین میں سے ہوا تو اس کے لیے روح و
 ربحان ہے“ یعنی اس کی قبر میں آرام، آسائش و خوشبودار پھول ہیں لہٰذا اور
 ”جنت نعیم ہے آخرت میں!“

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: ”اور جب کوئی کا فرم جاتا ہے تو
 اس کے جنازے کے ساتھ ستر ہزار ملائکہ عذاب یعنی زبانیہ اس کی قبر تک
 جاتے ہیں اور وہ جنازہ اٹھانے والوں سے ایسی آواز میں کہتا جاتا ہے
 جسے جن وانس کے سوا ہر چیز سنتی ہے: ”کاش مجھے پہنایا جاتا تو میں مومن
 ہو جاتا۔ مجھے واپس لے چلو کہ میں عمل صالح کر سکوں“ مگر ملائکہ عذاب
 زبانیہ کہتے ہیں: ”ہرگز نہیں“ یہ تو تیری صرف زبانی بات ہے“ دوسری
 طرف سے ایک فرشتہ آواز دیتا ہے: ”اگر اسے لوٹا دیا جائے تو یہ پھر بھی
 وہی کرے گا جس سے اس کو منع کیا گیا تھا“ پھر جب وہ قبر میں اتار دیا جاتا
 ہے تو منکر و نکیر نہایت ہیبت ناک شکل میں اس کے پاس آتے ہیں اور پوچھتے
 ہیں: ”تیرا پروردگار کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟“ اس
 کی زبان لڑکھاتی ہے اور وہ کوئی جواب نہیں دے پاتا۔ پس وہ فرشتے اسے
 عذاب کی وہ مار مارتے ہیں جس سے ہر چیز ڈر جائے۔ پھر وہ اپنا سوال
 دہراتے ہیں۔ وہ کہتا ہے: ”میں نہیں جانتا“ فرشتے کہتے ہیں: نہ تو نے

۱۰۹ سورۃ واقعہ۔ آیت ۸۸-۸۹

فرمایا: ”وہ میرے شیعوں میں سے نہیں ہے جو ان چیزوں کا انکار کرے: معراج،
 سوالِ قبر، جنت و جہنم کا وجود اور شفاعت“ لہٰذا
 محقق طوسی علیہ الرحمہ اپنی کتاب ”التجريد“ میں فرماتے ہیں: ”عذاب
 قبر ثابت ہے کیونکہ وہ ممکن بھی ہے اور اس کے بارے میں احادیث متواتر
 بھی موجود ہیں“ لہٰذا

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے فرمایا: عذابِ قبر کے بارے میں اجماع ثابت
 ہے۔ بلکہ یہ ضروریاتِ دین میں سے ہے اور اس کا منکر کا فر ہے“ لہٰذا
 اسی طرح شیخ صدوق علیہ الرحمہ اور شیخ مفید علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے:
 ”احادیث صحیحہ اس بارے میں وارد ہیں کہ مرنے والوں پر ان کی قبر میں
 فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے ان کے دین کے بارے میں سوال کرتے
 ہیں“ لہٰذا

اور روایت کی ہے علی ابن حاتم نے، علی ابن حسین نخوی سے، انھوں
 نے بقی سے، انھوں نے اپنے باپ سے، انھوں نے سلیمان ابن مقبل سے،
 انہوں نے حضرت امام موسیٰ ابن جعفر علیہما السلام سے اور امام نے اپنے
 پدر گرامی سے کہ امام صادق نے فرمایا: ”جب مومن مر جاتا ہے تو ستر ہزار
 ملائکہ رحمت اس کے جنازے کے ساتھ اس کی قبر تک جاتے ہیں جب وہ
 قبر میں اتار دیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے منکر و نکیر آتے ہیں جو اسے
 بٹھا کر پوچھتے ہیں: ”تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ اور تمہارا
 نبی کون ہے؟“ پس مرد مومن کہتا ہے: ”میرا پروردگار اللہ ہے“ حضرت

۱۰۸ بحار الانوار جلد ۸ صفحہ ۱۹۰-۱۹۱ کفایت الموحیدین جلد ۳ صفحہ ۲۸۸

وقت پراد کرنا ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: ”جو شخص صبح طور پر رکوع کرتا ہے، اس پر وحشتِ قبرطاری نہیں ہوگی۔“

(بحار الانوار جلد ۶ صفحہ ۲۴۲)

بعد ازیں غیبت اور چغل خوری سے پرہیز، پیشاب کی نجاست سے تطہیر، یتیم کا مال اور سود کھانے سے پرہیز اور ناحق گواہی سے گریز اور بعض حدیثوں میں اپنی زویہ سے لاتعلقی نہ کرنا بھی مذکور ہے۔ اسی طرح اپنے اہل و عیال سے بذخلی نہ کرنا اور نعمتوں کو ضائع نہ کرنا ایسے امور ہیں جو عذابِ قبر سے نجات دلانے والے ہیں۔

عذابِ قبر سے نجات کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ میت کے کفن پر وہ دو شعر لکھے جائیں جو امیر المومنین علیہ السلام نے سلمانؓ کے کفن پر لکھے تھے:

ترجمہ ملاحظہ ہو:

”میں کریم کی بارگاہ میں نیکیوں اور قلبِ سلیم کا سامان سفر لیے بغیر ہی آگیا ہوں“

کیونکہ جب کسی کریم کے پاس جانا ہو تو سامانِ سفر کے ساتھ جانا نہایت بُرا ہے۔“

اے حضرت ابن عباس سے روایت ہے موجب عذابِ قبر تین چیزیں ہیں:

غیبت، چغل خوری اور پیشاب سے طہارت نہ کرنا (بحار الانوار جلد ۶ صفحہ ۲۴۷) اور کئی دوسری حدیثوں میں ہے کہ پیشاب سے طہارت نہ کرنا اور اسے معمولی سمجھنا گناہ ہے۔ نیز جناب پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ ”فشار قبر مومن کے لیے کفارہ ہوتا ہے، نعمتوں کے ضائع کرنے کے گناہ کا“ (بحار جلد ۶ صفحہ ۲۱۲)

جانا، نہ ہدایت پائی نہ کامیاب ہوا“ اس کے بعد وہ اس کی قبر میں جہنم کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ اللہ عزوجل نے اس کے بارے میں فرمایا:

”اور اگر وہ تکذیب کرنے والے مگراہوں میں سے ہوا تو اس کے لیے کھولنا ہوا پاتی ہے“

یعنی ”قبر میں نیز جہنم میں داخل ہوتا ہے۔ یعنی آخرت میں“ (سورۃ واقعہ - آیات ۹۲ تا ۹۴) اور (بحار الانوار جلد ۶ صفحہ ۲۴۲)

تخفیفِ عذابِ قبر

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ”یقیناً قبر میں نزلِ آخرت میں سے پہلی منزل ہے۔ پس اگر کوئی وہاں نجات پا گیا تو بعد کی منزلیں اس کے لیے آسان ہیں اور اگر وہاں نجات نہ ملی تو اس کے بعد اس کے لیے جو کچھ ہوگا وہ اس سے کمتر نہیں ہوگا۔“

پس چونکہ قبر منازلِ آخرت میں سے پہلی منزل ہے، لہذا انسان کو اس امر کی کوشش کرنی چاہیے کہ وہاں وہ عذاب سے نجات پاسکے۔ منزلِ قبر کی آسانی کے لیے ہم چند چیزیں لکھتے ہیں اور یہ دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جو ہر شخص کے اپنے عمل سے متعلق ہے اور دوسری وہ جو اس کی وفات کے بعد اس کے وارثوں وغیرہ کو اس کے لیے کرنا چاہیے۔

جہاں تک پہلی چیز کا تعلق ہے تو اس میں سب سے اہم نمازوں کو

اے امیر المومنینؑ اپنے خطبے میں فرماتے ہیں: ”موت کی بیہوشی سے پہلے ہی اس کی طرف سبقت کرو اور اس کے آنے سے پہلے ہی اس کے لیے تیاری کر لو اور ذخیرہ جمع کر لو“ (بحار الانوار جلد ۶ صفحہ ۲۴۲)

اسی طرح یہ شعر جو حضرت علی ابن الحسین علیہما السلام کی طرف سے منقول ہے۔ ترجمہ ملاحظہ ہو:

”میرا سامان سفر اتنا کم ہے کہ میں سمجھتا ہوں یہ مجھے منزل تک نہیں پہنچا سکتا۔ پس میں قلت زاد سفر پر روؤں یا دوری مسافت پر!“

نیز روایت کی گئی ہے کہ دعاء جو شن کا کفن پر لکھنا تربت حسینیہ (خاک شفا) کا میت کے ساتھ رکھنا اور سلسلۃ الذہب کا کفن پر لکھنا مستحب ہے۔

اسی طرح حدیث میں وارد ہوا ہے کہ نجف اشرف میں امیر المومنین علیہ السلام کے جوار میں میت کے دفن کرنے سے عذاب قبر اور زحمت سوال نکیر میں سے وہ بچ جاتی ہے۔ امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ”غری (یعنی نجف اشرف) اسی پہاڑ کا ایک حصہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا اور اس کو مقدس بنایا۔ وہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیلؑ اور خاتم النبیینؐ کو حبیب بنایا اور اسے نبیوں کا مسکن قرار دیا۔“

ایک اور روایت میں ہے کہ امیر المومنینؑ نے پشت کوفہ پر نظر ڈالی اور فرمایا: ”کتنا اچھا ہے تیرا منظر اور کتنی پاکیزہ ہے تیری گہرائی، خدا یا! تو میری قبر ہمیں بنائے اس تربت کے خواص میں سے یہ بھی ہے کہ عذاب قبر ساقط ہو جاتا ہے اور یہاں دفن ہونے والے کا منکر و تکیہ کی جانب سے محاسبہ نہیں ہوتا، جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا ہے۔“

(الانوار النعمانیہ صفحہ ۴۵۶)

قاضی ابن بدر ہمدانی کوئی کہ جو نہایت ہی نیک و عبادت گزار آدمی تھے، ان سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: ”ایک بار شوالی رات میں میں مسجد کوفہ میں تھا۔ ایک گروہ نے مسجد کے باب مسلم پر دستک دی اور دروازہ کھولا گیا۔ تب ان میں سے کسی نے کہا: ہمارے ساتھ ایک جنازہ ہے۔ پھر وہ لوگ جنازہ اندر لے آئے اور اسے باب مسلم کے سامنے چوتھے پر رکھ دیا۔ اس اثناء میں ان میں سے ایک آدمی نے خواب دیکھا کہ وہ ایک اور شخص سے کہہ رہا تھا: کیا جنازہ کے منہ سے پردہ ہٹا کر ہم کو دیکھنا نہیں چاہیے کہ اس کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق ہے یا نہیں؟ پس اس نے میت کا چہرہ کھولا اور اپنے ساتھی سے کہا: ہاں! اس کے ساتھ ہمارا تعلق ہے، ہمیں چاہیے کہ اس قافلہ کے رضافہ پہنچنے سے پہلے اس کو یہاں سے اٹھالیں۔ کیونکہ اس کے بعد ہمارے لیے کوئی ایسا موقع نہیں رہے گا۔ چنانچہ اس نے اپنے ساتھی کو جگا کر اس کو اپنا خواب بتایا اور کہا: اس کو جلدی سے اٹھا لو۔ پس انہوں نے وہ جنازہ وہاں سے اٹھا لیا اور مشہد کی طرف چل پڑے۔ مشہد مقدس میں جن حضرات کے مزار ہیں ان پر درود و سلام ہو۔ (انوار النعمانیہ صفحہ ۴۵۶)

خدا یا! تو ہمیں اور تمام مومنین کو قرب و جوار امیر المومنینؑ میں سکونت کی توفیق عطا فرما۔ جناب پیغمبرؐ اور ان کی عترت طاہرینؑ کے وسیلے سے۔ ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔ ترجمہ ملاحظہ ہو:

”جب میں مرجاؤں تو مجھے حیدر کراڑ کے جوار میں دفن کرو۔“

لے ایک موضع کا نام۔

وہ جو شیر و شیر کے پدر گرامی ہیں اور کیا کہنا انکی بلندی کا؟
”میں ان کے جوار میں رہ کر نہ آتش جہنم سے ڈرتا ہوں
نہ منکر و نکیر سے!“

”کیونکہ اگر کوئی کسی کی پناہ میں ہوتا ہے تو پناہ دینے والے
کے لیے یہ بات معیوب ہوتی ہے کہ اس کی پناہ میں ہوتے
ہوئے کسی کا نقصان ہو جائے“

میت کے لیے دوسروں کے اعمال خیر

بعد ازیں وہ امور جو مرنے والے کے بعد اس کے لیے دوسروں کو کرنے
چاہئیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ کم از کم چالیس مومنین اس کے
حق میں خیر و صلاح کی گواہی دیں۔ ان لفظوں میں کہ ”خدا یا! ہم اس
کے بارے میں خیر کے سوا کچھ نہیں جانتے اور تو ہم سے زیادہ جانتے والا
ہے“ کیونکہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اللہ ان کی گواہی کو قبول کرتے ہوئے
اس میت کو اختیار یعنی نیکو کاروں میں شمار کر لیتا ہے۔ خواہ وہ اشتراہی
میں سے کیوں نہ ہو۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ
”جب کسی میت کے پاس چالیس مومن جمع ہو کر کتے ہیں: ہم اس کے
بارے میں خیر و نیکی کے سوا اور کچھ نہیں جانتے“ تو اللہ عز و جل فرماتا ہے:
”میں تم لوگوں کی گواہی کو قبول کرتا ہوں اور میں نے بخش دیا اس کے
ان گناہوں کو جنہیں میں جانتا ہوں اور تم نہیں جانتے“ لہ

لہ وسائل الشیعہ جلد ۲ صفحہ ۹۲۵، الاوار النعمانیہ صفحہ ۴۵

ابو عبد اللہ الصادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: ”بنو اسرائیل
میں ایک مرد عبادت گزار تھا۔ اللہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی
بھیجی کہ وہ ریا کار ہے۔ لہذا جب وہ مر گیا تو حضرت داؤدؑ اس کے
جنازے میں شریک نہیں ہوئے۔ مگر بنو اسرائیل میں سے دوسرے چالیس
افراد نے اس کے لیے کہا: ”خدا یا! ہم اس کے بارے میں خیر کے سوا اور کچھ
نہیں جانتے اور تو ہم سے زیادہ جانتا ہے“ پس اسے بخش دے“ پھر جب
اسے غسل دیدیا گیا تو دوسرے چالیس افراد آئے اور انہوں نے بھی وہی
گواہی دی۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی:
”تم کو اس شخص پر نماز جنازہ پڑھنے سے کس چیز نے روکا ہے؟“ حضرت
داؤدؑ نے عرض کی: ”اسی چیز نے جس کی تو نے مجھے خبر دی ہے“ اللہ
نے فرمایا: ”اب جبکہ ایک گروہ نے اس کے حق میں گواہی دی ہے تو
میں نے ان کی گواہی قبول کر لی ہے۔ خواہ میں وہ جانتا ہوں جو تم لوگ
نہیں جانتے“ (الوار النعمانیہ صفحہ ۴۵)

اس حدیث کے بعد علامہ سید جزائری علی اللہ مقامہ نے تحریر فرمایا:
”اسی وجہ سے ہمارے علامہ معاصر (یعنی علامہ مجلسیؒ نے) اللہ ان کی حیات
دائم رکھے“ اپنے برادران مومنین سے درخواست کر کے اپنے کفن پر تربت
حسینیہ (خاک شفا) سے اپنے ایمان کے بارے میں ان کی گواہیاں
لکھوائی ہیں اور مومنین نے لکھا ہے کہ ”ان کے ایمان کے بارے میں
کوئی شبہ نہیں“ فلاں فلاں نے گواہی دی“ اور بعض مومنین نے تو اپنی
مہر میں بھی لگائی ہیں۔ علامہ مجلسیؒ دوسرے مومنین کو بھی ایسا کرنے کا مشورہ
دیتے ہیں اور یہ بڑی اچھی بات ہے، بندہ جب رحیم و کریم کی بارگاہ میں

حاضر ہوتا ہے تو وہ ادنیٰ سے ادنیٰ عمل کو بھی قبول کر لیتا ہے۔“

دوسری تدبیر جدیدین (یعنی دو سبز شاخوں) کا میت کے ساتھ قبر میں رکھنا ہے خواہ مرنے والا چھوٹا ہو خواہ بڑا، مرد ہو یا عورت، بنو کار ہو یا بدکار، ہر ایک کو فائدہ پہنچاتی ہیں۔ جب تک وہ ہری رہتی ہیں میت سے عذابِ قبر دور رہتا ہے۔

تیسری تدبیر یہ ہے کہ مرنے والے کے عزیز و اقارب میں سے جو لوگ باقی ہوں وہ اس کے لیے نیکیاں کریں یعنی صدقہ و نماز، تلاوت قرآن مجید اور حج وغیرہ۔ کیونکہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ میت عذاب کی تنگی میں ہوتی ہے۔ مگر جب اس کے بھائیوں میں سے کوئی کسی نیکی کا اسے ہدیہ بھیجتا ہے تو ایک فرشتہ طبق نور لے کر اس کی قبر میں آتا ہے اور کہتا ہے: ”فلاں شخص نے تمہارے لیے ہدیہ بھیجا ہے“ پس میت کے لیے وسعت ہو جاتی ہے اور عذاب دور ہو جاتا ہے۔

چوتھی تدبیر وہ صدقہ جاریہ ہے جسے مرنے والا اپنی زندگی ہی میں پیش کر جاتا ہے۔ مثلاً کارخیر کے لیے کوئی وقف یا کوئی ایسا نیکی کا طریقہ جسے وہ خود کرتا رہا اور بعد والوں کو بھی اس پر عمل کرنے کے لیے کہہ گیا۔

پانچویں تدبیر میں کسی فرزند صالح کا موجود ہونا ہے۔ اس پر وہ حد دلالت کرتی ہے جسے ابو کمش نے حضرت ابو عبد اللہ الصادق علیہ السلام کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ امامؑ نے فرمایا: ”مرد مومن اپنی موت کے بعد بھی چھ چیزوں سے فائدہ اٹھاتا ہے :

۱۔ وہ فرزند صالح جو اس کے لیے استغفار کرتا رہے۔

۲۔ وہ صحف جس کو لوگ پڑھتے رہیں۔

۳۔ وہ کنواں جو اس نے کھودا یا کھدوایا ہو۔

۴۔ اس کا لگایا ہوا درخت۔

۵۔ وہ چیمہ جسے اس نے خدا کی راہ میں جاری کیا ہو۔

۶۔ وہ اچھا طریقہ جسے اس کے بعد دوسروں نے اختیار کر لیا ہو۔

اسی وجہ سے احادیث میں وارد ہوا ہے کہ والدین کی زندگی میں ان کے ساتھ نیکی کرنے والا بیٹا اگر ان کی موت کے بعد ان کے لیے کوئی نیکی کرے تو وہ عاق شمار کیا جاتا ہے اور اس کے برعکس اگر والدین کی زندگی میں ان کی نافرمانی کرنے والا ان کی موت کے بعد ان کے لیے نیکی کرے تو فرما بنو دار اور نیک شمار کر لیا جاتا ہے۔

بعض محققین نے عمر و ابن یزید سے امام صادقؑ کی یہ حدیث پیش کی ہے کہ آپ ہر رات اپنے فرزند کی طرف سے دو رکعتیں پڑھتے تھے اور ہر دن اپنے والدین کی طرف سے دو رکعتیں ادا کرتے تھے۔ راوی نے سبب پوچھا تو امامؑ نے فرمایا: ”اس لیے کہ فرشتہ راحت کا وقت اولاد کے لیے ہوتا ہے“ ان رکعتوں میں آپ سورۃ قدر اور سورۃ کوثر پڑھا کرتے تھے، ”لہٰذا

اپنے مردوں پر رحم کرو

نمازِ بدیہ میت اس رات کے لیے ہے جو دفن کے بعد آئے۔ یہ دو رکعتیں ہیں۔ پہلی میں سورۃ حمد کے بعد ایک مرتبہ آیتہ الکرسی پڑھی جائے اور دوسری میں سورۃ حمد کے بعد دس مرتبہ سورۃ القدر پڑھنی چاہیے۔

پھر جب سلام پھیرے تو کہے: ”خدا یا! محمد و آل محمد پر درود بھیج اور اس نماز کا ثواب فلاں شخص کی قبر تک پہنچا دے“

ایک دوسری روایت میں ہے کہ پہلی رکعت میں سورہ حمد کے بعد دو مرتبہ سورہ توحید (اخلاص) پڑھے اور دوسری رکعت میں سورہ حمد کے بعد دس مرتبہ سورہ تکاثر پڑھے اور پھر مذکورہ دعا کرے۔

سید علی ابن طاووس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”الاقبال“ میں حضرت حذیفہ ابن یمان سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”مرنے والے پر قبر کی پہلی رات سے بڑھ کر اور کوئی کڑی ساعت نہیں آتی۔ لہذا تم اپنے مرنے والوں پر رحم کرو ان کی طرف سے صدقہ دے کر اور اگر وہ میسر نہ ہو تو ان کے لیے دو رکعت نماز پڑھو۔ پہلی رکعت میں سورہ حمد کے بعد دو مرتبہ سورہ توحید (قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ) اور دوسری میں سورہ حمد کے بعد دس مرتبہ سورہ تکاثر پڑھو۔ پھر سلام پھیر کر کہو: ”خدا یا! درود بھیج محمد و آل محمد پر اور نماز کا ثواب فلاں ابن فلاں کی طرف بھیج دے“ پس اس وقت اللہ تعالیٰ اس کی قبر کی طرف ایک ہزار فرشتوں کو لباس اور حلوں کے ساتھ بھیج دیتا ہے اور قیامت تک کے لیے اس کی قبر میں وسعت کر دیتا ہے اور نماز پڑھنے والے کو آئندہ کے ہر دن کے لیے نیکیاں عطا فرماتا ہے اور اس کو چالیس درجے بلند کر دیا جاتا ہے۔

ابن بابویہ قمی قدس سرہ نے زہری کے حوالے سے روایت کی ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: ”آدمی پر تین ساقی تہایت سخت ہوتی ہیں۔ پہلی ساعت وہ جب وہ موت کو دیکھتا ہے، دوسری وہ جب وہ اپنی قبر سے اٹھے گا اور تیسری جب وہ بارگاہ الہی میں کھڑا ہو کر

جنت یا جہنم کا منتظر ہوگا“

ملا فتح علی سلطان آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: ”میرا طریقہ یہ رہا ہے کہ جس میت کے جنازے میں خود شریک ہوتا تھا یا جس کے انتقال کی خبر سنتا تھا، میں اس کے دفن کی پہلی رات کو اس کے لیے نماز ہدیہ میت پڑھ دیا کرتا تھا اور اس کے بارے میں ہرگز کسی کو خبر نہیں تھی۔ یہاں تک کہ میرے ایک عزیز دوست نے مجھے اپنا ایک خواب سنایا کہ انہوں نے اپنے ایک مردہ دوست کو جس کے لیے میں نے نماز ہدیہ میت پڑھی تھی، خواب میں دیکھا اور اس کا حال دریافت کیا تو اس نے کہا: ”میں تو بڑی سختی و شدت میں تھا۔ یہاں تک کہ ملا فتح علی نے میرے لیے ہدیہ بھیجا تو اللہ نے مجھے اس سختی و شدت سے نجات دی۔ وہ ہدیہ دو رکعت نماز کا ثواب تھا۔“ پھر اس شخص نے خواب ہی میں میرے لیے دعا کی میرے دوست نے مجھ سے نماز کے بارے میں پوچھا تو میں نے ان کو ساری کیفیت بتا دی۔

زیارتِ رفتگان

کتاب ”دعوات الراوندی“ میں داؤد رقی کے حوالے سے روایت ہے کہ انہوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا: ”کوئی شخص اپنے باپ یا کسی دوسرے عزیز کی قبر کے پاس جائے تو کیا صاحبِ قبر کو اس سے کوئی فائدہ پہنچتا ہے؟“ امام نے فرمایا: ”ہاں! بالکل اسی طرح جیسے کوئی تمہارے پاس اس زندگی میں آئے اور ہدیہ پیش کرے تو تمہیں خوشی ہوتی ہے، اسی طرح میت کو بھی فرحت حاصل ہوتی ہے“

امام جعفر صادقؑ ہی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ”اگر تم لوگ طلوع آفتاب سے پہلے مرنے والوں کی زیارت کرو تو وہ تمہاری

بعض احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مومنین کی رحمتیں اپنی اولاد و اقارب سے طالب رحم بھی ہوتی ہیں اور کہتی ہیں: ”ہم سے غافل نہ ہو ہمارے مدد کرتے رہو، ہمیں فراموش نہ کرو اور جہاں تک ممکن ہو نماز، روزہ، حج اور کم سے کم صدقات کے ذریعے خواہ وہ ایک ٹکڑا روٹی ہی کیوں نہ ہو ہم پر رحم کرتے رہو۔ ہمارے لیے بھی ایسے ہی امکانات تھے اور ہم پر بھی خدا کی بے حد توفیقات تھیں مگر ہم نے غفلت برتی اور آج اس گڑھے میں ہم اندوہ و غم میں مبتلا ہیں“

تھی اور اب جبکہ تو میرے قبضے میں آگیا ہے تو دیکھ میں کیا کرتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اسے اتنا دباتی ہے کہ اس کی پسلیاں برابر ہو جاتی ہیں۔ وہ تنگ زندگانی جس سے اللہ نے ڈرایا ہے، وہ عذاب قبر ہے جہاں کا فریاد سننا تو سناٹے کے لیے جانتے ہیں جو اسے ڈستے رہتے ہیں اور یوم محشر تک اس کی ہڈیاں توڑتے رہتے ہیں۔ وہ ایسے زہریلے ہوتے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی زمین پر پھونک مار دے تو کوئی سبزی نہ اگے۔ اے بندگانِ خدا! تمہارے نفس و جسم تہایت کمزور ہیں۔ تم ان میں سے ایک کو بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ لہذا وہ عمل کرو جو اللہ کو پسند ہے اور ہر اس کام کو چھوڑ دو جو اللہ کو ناپسند ہے۔ میں کہتا ہوں: یہاں فرزدق کے چند اشعار کا پیش کر دینا مناسب ہے۔ غلاصہ ملاحظہ ہو: ”اگر اللہ نے مجھے معاف نہ فرمایا تو میں قبر کی اس آگ اور تنگی سے ڈرتا ہوں جو موت سے کہیں زیادہ سخت ہوگی۔ جب قیامت کے دن کوئی سخت گیر ہائے دلالت آئے گا اور فرزدق کو بھی ہائے گے گا تو یقیناً محروم ترین اولاد آدم و ہونگے جو جہنمی لباس و زنجیر میں آتش جہنم کی طرف ہائے جائیں گے“ (سفینۃ البحار جلد ۲ صفحہ ۳۹۵)

باتیں بھی سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں اور جب تم اس کے بعد زیارت کرتے ہو تو وہ سنتے تو ہیں مگر جواب نہیں دیتے“

انام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک روایت آئی ہے کہ آپ نے فرمایا: ”جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ ہر شب جمعہ یقیناً مدینہ کی طرف جاتے تھے اور تین مرتبہ فرماتے تھے: سلام ہو تم پر اے اہل دیار!“

یزید عبد اللہ بن سنان کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابو عبد اللہ صادق علیہ السلام سے پوچھا: ”اہل قبور پر ہم کیسے سلام کریں؟“ تو آپ نے فرمایا: ”ہاں! تم کو سلام ہو تم پر اے اہل دیار جو مومنین و مسلمین میں سے ہو۔ تم ہم سے پہلے چلے گئے اور ہم بھی انشاء اللہ تم سے آملنے والے ہیں“ لے

لے سفینۃ البحار جلد ۲ صفحہ ۳۹۶ اور اسی کتاب میں ہے کہ امیر المومنینؑ نے حضرت محمد ابن ابی بکر کو جو خط لکھا تھا اس میں یہ بھی تھا: ”اے بندگانِ خدا! وہ لوگ جن کی بخشش نہ ہو، ان کے لیے موت سے بڑھ کر دوسری منزل قبر کی ہوتی ہے لہذا تنگی و وحشت قبر سے ڈرو۔ قبر ہر روز آواز دیتی ہے: ”میں غربت و وحشت اور کیڑوں کا گھر ہوں“ قبر جنت کا ایک باغ ہے یا جہنم کا ایک گڑھا۔ جب مرد مومن دفن ہوتا ہے تو زمین اس سے کہتی ہے: ”خوش آمدید! تم ان لوگوں میں سے تھے جن کا میری پشت پر چلنا مجھے پسند تھا۔ پس اب جبکہ تم میری گود میں آگے ہو تو تم دیکھو گے کہ میں کیسا اچھا سلوک کرتی ہوں“ اس کے بعد اس کے لیے حد نظر تک وہ وسعت کر دیتی ہے اور جب کا فر دفن ہوتا ہے تو زمین کہتی ہے: ”یرے لیے کوئی خوش آمدید نہیں۔ میری پیٹھ پر تیرے چلنے سے مجھے نفرت

ہمارے لیے اس کا کوئی فائدہ نہیں رہا۔ یہی حال تمہارا بھی ہو جائے گا۔ لہذا ہم پر کسی ایک درہم یا روٹی یا اس کے ٹکڑے ہی سے رحم کرو، یہ کہہ رہے ہیں پکارتی ہیں: ”بہت جلد تم خود بھی اپنے آپ پر بکا کر دو گے اور کچھ حاصل نہ ہو گا۔ جیسے آج ہم رو رہے ہیں اور کچھ نہیں ملتا۔ پس اگر کچھ کرنا ہے تو مرنے سے پہلے کرو“

یہ وہ امور ہیں جو انسان کو اس کی موت کے بعد نفع پہنچا سکتے ہیں۔ خود اس کے اعمال میں سے ہوں یا اس کے سوا دوسروں کے اعمال میں سے۔ ان کے علاوہ بھی مرنے والے کو نفع پہنچانے والی کچھ نیکیاں ہوتی ہیں۔ پروردگار رحیم و کریم ہے اور اس کی بارگاہ میں بخشش کے لیے کوئی ذرا سا بھی عمل خیر بہانہ بن جاتا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور جملہ مومنین و مومنات کے لیے عمل صالح کی توفیق چاہتے ہیں۔ وہ بہترین توفیق دینے والا اور مدد کرنے والا ہے۔

”جامع الاعتبار“ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ”مومنین کی رو میں ہر جمعہ کو آسمان دنیا سے آکر اپنے گھروں کے سامنے نہایت غمگین آوازیں پکارتی ہیں: اے میرے گھر والو! اے بیٹو! اے بابا! اے بھائی! اور اے میرے عزیزو! ہم پر مہربانی کرو! کوئی ایک درہم کا صدقہ دیکر یا کسی لباس کا صدقہ دیکر اللہ تمہیں لباسِ جنت پہنائے گا“ یہ کہہ کر خود پیغمبر اکرمؐ رو پڑے اور اصحاب بھی رونے لگے۔ پھر آنحضرتؐ نے فرمایا: ”یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں تمہارے بھائی تھے۔ مگر اب نعمت و مروت کے بعد وہ خاک بن چکے ہیں اور اب پچھتا رہے ہیں کہ اگر انہوں نے اللہ کی اطاعت میں اپنا مال خرچ کیا ہوتا تو تمہارے محتاج نہ ہوتے اور یہ حسرت و ندامت ان کے لیے نہ ہوتی۔ پس تم اپنے مژدوں کے لیے صدقہ و نیکی میں جلدی کرو۔“

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ماہ رمضان کے ہر جمعہ کو رو میں اپنے گھر کے پاس اگر غمگین آوازیں ایک ایک کو پکارتی ہیں اور کہتی ہیں: ”اے میرے عزیزو! میں ایک تنگ قید خانے میں شدتِ غم کے ساتھ پڑی ہوں۔ لہذا تم ہم پر رحم کرو اور ہمارے لیے دعا و صدقہ کرنے میں بخل سے کام نہ لو۔ ممکن ہے اللہ تمہارے ذریعے ہم پر رحم فرمائے۔ قبل اس کے کہ تم بھی ہماری طرح ہو جاؤ۔“ افسوس کہ ہم نیکی کرنے پر اسی طرح قادر تھے جیسے آج تم ہو۔ لہذا خدا کے بندو! ہماری بات سنو اور ہمیں فراموش نہ کرو۔ کیونکہ غمغریب تمہیں بھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ فاضل دولت جو تمہارے پاس ہے وہ کچھ عرصہ پہلے ہمارے پاس تھی۔ مگر ہم نے اسے راہِ خدا میں خرچ نہیں کیا اور حقدار کو بھی اس سے محروم رکھا۔ لہذا وہ دولت اب ہم پر ویاں بن گئی ہے اور

● چھٹا مرحلہ

معاد

یاد رہے کہ لفظ ”معاد“ تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے: معنی مصدری یعنی واپس ہونا اور مقام و زمانہ واپسی — ان تینوں معانی کا حقیقی مفہوم ایک ہے۔

پروردگار عالم نے اس دن کو بہت سے ناموں سے ذکر فرمایا ہے:

- ۱۔ یوم القیامت، یعنی کھڑے ہونے کا دن (سورۃ قیامت - آیت ۶)
- ۲۔ یوم الساعة، اہم ترین گھڑی کا دن (سورۃ حج - آیت ۷)
- ۳۔ یوم البعث، اٹھائے جانے کا دن (سورۃ روم - آیت ۵۶)
- ۴۔ یوم الحشر، اکٹھا کیے جانے کا دن (سورۃ ق - آیت ۴۲)
- ۵۔ یوم الجمع، سب کو جمع کیے جانے کا دن (سورۃ تغابن - آیت ۹)
- ۶۔ یوم الحساب، حساب کتاب کا دن (سورۃ ص - آیت ۲۶)
- ۷۔ یوم التلاق، ملاقات کا دن (سورۃ غافر - آیت ۱۵)

- ۸۔ یوم النقاد، چیخ پکار کا دن (سورۃ غافر - آیت ۳۲)
 - ۹۔ یوم الآزقۃ، جلد آنے والا دن (سورۃ غافر - آیت ۱۸)
 - ۱۰۔ یوم التغابن، چھپی ہوئی خیانت کے ظاہر ہونے کا دن (سورۃ تغابن - آیت ۹)
 - ۱۱۔ یوم الفصل، فیصلے کا دن (سورۃ مہملات - آیت ۳۸)
 - ۱۲۔ الطامۃ الکبریٰ، سب سے بڑی مصیبت کا دن (سورۃ نازعات - آیت ۲۴)
 - ۱۳۔ یوم الموعود، وعدے کا دن (سورۃ یروج - آیت ۲)
 - ۱۴۔ یوم المشہود، گواہی کا دن (سورۃ ہود - آیت ۱۰۳)
 - ۱۵۔ یوم الدین، جزا و سزا کا دن (سورۃ صافات - آیت ۲۰)
 - ۱۶۔ الواقع، واقع ہونے والا (سورۃ واقعہ - آیت ۱)
 - ۱۷۔ الحاق، حق رسی کا دن (سورۃ حساقہ - آیت ۱۲)
 - ۱۸۔ انفارغ، کھڑکھڑا دینے والا دن (سورۃ قارعہ - آیت ۲۱)
 - ۱۹۔ المراجفۃ، ہلا دینے والا دن (سورۃ نازعات - آیت ۴)
 - ۲۰۔ یوم النشور، جی اٹھنے کا دن وغیرہ (سورۃ فاطر - آیت ۹)
- پروردگار عالم نے اس دن کے خوفناک احوال کو مختلف لفظوں میں بیان کیا ہے۔

معاد کے خوفناک احوال

● مثلاً فرمایا: ”وہ ڈراؤنا اور سخت ترین دن ہوگا۔“

(سورۃ دہر - آیت ۱۰)

● اور فرمایا: ”اس دن گنہگاروں کو پگھلے ہوئے سیسے جیسا گرم پانی

دیا جائے گا۔“

(سورۃ کاف- آیت ۲۹)

اور فرمایا: ”اس دن پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہوں گے“

(سورۃ قارۃ- آیت ۵)

اور فرمایا: ”اس دن دل اور نگاہیں الٹ پلٹ ہو رہے ہوں گے“

(سورۃ نور- آیت ۳۷)

اور فرمایا: ”جس دن زمین بدل کر دوسری کر دی جائے گی“

(سورۃ ابراہیم- آیت ۴۸)

اور فرمایا: ”جس دن آسمان کو کتابی صفحات کی طرح پیٹ لیا جائیگا“

(سورۃ انبیاء- آیت ۱۰۴)

اور فرمایا: ”جب سورج کو کھما دیا جائے گا۔“

(سورۃ تکوین- آیت ۱)

اور فرمایا: ”جس دن روح اور ملائکہ صف بستہ کھڑے ہوں گے“

(سورۃ نبأ- آیت ۳۸)

اور فرمایا: ”پس جب نگاہ خیرہ ہو جائے گی اور چاند گھٹا جائے گا۔“

(سورۃ قیامت- آیت ۷-۸)

اور فرمایا: ”جب آسمان پھٹ پڑے گا تارے بکھر جائیں گے اور

سمندر امانڈ پڑیں گے“

(سورۃ انفطار- آیت ۱ تا ۳)

اور فرمایا: ”اس دن جی و قبوم کی بارگاہ میں چہرے جھکے ہونگے“

(سورۃ طہ- آیت ۱۱۱)

اور فرمایا: ”اس دن خدائے رحمان کے سامنے آوازیں انکساری سے

دہی ہوں گی۔“

اور فرمایا: ”اس دن پینڈیاں برہنہ ہوں گی اور کفار کو سجدے کی طرف

بلایا جائے گا۔“

(سورۃ قلم- آیت ۴۲)

اور فرمایا: ”پس مجرموں کو پیشانی کے بالوں اور پیروں سے پکڑا

جائے گا۔“

(سورۃ رحمن- آیت ۴۱)

اور فرمایا: ”وہ دن جب کچھ چہرے نورانی ہوں گے تو کچھ دوسرے سیاہ

ہوں گے۔“

(سورۃ آل عمران- آیت ۱۰۶)

اور فرمایا: ”اس دن آنکھیں چڑھی ہوں گی۔“

(سورۃ ابراہیم- آیت ۴۲)

اور فرمایا: ”اس دن ظالم تدامت سے اپنے ہاتھ اپنے ہی دانتوں سے

کاٹ رہا ہوگا۔“

(سورۃ فرقان- آیت ۲۷)

اور فرمایا: ”وہ دن کافروں پر بڑا سخت ہوگا۔“

(سورۃ فرقان- آیت ۲۶)

اور فرمایا: ”اللہ حکم دے گا، اے مجرمو! الگ ہو کے کھڑے ہو جاؤ“

(سورۃ یس- آیت ۵۹)

اور فرمایا: ”آج کے دن ہم ان کے بھوسے پر چھڑکادیں گے اور

جو جو کارستانیاں یہ لوگ دنیا میں کر رہے تھے خود ان کے ہاتھ

ہم کو بتا دیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے۔“

(سورۃ یس- آیت ۶۵)

واضح رہے کہ دنیاوی جسم کا لوٹا یا جانا، وہ نظریہ ہے جس پر تمام

ملت کا اتفاق ہے۔ یہ اصول عقائد میں داخل ہے اور اس کا منکر اسلام

سے خارج ہے اور اس پر قرآن مجید کی آیات کریمہ صریحاً دلالت کرتی ہیں

اور ان کی کوئی دوسری تاویل غیر معقول ہے۔ اسی طرح اس موضوع پر اتنی متواتر احادیث وارد ہوئی ہیں کہ ان کو رد کرنا یا ان پر طعن کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔

علامہ مجلسیؒ نے بحار الانوار کی جلد ۵۳ پر لکھا ہے کہ ”حوط واولیٰ“ یہی ہے کہ معاد جسمانی اور اس کی تمام خصوصیات کے بارے میں قرآن و حدیث سے جو تفصیل متواترہ وارد ہوئے ہیں ان کی تصدیق کی جائے اور جزئیات کے بارے میں غور و خوض نہ کیا جائے۔ کیونکہ اول تو ہم اس کے بارے میں غور و خوض کے مکلف نہیں ہیں اور دوم یہ کہ اس طرح کے غور و خوض سے کبھی ایسا خیال بھی پیدا ہو سکتا ہے جو مطابق واقع نہ ہو گا۔“

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے اپنی اسی کتاب میں شرح عضدیہ سے علامہ دوانی کا یہ کلام بھی نقل کیا ہے کہ لفظ معاد سے معاد جسمانی ہی کی طرف ذہنی تبادُل ہوتا ہے کیونکہ اس معنی میں اہل شرع اس کو استعمال کرتے ہیں۔ اسی کا اعتقاد واجب ہے اور اس کا منکر کافر ہو جاتا ہے۔ یہ نظریہ مسلمانوں، نصاریوں اور یہودیوں سب کے نزدیک اجماعاً حق ہے اور اس کی حقیقت پر قرآن مجید کی آیات محکمہ یوں شاہد ہیں کہ ان کی کوئی اور تاویل نہیں ہو سکتی ہے۔ مثلاً سورہ یس کی ۷۹ تا ۸۱ ویں آیات جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بوسیدہ ہڈیوں کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔ مفسرین کا بیان ہے کہ یہ آیتیں اس وقت نازل ہوئی تھیں جب ابی ابن خلف ایک بوسیدہ ہڈی لیکر رسول اللہ کے پاس آیا تھا اور اس نے کہا تھا: ”اے محمد! کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ اللہ اس کو بھی زندہ کر دے گا؟“ تو رسول اللہ نے فرمایا تھا: ”ہاں! اور اللہ

تجھے بھی دوبارہ اٹھائے گا اور جہنم میں ڈالے گا۔“

یہ واقعہ ہر قسم کی مخالفت و تاویل کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ اسی وجہ سے امامؑ نے فرمایا ہے: ”انصاف یہی ہے کہ نبی اکرمؐ کے لئے ہوئے دین بدر ایمان لانا اور معاد جسمانی سے انکار کرنا یہ دونوں چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ (بحار الانوار جلد ۷ صفحہ ۴۸-۴۹)

پس معلوم ہوا کہ پیغمبر اکرمؐ نے بذریعہ وحی ابی ابن خلف سے فرمایا کہ ”تو پہلے سے موجود نہیں تھا، بلکہ اللہ تجھ کو عدم سے وجود میں لایا۔ لہذا وہ خالق جو اس پر قادر ہے وہ تجھے دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ مگر تو حق و انصاف سے انحراف کرتے ہوئے اس بوسیدہ ہڈی کے ذریعے جھگڑا کرنے آیا ہے اور خود اپنی خلقت کو بھولا ہوا ہے کیونکہ تو اپنی جہالت سے یہ نہیں سمجھتا کہ وہ خالق حقیقی جس نے آسمان و زمین سب کو پیدا کیا، کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ متفرق ذرات کو پھر سے جمع کر دے اور پھر انہیں زندہ کر دے؟“

یہاں یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ مومن کے ذرات بدن کافر کے ذرات بدن سے اسی طرح ممتاز ہوتے ہیں جیسے مٹی سے سونا ممتاز ہوتا ہے۔ قدرت والا خالق وہ ہے جس نے سبز درخت سے آگ پیدا کی (سورہ یس۔ آیت ۸۰)

لے جزیرہ عرب میں ”مرغ“ اور ”عقار“ نام کے دو درخت ہوتے تھے جن کی شاخیں کاٹنے سے دودھ جیسا مادہ نکلتا تھا لیکن جب دونوں کا پانی ایک دوسرے سے مل جاتا تھا تو آگ پیدا ہوتی تھی۔ پس دونوں درختوں کی شاخوں کو رگڑنے سے آگ نکلتی تھی۔ یہ تری سے آگ نکلنا اللہ کی قدرت ہے۔

نظریہ قیامت اور عقل

قرآن وحدیث کے دلائل نقلیہ سے قطع نظر کر کے اگر ہم عقلی اعتبار سے غور کریں، تب بھی قیامت کا نظریہ صحیح ثابت ہوتا ہے اور وہ یوں کہ اس عظیم کائنات پر غور کیجیے جس کے ذرے ذرے میں حکمت و مصلحت پوشیدہ ہے۔ وہ یقیناً بے مقصد و عبث نہیں پیدا کی گئی۔

پھر اس کائنات میں انسان کی خلقت پر غور کیجیے اور دیکھیے کہ ولادت سے لے کر بچپن، جوانی اور بڑھاپے تک اس پر کیسے کیسے تغیرات وارد ہوتے ہیں۔ پھر شب و روز کا طاری ہونا اور صحت و بیماری کے بعد موت آنا، کیا یہ سب کچھ بلا مقصد ہے؟ کیا انسانی زندگی بھی دوسرے حیوانات کی طرح محض کھانے پینے اور مرجانے کے لیے ہے؟ اگر ایسا ہی ہوتا تو پھر انسان کو عقل جیسی عظیم نعمت سے سرفراز کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ان امور پر سلامت روی سے غور کیجیے تو انسانی زندگی کا اعلیٰ مقصد بھی سمجھ میں آتا ہے اور پھر حیات اخروی اور قیامت کا نظریہ بھی بالکل صحیح ثابت ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو حیات اخروی اور قیامت سے انکار کرتے ہیں درحقیقت وہ اس عظیم کائنات اور پھر اس میں انسان کی خلقت میں پوشیدہ ان عظیم حکمتوں کا انکار کرتے ہیں جن کو تسلیم کیے بغیر تخلیق کائنات کا راز سمجھ میں نہیں آسکتا۔

جہاں تک حکمتوں اور مصلحتوں کا تعلق ہے تو وہ ذرے ذرے میں موجود ہیں اور ان کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر انسانی جسم ہی کو لیجیے اور اس کے حقیر ترین عضو سے لیکر اہم ترین عضو کا مشاہدہ کریجیے تو معلوم ہوگا کہ ہر عضو کا کوئی نہ کوئی کام ہے اور ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت

ہے۔ مثلاً ناخنوں اور بالوں ہی کو لے لیجیے۔ جہاں تک ناخنوں کا تعلق ہے تو وہ انگلیوں کی مدد کے لیے نہایت ضروری ہیں اور اگر وہ نہ ہوں تو ہت سے کام نہ کیے جاسکیں۔ ناخن کھلانے میں بھی کام آتے ہیں اور ان کے ذریعے کچھ زائد مادہ خارج بھی ہوتا ہے، اس لیے ان کو کاٹنے کا حکم ہے۔ اسی طرح جسم انسانی میں کوئی بال بھی بے فائدہ نہیں ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے مفضل سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ”کچھ نا سمجھ لوگ بعض مقامات پر اگنے والے بالوں کو معیوب قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہاں بالوں کا نہ ہونا ہی بہتر تھا۔ حالانکہ انہیں نہیں معلوم کہ اگر ان بالوں کے ذریعے جو خاص رطوبتیں خارج ہوتی ہیں وہاں بال نہ ہوتے تو انہی رطوبتوں سے امراض پیدا ہوتے۔ اسی وجہ سے ان بالوں کو ہر دو ہفتے میں صاف کرنا بھی ضروری ہوتا ہے تاکہ وہ رطوبتیں خارج ہوتی رہیں۔“

جب انسانی جسم کے نہایت حقیر اجزاء کا یہ حال ہے تو کیا کوئی عاقل شخص یہ سوچ سکتا ہے کہ بنانے والے نے اس پورے جسم کو بے مقصد بنا دیا ہے؟

اس عالم موجودات کے ہر جزو کو آپ حکمت و مصلحت پر مبنی پائیں گے اور ہر چیز کا وظیفہ معین ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حکیم جالینوس نے

”لے پروردگار عالم فرماتا ہے: ”کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم نے تم کو عبث پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف واپس نہیں کیے جاؤ گے؟“

(سورۃ مومنون آیت ۱۱۵)

ایک دن غلاظت کے کپڑے (گربیلے) کو دیکھ کر کہا: "اس مخلوق کا کوئی فائدہ نہیں۔" پھر اس کی آنکھوں میں ایسا درد اٹھا کہ بڑے بڑے ماہر طبیب اس کے علاج سے قاصر رہے۔ اسی اثنا میں ایک بوڑھی عورت آئی اور اس نے کہا: میرے پاس ایک ایسا سرمہ ہے جو تمہارے لیے مفید ہو گا۔" جب جالینوس نے وہ سرمہ لگایا تو اسے پورا آرام آ گیا۔ بعد میں اس نے اُس بوڑھی عورت سے اس سرمے کے اجزاء دریافت کیے تو معلوم ہوا کہ گوبریلا اس کا ایک اہم جزو تھا۔

پس جب ہر ذرہ کسی نہ کسی کام اور مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور جسم کا ایک ایک حصہ کسی نہ کسی مصلحت و مقصد کے لیے بنا ہے تو نفس انسانی کا یہ مقصد ہونا کیسے ممکن ہے؟

اس زمانے کے علمائے علم الانبیا اس امر پر متفق ہیں کہ وہ جسم انسانی کے اعضاء و جوارح کے بارے میں کچھ عرصہ پہلے تک وہ حقیقتیں نہیں جانتے تھے جو اب ان پر منکشف ہوتی ہیں۔ مثلاً آنت کا وہ زائد حصہ جسے اپنڈیکس کہا جاتا ہے، کچھ عرصہ پہلے تک بے فائدہ تصور کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ بعض تندرست افراد بھی اسے آپریشن کے ذریعے نکلوا دیا کرتے تھے مگر اب معلوم ہوا ہے کہ وہ دوسری آنتوں کی خاطر خطرے کی گھنٹی کا کام دیتی ہے اور تندرست لوگوں کو اسے ہرگز نہیں نکلوانا چاہیے۔ اس کے علاوہ بھی اس کے فوائد ہو سکتے ہیں جو ابھی معلوم نہیں ہوئے۔

اسی طرح کوئی دانت بے فائدہ نہیں ہے۔ پچھلے دانتوں کا جو کام ہے وہ اگلے دانت نہیں کر سکتے اور اگلے دانتوں کا کام پچھلے دانتوں سے نہیں ہو سکتا۔ یہی حال ہڈیوں، نسوں اور رگوں کا ہے، تو کیسے ممکن ہے کہ خود جسم

انسانی اور اس کا نفس بے مقصد ہو۔

جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ خالق علیم و حکیم نے ہر چیز کو کسی حکمت و مصلحت سے پیدا کیا ہے اور کوئی چھوٹی سی چیز بھی بے حکمت و مصلحت نہیں ہے تو جسم انسانی میں اس عجیب و غریب صناعتی اور پھر عالی ترین نفس و عقل انسانی کے بارے میں یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ محض تھوڑے دنوں کے لیے پیدا ہو کر ہمیشہ کے لیے نابود ہو جائے گا اور اس کی زندگی کا کوئی مقصد اعلیٰ نہ ہو گا؟ اور ظاہر ہے کہ جب مقصد اعلیٰ کا تسلیم کرنا عقلاً ضروری ہے تو موت کے بعد جزا و سزا کا ہونا بھی نہایت ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر انسانی زندگی کی مقصدیت و مصلحت نہ متعین ہوتی ہے نہ یہاں کے دکھوں کا نالفا فیوں، محرومیوں اور مظالم کا کوئی مداوا ہو سکتا ہے۔

لہذا عقل سلیم کا یہ حتمی فیصلہ ہے کہ اس چند روزہ زندگی کے بعد ایک حقیقی و پائدار زندگی یقیناً ہے۔ جہاں اس دنیا کی نالفا فیوں اور یہاں کے دکھوں کا نعمت و راحت کی شکل میں بدلہ مل سکے۔ یہاں نیکو کار اکثر اوقات اسی طرح سوچتا ہے۔ جیسے شاعر نے کہا ہے: مہ

خرم آل روز گزیر منزل ویران بروم

راحت جاں طلیم از پئے جانان بروم

اگر انسان اپنے وجدان اور اپنی عقل کی طرف رجوع کرے تو یقیناً اسے معاد کی ضرورت کا یقین آجائے گا۔ کیونکہ اگر معاد نہ ہو اور جزا و سزا نہ ہو تو حیات دنیوی میں تکلیف عمل خیر بے مقصد ہو جائے اور اگر تکلیف عمل کا تصور نہ ہو تو انسانی زندگی کی مقصدیت ختم ہو جائے لیکن چونکہ مقصد حیات کا نہ ہونا باطل ہے لہذا معاد کا ہونا ضروری ہے۔ نظریہ معاد سے

کے حضور میں کھڑے ہوں گے، وہ ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا یا سزا دیگا۔
معلوم ہوا کہ عدل الہی کا یہ تقاضا ہے کہ وہ قیامت کے دن ان
نیکو کاروں کو بہترین جزا عطا فرمائے جو زندگی بھر نیکیاں کرتے رہے اور وہ
لوگ جنہوں نے اپنی زندگی ظلم و جور اور قتل و غارت میں بسر کی انہیں ایسی
سزا دے جس کے وہ مستحق ہیں۔

یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگر لوگوں کو اس کا علم نہ
ہو کہ اللہ اپنی اطاعت کرنے والوں کو بہترین جزا دیتا ہے تو وہ عبادت
الہی سے جو مقصد خلقت ہے، روگردانی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
”میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اس لیے پیدا
کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں“

(سورۃ ذاریات - آیت ۵۶)

مگر انسان اللہ کی عبادت اسی اعتماد پر کر سکتے ہیں کہ ان کی محنت
ضائع نہیں ہوگی۔

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کسی ایسے دن کا ہونا ضروری ہے
جس دن ہر نفس کو اس کا بدلہ دیا جائے۔ لے نیکی کی جزا ملے اور برائی کی سزا۔
ناحق قتل ہونے والا اپنے قاتل سے یوم جزا ہی میں بدلہ لے گا۔ اور
اسے ظلم کا بدلہ ملے گا۔

لے آج کے دن ہر نفس کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے گا۔ آج کوئی ظلم
نہیں ہوگا۔ (سورۃ غافر - آیت ۱۷)

۲ جب زندہ درگور سچی کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ پر
قتل کی گئی۔ (سورۃ تکویر - آیت ۸-۹)

انحراف کا سبب لذتوں اور شہوتوں میں انہماک ہے اور بہت سے لوگ انہی
شہوات و لذات میں ڈوب کر عقیدہ معاد کو پس پشت ڈالنے کی کوشش
کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کے بھی دل مطمئن نہیں ہوتے۔

بہ طور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ یہ ساری کائنات ایک
مقصد کے تحت پیدا کی گئی اور اس دنیاوی زندگی کے بعد یقیناً ایک اور
زندگی ہے اور ایک نیا عالم ہے۔

عدل دلیل معاد ہے

یہ بات اپنے مقام پر تحقیق کے ساتھ ثابت ہو چکی ہے کہ عدل
باری تعالیٰ کی ایک صفت ہے اور یہی عدل دلیل معاد ہے۔ کیونکہ پروردگار عالم
اپنے احکام اور فیصلوں میں ہرگز کوئی ظلم نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے اطاعت گزار
بندوں کو ثواب دیتا ہے اور نافرمانی کرنے والوں کو سزا دینے کا حق رکھتا ہے۔
کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف عمل نہیں دیتا اور کسی پر اس کے
استحقاق سے زیادہ عذاب نہیں کرتا۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ عدل ہی نبوت، امامت اور معاد سب
کی بنیاد ہے۔ عدل ہی سے آسمان وزمین قائم ہیں۔ یہ تقاضائے عدل ہی
تھا کہ اللہ نے اپنے رسول کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا۔ یہ تقاضائے عدل ہی
تھا کہ اس نے اپنے رسولوں کو برگزیدہ و اختیار میں سے قرار دیا۔ ظالمین
و انحرافیوں سے نہیں۔ یہ تقاضائے عدل ہی تھا کہ اس نے منصب امامت
خلافت پر کسی کو مقرر کرنے کا اختیار امت کو نہیں دیا بلکہ خود اپنے دست قدرت
میں رکھا۔ یہ تقاضائے عدل ہی ہے کہ وہ کسی نیکو کار کے اجر کو ضائع نہیں
ہونے دیتا اور یہ تقاضائے عدل ہی ہے کہ یوم جزا میں جب تمام لوگ اس

اس استدلال کی وضاحت ان آیات سے بھی ہوتی ہے جن کی طرف اسماء یوم قیامت کے سلسلے میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔ ان آیتوں میں دوبارہ زندہ کیے جانے کی اس طرح صراحت ہے کہ اسے کسی اور طرف نہیں موڑا جاسکتا۔ بلکہ بعض آیات میں ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر کو بلا فاصلہ ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”وہ اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہیں“
(سورۃ آل عمران - آیت ۱۱۲)

اور فرمایا:

”جو ایمان لائے اللہ اور یوم آخر پر اور نیک عمل کرے تو ایسے لوگوں کے لیے ان کا اجر ہے“ (سورۃ بقرہ - آیت ۶۲)

اور فرمایا:

”مگر نیک ان لوگوں کے لیے ہے جو اللہ، یوم آخر، ملائکہ، کتابوں اور نبیوں پر ایمان رکھتے ہیں“
(سورۃ بقرہ - آیت ۱۷۷)

اور فرمایا:

”جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان لائے اور عمل صالح بھی

مگر چونکہ پروردگار غنی مطلق ہے لہذا ہم اس کا حق نعمت یوں ادا کر سکتے ہیں کہ اس کی معرفت و محبت کے ساتھ اس کے احکام کی اطاعت کریں، حالانکہ توفیق معرفت و اطاعت بھی اس کی ایک عظیم نعمت ہے۔ بہر حال جب بند اپنے اختیار کی حد تک اطاعت کرتا ہے تو وہ مستحق اجر بھی ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر معادۂ ہوتوہل خیر اور اہل شر برابر ہو جائیں گے اور مظالم کی کوئی دادرسی نہ ہوگی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ انبیاء کو بھیجے گا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ وعدہ و وعید اور ترغیب و ترہیب سب بیکار ہو جائیں گے اور افضل الانبیاء (معاذ اللہ) اشقی الاشفیاء کے برابر ہو جائیں گے۔ کیونکہ اس دنیا میں جو رنج و راحت، فقر و غنا اور صحت و مرض کا سامنا ہوتا ہے وہ اعمال کی جزایا سزا نہیں بلکہ محض امتحان ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

”اس نے موت و حیات کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ تم سب کا امتحان لینا چاہتا ہے کہ تم میں بہترین عمل والا کون ہے“
(سورۃ ملک - آیت ۲)

تیز وہ فرماتا ہے:

”ہم نے ان کی نیکیوں اور برائیوں سے آزمائش کی“
(سورۃ اعراف - آیت ۱۶۸)

اور وہ فرماتا ہے:

”تمہارے اموال و اولاد تو بس تمہاری آزمائش ہیں“

(سورۃ انفال - آیت ۳۸)

عدل الہی سے حقیقت معاد پر استدلال کا یہ مختصر سا خلاصہ ہے اور

۱۔ کتاب جامع السعادات جلد ۸ صفحہ ۸ میں ہے کہ جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ عدالت کے معنی بقدر امکان مساوات کے ہیں تو یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے بدلے ہم پر اس کا حق ہے جس کو پورا کرنا ضروری ہے،

کرے تو ایسے لوگوں کے لیے کوئی خوف نہیں ہوگا۔“

(سورۃ مائدہ - آیت ۶۹)

اور فرمایا:

”یقیناً اللہ کی مسجدوں کو بس وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور یوم آخریہ ایمان رکھتے ہیں۔“

(سورۃ توبہ - آیت ۱۸)

پروہدگارِ عالم نے اپنے بندوں پر بھلائی کر کے ہوتے ہوئے قرآن مجید میں مختلف طریقوں سے بار بار معاد کا تذکرہ کیا ہے کیونکہ اسے سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے اور اس کے بارے میں شکوک و شبہات زیادہ لاحق ہوتے ہیں کبھی معاد کا ذکر اس انداز میں کیا کہ وہ یقیناً ہونے والی ہے اور ایسی حقیقت ہے جس پر کسی استدلال کی ضرورت نہیں۔

مثلاً فرمایا:

”جو ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا اور جو ذرہ برابر بھی بُرائی کرے گا وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔“

(سورۃ الزلزال - آیت ۷-۸)

اور ارشاد ہوا:

”یقیناً اللہ ان لوگوں کو دوبارہ اٹھائے گا جو لوگ قبروں میں ہیں۔“

(سورۃ حج - آیت ۷)

اور فرمایا:

”اللہ مردوں کو دوبارہ اٹھائے گا۔“ (سورۃ النعام - آیت ۳۶)

پھر کبھی پروہدگارِ قسم کھا کر معاد کا ذکر فرماتا ہے مثلاً:

”وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ وہ کبھی بھی

دوبارہ زندہ نہیں کیے جائیں گے۔ کمد بیجیے (اے نبیؐ)

کہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ میرے رب کی قسم تم سب ضرور

پھر سے اٹھائے جاؤ گے اور جو کچھ تم نے یہاں کیا ہوگا اس

کی تمہیں خبر دی جائے گی۔“ (سورۃ تغابن - آیت ۷)

اور کچھ دوسرے مقامات پر رب العالمین اس استدلال کے ساتھ معاد

کا ذکر کرتا ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”کیا تم نے رحم میں مٹی کے عمل کو دیکھا ہے۔ کیا تم اس سے

بچہ پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔“

(سورۃ واقفہ - آیت ۵۸-۵۹)

اور وہ فرماتا ہے:

”اگر تم دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے سے متعلق شبہ میں ہو

تو سن لو کہ ہم نے پیدا کیا تمہیں مٹی سے، پھر نطفے سے، پھر

خون بستہ سے، پھر پورے سڈول یا ادھورے سے گوشت

کے لوتھڑے سے تاکہ ہم تم پر اپنی قدرت ظاہر کر دیں اور ہم

ارحام میں جیسے چاہتے ہیں ایک معین مدت تک رکھتے ہیں۔

پھر ہم تمہیں طفلی کے عالم میں وہاں سے نکالتے ہیں۔ تاکہ تم

آہستہ آہستہ اپنی پوری قوت تک پہنچ جاؤ۔ تم میں سے کچھ ایسے

ہوتے ہیں جو پہلے ہی وفات پا جاتے ہیں اور تم میں سے کچھ وہ

ہوتے ہیں جو بڑھاپے کی عمر تک پہنچ جاتے ہیں تاکہ وہ جاننے

کے بعد کچھ نہ جائیں اور تم زمین کو خشک دیکھتے ہو مگر جب

سے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو عمر کی سب سے ناکارہ حالت تک پہنچ جاتے ہیں جبکہ علم و شعور کے بعد سب کچھ بھول جاتے ہیں“

خالق عالم حیات بعد الموت پر ایک دوسرے انداز سے دلیل لاتا ہے اور فرماتا ہے: ”تم بے آب و گیاہ زمین کو دیکھتے ہو جس میں کوئی پودا نہیں ہوتا۔ پھر اسی زمین پر جب ابر رحمت برس جاتا ہے تو وہ گویا حرکت میں آجاتی ہے۔ ہریالی سے لہلہانے لگتی ہے اور اس میں ہر قسم کے خوش رنگ پودے اگنے لگتے ہیں۔ یہ سارے تغیرات اس لیے رونما ہوتے ہیں کہ اللہ جل شانہ حق ہے اور وہی تنہا اس طرح کے تغیرات کرنے والا ہے۔ لہذا بس وہی عبادت کے لائق ہے۔ کیونکہ وہی مردوں کو پھر سے زندگی دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر بھرپور قدرت رکھتا ہے۔ وہ موت کے بعد بھی پیدا کرنے پر قادر ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے زمین خشک ہو کر مردہ ہو جاتی ہے۔ پھر اللہ اسے ابر رحمت سے دوبارہ زندگی یعنی نشو و نما کی قوت سے دیتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ قیامت کی گھڑی جب اللہ ہر جاندار کو موت سے دوچار کر دے گا یقیناً آنے والی ہے اور پھر اس کے بعد اللہ مردوں کو زندہ کر کے حساب و کتاب کے لیے اٹھائے گا۔ ان مشاہدات کے بعد حیات بعد الموت، بعثت اور معاد کے بارے میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔

مختصر ترین صدیقین نے قیامت کی خبر دی ہے

یچقیقت ہے کہ انبیائے کرام تمام لوگوں میں سب سے زیادہ سچے لوگ تھے اور ان کا کلام پوری انسانیت پر اللہ کی حجت ہے۔ ان تمام سچے نمائندگانِ خدا یعنی تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام نے متفقہ طور پر قیامت کی خبر دی ہے۔ پھر ان کے بعد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرنے اور بڑھنے لگتی ہے اور وہ ہر طرح کے خوبصورت پودے اگانے لگتی ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوتا ہے کہ اللہ ہی حق ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ یقیناً قیامت کی گھڑی آنے والی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں اور یقیناً اللہ ان لوگوں کو پھر سے زندہ کر کے اٹھائے گا جو قبروں میں ہوں گے۔“ (سورۃ حج - آیت ۵ تا ۷)

گویا خداوند عالم بتا رہا ہے کہ ”اگر تم لوگ دوبارہ زندہ کیے جانے کے بارے میں شک و شبہ کرتے ہو تو یاد رکھو کہ ہم نے تمہارے بعد اول یعنی حضرت آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا۔ لہذا وہ خالق جس نے مٹی کو پورا بشر بنا دیا کیا وہ بوسیدہ ہڈیوں کو پھر سے زندگی دینے اور مردوں کو زندہ کر دینے پر قادر نہیں ہے؟ پھر ہم نے نسل آدمؑ کو پہلے نطفے، پھر جمے ہوئے خون، پھر گوشت کے لوتھڑے کی حالت سے گزار کر پیدا کیا۔ یہ لوتھڑا کبھی پوری خلقت پاتا ہے اور کبھی نہیں پاتا یا یہ کہ اس میں کبھی صورت پیدا ہوتی ہے اور کبھی نہیں بھی پیدا ہوتی بلکہ یونہی ساقط ہو جاتا ہے۔ یہ سارا سلسلہ اس امر کی وضاحت کے لیے ہے کہ ہم تمہارے لیے اپنی قدرت کا مظاہرہ کریں کہ جو ابتدائے تخلیق پر قادر ہے وہ دوبارہ تخلیق پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ پھر ہم تمہیں رحم مادر میں اپنی مرضی کے مطابق ایک معین دقت تک پھیرائے رکھتے ہیں۔ بعد ازاں تم ماں کے پیٹ سے بحالتِ طفلی باہر آتے ہو۔ پھر آہستہ آہستہ نشو و نما پا کر عقل اور قوت جسمانی کے لحاظ سے مضبوط ترین حالت تک پہنچ جاتے ہو۔ تم میں سے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو بلوغ و کمال کی عمر تک پہنچنے سے پہلے ہی مر جاتے ہیں اور تم میں

سے وہ منی کی شکل میں اس کے صلب میں پہنچے۔ پھر وہ منی رحم مادر میں منتقل ہوئی جہاں اسے مناسب مقام میں ٹھہرنا نصیب ہوا اور پھر وہ انسانی وجود پا کر ظاہر ہوا۔ خروج منی کے بعد تمام جسم کو غسل جنابت کے طور پر دھونا اسی لیے واجب قرار دیا گیا ہے کہ وہ تمام اجزائے بدن کا خلاصہ ہے۔

بہر حال انسان ابتدائے خلقت سے روح کے داخل ہونے کی منزل تک دو مرتبہ اس عمل سے گزرتا ہے کہ متفرق اجزا سمٹتے ہیں اور اس کی تکوین ہوتی ہے۔ پہلی مرتبہ اس وقت جب مٹی پانی اور ہوا کے اجزا جمع ہوتے ہیں اسی لیے اللہ نے فرمایا: ”ہم نے تم لوگوں کو مٹی سے پیدا کیا۔“ (سورہ حج۔ آیت ۵) پھر دوسری مرتبہ اس وقت جب اس کے باپ کا نطفہ اس کی ماں کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ ان حقیقتوں کے پیش نظر اس بارے میں کسی شبہ کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے کہ خالق حقیقی جسم انسانی کے متفرق اجزاء کو تیسری مرتبہ بھی جمع کر کے زندہ کر سکتا ہے۔ جبکہ وہ موت کی وجہ سے منتشر ہو چکے ہوں گے۔

پروردگار عالم فرماتا ہے:

”پہلی خلقت کے بارے میں تو تم جانتے ہی ہو تو پھر اس سے سبق کیوں نہیں لیتے؟“ (سورہ واقفہ۔ آیت ۶۳)

مقصود یہ ہے کہ نطفہ و علقہ و مضغہ کی شکلوں میں تخلیق بشر کے مراتب سے تو تم واقف ہی ہو۔ لہذا یہ کیوں نہیں سوچتے کہ جس خالق عالم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا وہ موت کے بعد دوبارہ بھی تمہیں پیدا کر سکتا ہے۔ اس کی مثالیں زمین کی خشکی و دیرانی اور پھر زندگی و شادابی سے پورے طور پر ملتی ہیں۔

کے اوصیائے معصومین علیہم السلام نے جو قیامت تک کے لیے ہادیان صراط مستقیم ہیں ایک زبان ہو کر بتی نوع انسان کو حیات بعد الموت اور یوم آخر کے بارے میں بار بار یہ بتایا ہے اور ظاہر ہے کہ ان تمام صادق ترین بندگان خدا میں سے ہر ایک کا قول اپنے مقام پر حجت ہے تو وہ بات جسے وہ سب مل کر کہتے ہیں، وہ کیونکر درست نہ ہوگی؟ پھر دنیا کے تمام اہل مذہب حیات بعد الموت اور یوم جزا کا تصور بھی رکھتے ہیں۔

تاہم ان تمام دلیلوں کے باوجود کچھ لوگوں نے نظریہ معاد پر یہ کہہ کر اعتراض کیا ہے کہ ”یہ تو معدوم کو واپس لانے کے مترادف ہے اور معدوم کو واپس نہیں لایا جاسکتا۔“ حالانکہ وہ لوگ اپنے اس دعوے پر کوئی قطعی دلیل و برہان پیش نہیں کر سکتے بلکہ صرف شبہات پیدا کرتے ہیں اور وہ شبہات تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔ پس ان کے ذریعے اس ثابت شدہ نظریے کی تردید نہیں کی جاسکتی۔

محقق طوسی علیہ الرحمۃ نے ایسے لوگوں کے جواب میں فرمایا ہے کہ ”معاد“ معدوم کو واپس لانا نہیں ہے، بلکہ یہ تو متفرقات کو جمع کرنا ہے۔“ مذکورہ جواب سے ان کی مراد یہ ہے کہ موت کے بعد جسم انسانی کے اجزاء بکھر جاتے ہیں اور دوبارہ ان کو جمع کر کے زندہ کر دینا معاد ہے۔

مشاہدہ سب سے بڑی دلیل ہے

انسان اگر خود اپنی خلقت کے بارے میں غور کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ اس کے اجزائے بدن متفرق و منتشر تھے۔ کچھ مٹی کا حصہ تھے، کچھ پانی اور ہوا کا۔ پھر قادر حکیم نے ان اجزاء کو غلے، سبزیوں اور حیوانات کی شکل میں نمودار کیا۔ یہ ماکولات اس کے والد کے معدے میں داخل ہوئے جہاں

علاوہ ازیں حیاتِ دنیوی میں مردوں کو زندہ کر دینے کا معجزہ بھی رونما ہوتا رہا۔ مثلاً حضرت عیسیٰ مسیحؑ اور ان کے بعد سید الانبیاءؑ اور ائمہ معصومین علیہم السلام کے ہاتھوں مردے زندہ ہوتے رہے۔
قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے ایک نبی (بنابر مشہور حضرت عزریہؑ) کا قصہ یوں بیان کیا گیا ہے:

جب وہ ایک تباہ شدہ گاؤں کے پاس سے گزرے تو انہوں نے کہا: ”اللہ اس گاؤں (یعنی وہاں کے لوگوں) کو موت کے بعد کیسے زندہ کرے گا؟“ پس اللہ نے ان کو بھی موت دے دی۔ پھر انہیں زندہ کر کے اٹھایا اور پوچھا: ”تم یہاں کتنی دیر بٹھرے؟“ انہوں نے کہا: ”ایک یا آدھے دن“ (اللہ نے) کہا: ”(نہیں) بلکہ تم یہاں سو سال پڑے رہے۔ پس دیکھو اپنے کھانے پانی کو کہ وہ خراب نہیں ہوئے اور اپنے گدھے کو دیکھو تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لیے نشانی بنادیں، تو دیکھو (گدھے کی) ہڈیوں کی طرف کہ ہم کیسے ان کو زندہ کرتے ہیں اور ان پر گوشت چڑھاتے ہیں؟“ (سورہ بقرہ - آیت ۲۵۹)

یہ نبی اپنے گدھے پر اپنا سامان سفر لیے ہوئے کہیں جا رہے تھے۔ اتفاقاً ان کا گزر ایک ایسے قریب کے پاس سے ہوا جو تباہ ہو چکا تھا۔ اس کے مکانات اپنی چھتوں سمیت گرے پڑے تھے اور وہاں کے باشندوں کی لاشیں ادھر ادھر بکھری ہوئی تھیں۔ اس ہولناک منظر کو دیکھ کر انہوں نے اللہ کی قدرت کی عظمت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ”اللہ

انہیں موت کے بعد کیسے زندہ کرے گا؟“

یہ جملہ اظہارِ عظمت کے لیے تھا، کیونکہ وہ نبی معصوم تھے۔ بہر حال اللہ نے ان کو وہیں موت دے دی، وہ سو سال تک وہیں پڑے رہے۔ جبکہ ان کا گدھا وہیں مر کر خاک ہو گیا۔ پھر سو سال بعد جب اللہ نے ان کو دوبارہ زندہ کیا تو پوچھا: ”تم یہاں کتنی دیر بٹھرے؟“ انہیں خیال آیا کہ شاید ایک دن یا آدھے دن وہ وہاں رہے۔ مگر پروردگار نے انہیں بتایا: ”تم یہاں سو سال تک پڑے رہے“ پھر اللہ نے اپنی قدرت کا کرشمہ دکھانے کے لیے ان سے کہا: ”اپنے کھانے پینے کی چیزیں دیکھو کہ وہ اب بھی خراب نہیں ہوئیں“ پھر ان کو یہ بتانے کے لیے کہ وہ واقعی وہاں سو سال تک پڑے رہے۔ اللہ نے فرمایا: ”ذرا اپنے گدھے کو تو دیکھو“ وہ مرجھا تھا اور اس کی ہڈیاں گل مٹ گئی تھیں۔ تب اللہ نے ان کی نگاہوں کے سامنے اسے دوبارہ زندہ کیا۔ تاکہ انہیں اور دوسرے تمام لوگوں کو یقین آجائے کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اس معجزے میں دو متضاد باتوں کا اظہار ہوا ہے۔ پہلی بات عام قانونِ فطرت کے مطابق تھی یعنی گدھے کا مرجھانا اور دوسری بات عام قانونِ فطرت کے خلاف تھی۔ یعنی کھانے پینے کی چیزوں کا اپنے حال پر باقی رہنا!

ابراہیمؑ کے لیے مردوں کا زندہ ہونا قرآن مجید اسی قسم کا ایک اور واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے متعلق بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: ”اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیمؑ نے کہا تھا: ”میرے رب! مجھے دکھا دے کہ تو کیسے مردوں کو زندہ کر دیتا

ASSOCIATION KHOJA
SHIA ITHNA ASHERI
JAMATE
MAYOTTE

ہے (سورۃ بقرہ - آیت ۲۶۰)

تفسیر قمی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سمندر کے کنارے ایک مردہ جانور کو دیکھا جسے دوسرے گوشت خور جانور کھا رہے تھے۔ پھر ان میں سے بعض نے بعض پر حملہ کیا اور ایک دوسرے کو کھا گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تعجب ہوا اور کہا: ”پروردگار! مجھے دکھا دے کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے؟“

پروردگار نے فرمایا: ”کیا تمہارا اس پر ایمان نہیں؟“ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کی: ”ایمان تو ہے، مگر میں صرف بیچا ہوا ہوں کہ آنکھوں دیکھ کر میرے دل کو اطمینان نصیب ہو۔“

حکم ہوا: ”تم چار پرندوں کو لے لو اور ان کو ذبح کر کے ان کے گوشت کو ایک دوسرے میں ملا دو۔ پھر تھوڑا تھوڑا گوشت پہاڑوں پر رکھ دو اور انہیں اپنی طرف بلاؤ تو دوڑے ہوئے آئیں گے۔ یقین کرو کہ اللہ عز و بزرگ حکیم ہے۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک مور، ایک مرغ، ایک کبوتر اور ایک کوا لے لیا۔ ان کو ذبح کیا اور ان کے گوشتوں کو ملا کر دس پہاڑوں پر تھوڑا تھوڑا رکھ دیا۔ پھر ان کو بلایا اور کہا: ”زندہ ہو جاؤ۔“

لے بعض علماء نے کہلے کہ ان چاروں پرندوں میں سے انسان کی چار صفات کا اظہار ہوتا ہے۔ مور سے خود پسندی اور اظہار زینت کا۔ مرغ سے شہوت پرستی کا۔ کبوتر سے لہو و لعب کا اور کوا سے حرص و آزمندی کا۔ (تفسیر نمونہ جلد ۲ صفحہ ۲۳)

اللہ کے اذن سے۔ بس یہ کہنا تھا کہ ہر پرندے کا گوشت دوسرے سے الگ ہو کر یکجا ہونے لگا اور سب زندہ ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے۔ تب انہوں نے کہا: ”یقیناً اللہ عز و بزرگ حکیم ہے۔“ لے

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیفیتِ اجیاء اموات دیکھنے کا جو سوال کیا تھا وہ واقعہ مذکورہ کے بعد ان کے تعجب کی بنا پر تھا، اس لیے نہیں کہ وہ کوئی مشاہداتی ثبوت طلب کر رہے تھے۔ کیونکہ انبیاء کرامؑ کا مقام ایسے مطالبات سے بلند ہوتا ہے۔ ان کا تعجب اس خیال سے ہو سکتا تھا کہ اگر کسی انسان کو کوئی درندہ کھلے اور اس درندے کو کوئی دوسرا درندہ کھلے تو پھر انسان کیسے زندہ ہوگا۔ لہذا اللہ نے ان کے تعجب کو رفع کر دیا لے اور ظاہر کر دیا کہ مردوں کو زندہ

لے تفسیر المیزان جلد ۲ صفحہ ۳۷۹

لے کتاب عیون اخبار الرضا میں محمد ابن جہم سے روایت ہے کہ وہ مامون کے دربار میں بیٹھا تھا اور امام علی رضا علیہ السلام بھی وہاں تشریف فرما تھے۔ مامون نے امام سے پوچھا: ”فرزند رسول! کیا آپ کا یہ قول نہیں ہے کہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں؟“ امام نے فرمایا: ”یقیناً ہے۔“ مامون نے امام سے چند آیات کے بارے میں پوچھا، اسی سلسلے میں اس نے کہا: ”حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو مردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت دیکھنا چاہی، اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟“ امام نے فرمایا: اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کی طرف وحی کی تھی کہ ”میں ایک بندے کو خلیل بنانے والا ہوں۔ اگر وہ اجیاء موتی کا بھی سوال کرے گا تو قبول کروں گا۔“ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں یہ بات القاء ہوئی کہ

رہنے والوں سمیت فنا کر دینے کا حکم دے گا۔

علامات و شرائط قیامت

پروردگار عالم نے کچھ حوادث و واقعات کو قرب قیامت کی علامت اور قرینہ قرار دیا ہے۔ ان میں سے کچھ قیامت سے پہلے واقع ہوں گے، کچھ دوبارہ زندہ کیے جانے کے وقت ہوں گے اور کچھ دوبارہ زندگی کے بعد ظاہر ہوں گے۔ ان سب کو شرائطِ ساعت کہتے ہیں۔ یہ نہایت ہولناک حادثات ہوں گے جن سے یوم النشور اور اس کی ہولناکی اور سختی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان میں سے چند حادثات کا ذکر آیات قرآن اور احادیث اہلبیت کی روشنی میں ہم پیش کرتے ہیں۔

رجعت

”کفایتہ الموحیدین“ (حصہ سوم) کے مطابق رجعت علامات قیامت میں سے ایک اہم واقعہ ہوگا۔ شیخ مفید علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں: ”میں کہتا ہوں (یعنی میرا عقیدہ ہے) کہ اللہ تعالیٰ قیامت سے پہلے کچھ مرے ہوئے لوگوں کو اسی دنیا میں ان کی سابقہ صورتوں میں ایک بار پھر زندہ کرے گا۔ ان میں سے کچھ لوگوں کو عزت عطا فرمائے گا اور کچھ کو ذلیل و خوار کرے گا۔ حق پرستوں کو باطل پرستوں سے اور مظلوموں کو ظالموں سے ان کے حقوق دلوائے گا۔ یہ سب کچھ قائم و محسوس آل محمد علیہ وعلیہم السلام کے ظہور و قیام کے وقت ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ دنیاوی زندگی کی طرف اس موقع پر پلٹنے والے گروہ دو قسم کے ہوں گے۔ ایک گروہ وہ ہوگا جو اپنی پہلی زندگی میں ایمان و عمل صالح کے اعلیٰ درجوں پر فائز ہوگا اور دنیا سے گناہانِ کبیرہ کے بغیر رخصت ہوا ہوگا۔ اللہ ان لوگوں

کرنے سے کہیں زیادہ تعجب خیز آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا ہے۔ اسی امر کی جانب اللہ نے سورۃ غافر کی ۷۵ ویں آیت میں اشارہ فرمایا ہے اور کہا ہے کہ جو افلاک و زمین کو پیدا کر سکتا ہو اس کے لیے انسان کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دینا کیا مشکل ہے؟ پروردگار فرماتا ہے:

”کیا وہ خالق جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس پر قادر نہیں کہ ان کے مثل پیدا کر دے۔ یقیناً وہی خلاق و علیم ہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ”ہو جا“ اور وہ ہو جاتی ہے“ لہ

قیامت کبریٰ

جہاں تک اس قیامت کے وقت کا تعلق ہے تو اسے اللہ کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔ قرآن مجید میں ہے:

”یقیناً اللہ ہی کے پاس ساعت قیامت کا علم ہے“

(سورۃ لقمان - آیت ۳۲)

البتہ اللہ نے سید الانبیاء اور ان کے اوصیاء معصومین علیہم السلام کو اس کا علم دیا ہے، لیکن انہیں اس کے اظہار کا حکم نہیں ہے۔ جیسے انھوں نے بعض مصلحتوں کے تحت بہت سے دوسرے علوم کو چھپائے رکھا، اسی طرح اسے بھی چھپائے رکھا۔ پس لوگ اس حالت پر رہیں گے کہ کچھ مرچکے ہوں گے، کچھ زندہ ہوں گے کہ اللہ اس دنیا کو اس کے

وہی خلیل خدا ہیں۔ لہذا اس اطمینان کے لیے وہ سوال کیا کہ میں واقعی خلیل ہوں؟ (تفسیر المیزان جلد ۲ صفحہ ۴۰۲) لہ سورۃ یس - آیت ۸۱

یہ آیت کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہ خاص لوگوں کا حشر ہوگا۔ لہذا یہ اس حشر اکبر سے پہلے ہوگا جو بروز قیامت ہوگا۔ تفسیر قمی میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے راوی حدیث سے فرمایا: ”لوگ اس آیت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟“ انھوں نے جواب دیا: ”لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ قیامت کا دن ہوگا۔“ امام نے فرمایا: ”کیا اللہ قیامت کے دن صرف ایک گروہ کو محشر کرے گا اور باقیوں کو چھوڑ دے گا؟“ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ حشر رجعت کے موقع پر ہوگا۔ قیامت کے بارے میں تو اللہ یہ فرماتا ہے:

”اور ہم نے ان سب کو جمع کیا تو ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑا“ (سورہ کہف - آیت ۴۷)

اسی طرح یہ آیت قرآنیہ بھی دلیل رجعت ہے: (وہ لوگ کہیں گے) ”ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ زندگی دی۔ پس ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں تو کیا نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟“ (سورہ غافر - آیت ۱۱)

تفسیر قمی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ”یہ رجعت میں ہوگا۔ یعنی ایک مرتبہ زندہ کرنا رجعت میں اور دوسری مرتبہ زندہ کرنا قیامت میں ہوگا۔ اسی طرح ایک مرتبہ موت، حیاتِ دنیوی میں آئے گی اور دوسری مرتبہ رجعت کی زندگی میں۔“

نیز خدا کا یہ قول بھی دلیل رجعت ہے:

”اور یقیناً ہم انھیں عذاب اکبر سے پہلے عذاب کمتر

کو دولتِ حق کی شان و شوکت دکھائے گا اور ان کی وہ آرزوئیں پوری کریگا جو وہ دنیا میں چاہتے تھے۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہوگا جو ظلم و فساد کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہونگے اور انہوں نے اولیاء اللہ پر مظالم ڈھائے ہوں گے۔ پروردگار عالم ایسے ظالموں سے اس دنیا میں بھی انتقام لے گا اور مظلوموں کی داد رسی کرے گا۔ پھر یہ دونوں گروہ دوسری مرتبہ موت سے دوچار ہوں گے اور اس کے بعد تمام دوسرے لوگوں کے ساتھ حشر و نشر کے لیے اٹھائے جائیں گے اور ثواب و عقاب میں جس کے مستحق ہوں گے وہ انھیں ہمیشہ کے لیے دیا جائے گا۔ یہ وہ عقیدہ ہے جس پر مذہب امامیہ کے تمام لوگوں کا اتفاق ہے۔ سوائے ان شاذ و نادر لوگوں کے جنہوں نے اس کے برخلاف تاویل کی ہے۔

مذہب امامیہ کے نزدیک رجعت صرف ان لوگوں کے لیے ہوگی جو طالح الايمان یا خالص الکفر ہوں گے۔ باقی لوگوں کے بارے میں سکوت اختیار کیا گیا ہے۔ بہر حال عقیدہ رجعت مذہب امامیہ میں ضروریاتِ مذہب میں سے ہے۔ اس کی حقانیت پر اجماع مذہب کے علاوہ کتاب و سنت کی دلیلیں بھی موجود ہیں۔

مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اس دن جب ہم ہر امت میں سے ان لوگوں کو جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے۔“ (سورہ نمل - آیت ۸۳)

۱۔ اوائل المقالات صفحہ ۵۵، از شیخ مفید نور اللہ مرقدہ۔

کا مزہ چکھائیں گے تاکہ وہ پلٹیں۔“

(سورہ سجدہ - آیت ۲۱)

تفسیر قمی میں اس آیت کے بارے میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ”عذاب کمتر سے مراد عالم رجعت میں تلوار کا عذاب ہے اور عذاب اکبر قیامت کا عذاب ہے اور ان کے پلٹنے سے مراد عالم رجعت میں ان کا پلٹنا ہے۔“

ان کے علاوہ دوسری آیات اور احادیث بھی ہیں۔ جن کو بحار الانوار جلد ۵ صفحہ ۳۹ تا ۱۴۴ میں دیکھا جاسکتا ہے۔

مسند رجعت ان مسائل میں سے ہے جن کے بارے میں اسلام کے ابتدائی دور سے اب تک بحث و مباحثہ ہوتا رہا ہے۔ شیعوں نے اسے تسلیم کیا ہے جبکہ ان کے مخالفین نے اس کا انکار کیا ہے۔ شیعوں نے اس موضوع پر بہت سی کتابیں بھی لکھی ہیں جن میں کتاب وسنت سے اسے ثابت کیا ہے اور منکرین کے اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ ان کتابوں کی نشاندہی ہمارے موضوع کلام سے خارج ہے۔ اسی طرح جیسے اس مسئلے کی تفصیلی دلیلوں کا پیش کرنا خارج از گفتگو ہے۔ تاہم چونکہ سب سے بڑا شبہ جسے مخالفین پیش کرتے ہیں وہ یہی ہے کہ رجعت کا وقوع بعید از قیاس ہے۔ لہذا ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ یہاں پر بعض فضلاء کا وہ کلام پیش کر دیں جسے انہوں نے شیخ عسلی اعلیٰ الشریعہ کی کتاب ”الایقظ من الجمعۃ“ (یعنی نیند سے جگانا) کے شروع میں بطور مقدمہ لکھا ہے۔ اس سے تمام شبہات انشاء اللہ زائل ہو جائیں گے۔ ملاحظہ ہو:

قرآن مجید بہت سی آیتوں میں اس امر کی تصریح کرتا ہے کہ روح و حقیقت دین پروردگار عالم کی بارگاہ میں تسلیم و سپردگی کا نام ہے اور اسی حقیقت کی تعبیر کبھی لفظ اسلام سے اور کبھی لفظ تسلیم سے کی جاتی ہے۔ پروردگار عالم فرماتا ہے:

”یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک بس اسلام ہے۔“

(سورہ آل عمران - آیت ۱۹)

پھر فرماتا ہے:

”اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کو چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ گھٹا اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔“

(سورہ آل عمران - آیت ۸۵)

اور فرمایا:

”ہاں، جو اپنا سر جھکا دے اللہ کے سامنے اور وہ نیکوکار بھی ہو تو اس کا اجر اس کے پروردگار کے پاس ہے۔ ایسے لوگوں پر نہ کوئی خوف طاری ہوگا نہ وہ ممکن ہوں گے۔“

(سورہ بقرہ - آیت ۱۱۲)

نیز فرمایا:

”دین نہیں تمہارے رب کی قسم یہ اہل ایمان نہیں بن سکتے، جب تک یہ آپ کو دے پیغمبر، حاکم اور ثالث نہ تسلیم کر لیں۔ ہر اس نزاع میں جو ان کے درمیان رونما ہو۔ پھر یہ اپنے دلوں میں اس فیصلہ کے بارے میں جو آپ

مشابہت رکھتا ہے۔ ان ”راسخون فی العلم“ کے انداز فکر سے جن کے بارے میں پروردگار عالم فرماتا ہے:

”اور علم میں مضبوطی سے قائم رہنے والے کہتے ہیں ہم اس پر بھی ایمان لائے یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے“ اور نہیں عبرت حاصل کرتے مگر وہ جو صاحبان عقل ہیں“ (سورۃ آل عمران - آیت ۷)

ان دونوں حیثیتوں (یعنی انسانی عقل کا محدود ہونا اور اللہ و رسول و امام معصومؑ کے ارشادات کا حق ہونا) کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ آخر الذکر قسم کے لوگ واقعی صحیح فکر رکھنے والے ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یوں سمجھی جاسکتی ہے کہ انسان تنہا اپنی عقل کی مدد سے جو علم حاصل کرتا ہے اسے آخری حقیقت کا علم نہیں کہا جاسکتا۔ مثلاً کبھی یہ نظریہ تھا کہ زمین ساکن ہے اور مرکزِ عالم ہے، جس پر سات آسمان تہ بہ تہ پیاز کے چھلکوں کی طرح جمے ہوئے ہیں۔ مگر اب معلوم ہوا کہ زمین نہ ساکن ہے نہ مرکزِ عالم ہے۔ بلکہ وہ تو خود آفتاب کے گرد گھوم رہی ہے اور یہ کہ افلاک کا پرانا تصور بھی غلط ہے۔

معلوم ہوا کہ انسان جس قدر اپنے علم میں اضافہ کرتا جاتا ہے اسی قدر اسے اپنے جہل کا اعتراف زیادہ کرنا پڑتا ہے۔ عماد اصفہانی متوفی ۵۹۷ھ کا مقولہ ہے:

”میں نے تو یہ دیکھا ہے کہ انسان اگر آج کوئی کتاب لکھتا ہے تو کل اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو بہتر ہوتا۔ اسی طرح جتنا وقت گزرتا جاتا ہے اس کے قطریات میں فرق آتا جاتا ہے۔ یہ عقل بشر کی

کر دیں کوئی تنگی بھی نہ محسوس کریں جو تسلیم و سپردگی کا حق ہے“ (سورۃ نسا - آیت ۶۵)

اس حقیقت کے مختلف مظاہر میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو کچھ بذریعہ وحی آتا ہے اسے تسلیم کیا جائے۔ یعنی جو احکام و قوانین یا اخبار اور واقعات اللہ کی کتاب میں یا نبی و امام معصوم کی زبان سے بیان ہوئے، ان سب کو مان لیا جائے۔ نبی و امام معصوم چونکہ عبد و معبود کے درمیان وسیلہ و رابطہ ہوتے ہیں۔ لہذا ان کے احکام و اقوال کو تسلیم کرنا گویا اللہ جل شانہ کے سامنے تبریک تسلیم کرنا ہے۔

تاہم وحی الہی کے ذریعے کچھ ایسے امور بھی ہم تک نبی و امام معصوم کے وسیلے سے پہنچے ہیں جن کے ادراک سے ہماری عقلیں عاجز ہیں اور یہیں سے شبہ پیدا ہوتا ہے۔ پس کچھ لوگ تو اپنی نافرمانی کی بنا پر ان امور سے انکار کر دیتے ہیں۔ مگر وہ لوگ جو احتیاط کا راستہ اختیار کرتے ہیں، وہ ایسے امور کے بارے میں تاویل و توجیہ سے کام لیتے ہیں۔ معاد جسمانی، معجزات، شفاعت اور غیبتِ امام زمانہ ایسے ہی امور میں داخل ہیں۔ ان مذکورہ دونوں فریقوں کے علاوہ ایک تیسرا گروہ بھی ہے جو عقل و فکر کے اعتبار سے زیادہ مستحکم ہے اور راہِ تسلیم میں زیادہ پائیدار ہے۔ یہ لوگ اپنی عقل کو اس کی طبعی قوت سے زیادہ جولانی نہیں دیتے بلکہ واضح طور پر یہ اعتراف کر لیتے ہیں کہ ایسے امور کی حقیقت کا ادراک کرنے سے ان کی عقل عاجز ہے۔ لہذا وہ دینی مسلمات کا نہ انکار کرتے ہیں نہ توجیہ تاویل کی راہ ڈھونڈتے ہیں بلکہ فرموداتِ خدا اور ارشاداتِ نبی و امام معصوم پر تسلیم و سپردگی کے انداز میں ایمان لاتے ہیں۔ ان کا اندازِ فکر

ناتمامیت اور اس کے نقص کی واضح دلیل ہے۔“

اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت کا اندازہ لگانا بھی ممکن نہیں۔ بلکہ جس قدر بھی اس کی معرفت حاصل کی جائے اسی قدر اس کی عظمت و جلالت کے لامحدود ہونے کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ہماری عقلیں اس ذات لامحدود کا ادراک کرنے سے یکسر قاصر ہیں۔

ان دونوں حقیقتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ارشادات ربانی کے سامنے تسلیم خم کر دینا ہی بہترین طریق کار ہے۔ نہ یہ کہ محض اس بنا پر کسی چیز سے انکار کیا جائے کہ اس کے ادراک سے ہماری عقل قاصر ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عام انسانوں ہی میں سے اگر کوئی شخص علم و تحقیق میں اس مرتبے تک پہنچ جائے کہ لوگ اس کے مقام علمی کا اعتراف کرنے لگیں تو اگر وہ کوئی ایسی بات کہہ دے جسے عام انسان اپنی عقل سے نہ سمجھ سکے یا اسے بعید از عقل سمجھتا ہو تب بھی لوگ اس کی بات کی تصدیق کرتے ہیں اور اسے نہ سمجھنے کو اپنی عقل کا قصور قرار دیتے ہیں۔ مثلاً کوئی سائنسدان ایسی بات کہے جو عام انسان کی سمجھ سے باہر ہو تو اس کے باوجود اس کی بات کو درست قرار دیا جاتا ہے اور انکار کرنے والے کو پاگل کہا جاتا ہے کیونکہ عام لوگ یہ اعتراف کرتے ہیں کہ سائنس دان ان سے زیادہ عقل و فہم رکھنے والا ہے۔

لہذا وہ حضرات جو وحی ربانی اور اہام خداوندی کے حوالے سے کوئی بات کہتے ہیں ان کی باتوں کا انکار محض اس بہانے سے کیونکر کیا جاسکتا ہے کہ وہ انکار کرنے والوں کے نزدیک بعید از عقل ہیں؟ کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ بہت سی ایسی چیزیں جن کو کچھ دن پہلے ناممکن سمجھا جاتا تھا۔ آج

وہ ممکن ہی نہیں بلکہ روزمرہ کا معمول بن چکی ہیں؟ اسی طرح کچھ چیزیں آج سے پہلے صحیح سمجھی جاتی تھیں۔ مگر اب ان کا غلط ہونا ثابت ہو چکا ہے۔

پس جب ہم انسانوں کا یہ حال ہے کہ ہم اپنے ہی جیسے انسانوں میں سے علم و تحقیق کے مرتبے تک پہنچنے والوں کی باتوں کی بھی تصدیق کرتے ہیں جو خود ہماری عقل میں نہیں آتیں اور ایسے موفعوں پر ہم خود اپنی عقل کا قصور تسلیم کر لیتے ہیں۔ حالانکہ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ جس طرح خود ہم سے غلطی و غفلت ہو سکتی ہے، اسی طرح ماہرین علم و تحقیق سے بھی غلطی و غفلت ممکن ہے تو ہم ان حضرات کی باتوں کو کیسے تسلیم نہ کریں جو خالق علم و قدرت اور موجود عقل و خرد صانع عالم کی وحی و اہام کے حوالے سے گفتگو کرتے ہیں؟ صفحہات کائنات میں کتنے ہی ایسے صفحہات ہیں جنہیں انسان نے ابھی تک نہیں پڑھا اور کتنے ہی ایسے اسرار و رموز ہیں جو ابھی تک انسان کے لیے منکشف نہیں ہوئے۔ کیا کوئی اس سے انکار کر سکتا ہے؟ وحی الہی بھی تو یہی کہتی ہے۔

آج کا انسان ستاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے اور حقائق حیات کائنات کو سمجھنے میں سرگرداں ہے۔ پس اگر دینی اعتبار سے کسی برگزیدہ انسان کی نہایت طولانی عمر کو تسلیم کیا جاتا ہے تو اسے محض بعید از عقل سمجھتے ہوئے کیسے روکیا جاسکتا ہے؟ جبکہ یہ بھی ممکن ہے کہ آئندہ کسی انکشاف علمی ہی کے ذریعے اس طول حیات کا راز بھی سمجھ میں آنے کے قابل ہو جائے۔

آج اگر یہ کہہ دیا جائے کہ کسی ماہر طبیعیات نے موت کی دوا ایجاد کر لی ہے تو یقیناً ہم میں سے بہت سے لوگ اس کی تصدیق کے لیے فوراً

بعید از عقل کہہ کر درکنا چاہتے ہیں۔ جس طرح جاہلیت کے اس نمائندے نے انسان کے دوبارہ زندہ کیے جانے کو بعید از عقل قرار دیا تھا۔ حالانکہ یہ بعید از عقل ہونے کا کمزور استدلال جس طرح اس وقت باطل تھا اسی طرح آج بھی باطل ہے۔ کیونکہ یہ خلاق عالم اور اسکی بے اندازہ قدرت و حکمت سے انکار یا اس کے بارے میں ضعیف یقین پر مبنی ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

”پس اگر وہ تمہاری بات نہ مانیں تو تم یقین سے جان لو کہ جو کچھ نازل کیا گیا وہ اللہ کے علم سے ہے اور اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں ہے، تو کیا تم تسلیم کر نیوالے ہو؟“
(سورہ ہود - آیت ۱۳)

یا جوج و ما جوج

علامات قیامت میں سے یا جوج و ما جوج کا ظاہر ہونا بھی ہے۔ پروردگار عالم فرماتا ہے:

”ان لوگوں نے کہا: اے ذوالقرنین، یقیناً یا جوج و ما جوج زمین میں فساد برپا کرنے والے ہیں۔ پس اگر ہم آپ کے لیے خرچ مہیا کر دیں تو کیا آپ ہمارے اور ان کے درمیان دیوار بنا دیں گے؟“
(سورہ کہف - آیت ۹۴)

پروردگار نے دیوار بننے اور یا جوج و ما جوج کے اس میں سوراخ کر کے دوسری طرف آجانے سے عاجزی کا ذکر کرنے کے بعد ذوالقرنین کا یہ قول نقل کیا ہے:

”یہ میرے پروردگار کی طرف سے رحمت ہے۔ مگر جب

تیار ہو جائیں گے۔ مگر جب یہ کہا جائے کہ اللہ نے اپنے وعدے کے مطابق ایک ہادی مصلح عالم کو ہماری بقا اور قیامت کے دن ہماری نجات کے لیے باقی رکھا ہے اور انہیں مناسب وقت پر اس دنیا میں ظاہر کرے گا تو اس بات پر بہت سے لوگ شک و شبہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس موقع پر انکار یا خواہ مخواہ کی توجیہ و تاویل سے کیوں کام لیا جاتا ہے؟ اور ایسے مسائل میں ہر ایک یہ کوشش کیوں کرنا چاہتا ہے کہ وہ ہر جزئی تفصیل کو خود اپنی عقل و فہم سے پورے طور پر سمجھ لے؟ کیا یہ مناسب نہیں کہ ہم اپنی عقل و فہم کے قصور کو تسلیم کرتے ہوئے اللہ کے وعدے پر یقین رکھیں اور اس کے پورے ہونے کا انتظار کریں؟

کم از کم ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ ایسے دینی امور اور اسرار الہیہ کے بارے میں تسلیم ختم کرتے ہوئے یقین کر لینا ہی عقل سلیم کا تقاضا ہے خصوصاً وہ دینی امور جن کا تعلق عالم آخرت سے ہے اور ان کو پورے طور پر سمجھنا وحی ربانی کے سوا عقل بشری کی جولال گاہ سے پرے ہے۔

آج کی روشن خیال دنیا میں بھی بے شمار اسرار کائنات ایسے ہیں جن تک رسائی مشکل ہی نہیں ناممکن نظر آتی ہے تو عالم آخرت کے رموز اور پھران کی جزئیات کو سمجھنے پر اصرار کرنا کیسے اور کہاں تک معقول ہو سکتا ہے؟ وہ آخرت اور رجعت کا نظریہ ہو یا غیبت امام کا مسئلہ منکرین کی ساری قبیل و قال در حقیقت اسی استدلال پر آج بھی مبنی ہے، جسے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ابی ابن خلف نے ایک بوسیدہ ہڈی کو پیش کر کے، بزعم خود قرآن مجید کو جھٹلانے کی جاہلانہ کوشش کی تھی۔ آج کے ترقی یافتہ دور کے لوگ بھی اسی طرح مذکورہ حقیقتوں کو

وعدہ پروردگار کا وقت آئے گا تو وہ اسے کمزور کر دے گا
اور میرے پروردگار کا وعدہ حق ہے“
(سورہ کسف - آیت ۹۸)

اور ارشاد خداوندی ہے:

”یہاں تک کہ جب یا جوج و ما جوج کھول دیے جائیں
گے اور وہ ہر بلندی سے اتر رہے ہوں گے اور وعدہ
حق قریب آچکا ہوگا تو اس وقت ان لوگوں کی آنکھیں
چڑھ جائیں گی جنہوں نے کفر کیا ہوگا۔“

(سورہ انبیاء - آیت ۹۷)

کچھ اور علامتیں

علامات قیامت میں سے یہ بھی ہے کہ آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا،
وابہ دجال اور دھواں یہ سب ظاہر ہوں گے۔ ارشاد ربانی ہے:
”یایہ کہ آیتیں آپ کے پروردگار کی کچھ نشانیاں۔ وہ دن
جب آپ کے پروردگار کی کچھ نشانیاں آچکیں گی تو وہ
نفس جو پہلے سے ایمان نہ لایا ہوگا۔ اسے اس دن ایمان
لانا کچھ فائدہ نہ دے گا۔“ (سورہ النعام - آیت ۱۵۸)

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ”نشانوں سے مراد چوپایہ کا ظاہر ہونا
یا آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا ہے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: چھ چیزوں کی آمد سے پہلے ہی نیک اعمال
کی طرف جلدی کیا کرو:

۱۔ آفتاب کا مغرب سے نکلنا۔

۲۔ دابہ کا نکلنا

۳۔ دجال کا ظاہر ہونا

۴۔ دھوئیں کا آنا

۵۔ تمہاری اپنی موت

۶۔ قیامت

آسمان سے ظاہر ہونا دھواں نکلے گا (سورہ دخان - آیت ۱۰) اس
آیت کی رو سے بعض مفسرین دھوئیں کو بھی قیامت کی علامتوں میں شمار
کرتے ہیں۔ حذیفہ بن اسید سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: ایک دفعہ
رسول اللہؐ اپنے حجرے سے باہر تشریف لائے، جبکہ ہم لوگ قیامت کے
متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا: دس چیزوں کی آمد سے پہلے قیامت
نہیں آئے گی۔

۱۔ دجال ۲۔ دھواں ۳۔ سورج کا مغرب سے نکلنا

۴۔ دابۃ الارض ۵۔ یا جوج و ما جوج ۶۔ زمین مشرق

کا دھنس جانا ۷۔ زمین مغرب کا دھنس جانا ۸۔ جزیرہ

عرب کا دھنس جانا ۹۔ عدن سے ایک آگ کا نکلنا جو

لوگوں کو اس طرح ہنکائے گی کہ جیب دہ چلیں گے تو چس

۱۰۔ اسی مجمع البیان میں ہے کہ ”وہ دن جب ایسی نشانیاں ظاہر ہو
جائیں جو معرفت حق کی طرف مجبور کر دیں اور احکام الہی پر عمل کرنے کی تکلیف
کا وقت ختم ہو جائے تو کسی کو اس دن کا ایمان کوئی نفع نہیں پہنچائے گا۔
اگر پہلے سے ایمان نہ لایا ہو“ (جلد ۲ صفحہ ۳۸۸)

پڑے گی اور جب وہ رکیں گے تو رک جائے گی یہاں تک کہ وہ ان کو میدان حشر میں لے آئے گی۔ ۱۰۔ نزول عیسیٰؑ کر غالباً راوی نے اس کو سہواً ترک کر دیا ہے۔ (بحار الانوار جلد ۳ صفحہ ۳۰)

حذیفہ بن اسید ہی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے حضرت رسول اکرمؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: قیامت برپا ہونے سے پہلے دس نشانیاں نمودار ہوں گی۔ ان میں سے پانچ مشرق اور پانچ مغرب میں ظاہر ہوں گی۔ پھر ساری نشانیاں حدیث میں مذکور نہیں ہوں گی اور صرف دابہ، دجال، سورج کے مغرب سے نکلنے، نزول عیسیٰؑ اور ان کے یاجوج و ماجوج کو مغلوب کرنے اور سمندر میں غرق کر دینے کا ذکر آیا ہے۔

(بحار الانوار جلد ۳ صفحہ ۳۰)

حذیفہ بن اسید غضاری سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: ایک دفعہ ہم لوگ مدینہ میں کسی دیوار کے سائے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور حضور اقدسؐ ایک حجرے میں آرام فرما رہے تھے۔ جب حضورؐ ہمارے پاس تشریف لائے تو پوچھا: ”تم کس چیز کے متعلق بات کر رہے تھے؟“ ہم لوگوں نے عرض کیا: ”ہم قیامت کے متعلق گفتگو کر رہے تھے،“ حضورؐ نے فرمایا: ”جب تک دس علامات نمودار نہیں ہوں گی قیامت نہیں آئے گی اور وہ یہ ہیں: سورج کا مغرب سے نکلنا۔ دجال۔ دابۃ الارض۔ زمین مشرق کا دھنس جانا۔ زمین مغرب کا دھنس جانا۔ جزیرہ عرب کا دھنس جانا۔ عیسیٰؑ ابن مریمؑ کا نزول۔ یاجوج و ماجوج کا نکلنا۔ آخر میں یمن سے ایک آگ نکلے گی اور لوگوں کو میدان حشر کی طرف اس طرح

ہنکائے گی کہ وہ رکیں گے تو رک جائے گی اور چلیں گے تو چل پڑے گی۔ آسمان سے دھواں نکلنا۔ (غالباً راوی نے اس کو سہواً ترک کر دیا ہے) نفع صُور
نفع صُور سے مراد ہے خدا کی طرف سے صُور کا پھونکا جانا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”یہ لوگ نہیں انتظار کرتے مگر ایک نہایت شدید آواز کا جو انہیں اکپڑے گی۔ اس حال میں کہ وہ لڑ جھگڑ رہے ہوں گے۔ پس اس وقت نہ وہ کوئی وصیت کر سکیں گے نہ وہ اپنے گھروالوں کی طرف لوٹ سکیں گے“

(سورہ یس۔ آیت ۴۹-۵۰)

تفسیر قمی میں ہے کہ ”یہ آخری زمانے میں ہوگا کہ لوگوں کو ایک نہایت شدید چیخ (یا آواز) سنائی دے گی۔ اس حال میں کہ وہ اپنے بازاروں میں سودا بازی پر لڑ جھگڑ رہے ہوں گے۔ پس وہ سب کے سب وہیں اپنی جگہ پر مرجائیں گے اور کوئی نہ اپنے گھر لوٹ سکے گا، نہ کوئی وصیت کر سکے گا“ یہ صُور پھونکے جانے یعنی شدید ترین آواز کا عمل دود دفعہ ہوگا۔ پہلی آواز پر ہر ذی روح مرجائے گا اور دوسری آواز تمام کے تمام کو زندہ کرے گی۔ شیخ حلیں القدر علی ابن ابراہیم نے اپنی تفسیر میں امام زین العابدینؑ سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ”جہاں تک پہلی پھونک کا تعلق ہے تو اللہ جل شانہ اسرافیل کو حکم دے گا، وہ ایک صُور لیکر دنیا میں آئیں گے جس کا ایک سر اور دو رخ ہوں گے اور دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فاصلہ ہوگا۔ جب ملائکہ اسرافیل کو اس حال میں دیکھیں گے تو کہیں گے:

اللہ نے اہل ارض و اہل سماء کی موت کا حکم دیا ہے“

اسرافیل بیت المقدس کے پاس اتریں گے اور قید روکھڑے ہوں گے اور اہل زمین ان کو دیکھ کر کہیں گے: ”اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی موت کا حکم دیدیا ہے“ اسرافیل ایک پھونک ماریں گے جس سے صور کے زمین کی طرف والے رخ میں سے آواز پیدا ہوگی۔ پس زمین پر جتنے ذی روح ہوں گے وہ سب چیخ مار کر مر جائیں گے۔ پھر وہ دوسری مرتبہ پھونک ماریں گے تو اس رخ سے آواز بلند ہوگی جو آسمان کی طرف ہوگا۔ پس آسمان پر جتنے ذی روح ہوں گے وہ سب چیخ مار کر مر جائیں گے۔ تب اللہ تعالیٰ اسرافیل کو بھی حکم موت دے گا اور وہ بھی مر جائیگا۔ وہ سب اسی حال میں اتنے عرصے تک رہیں گے جب تک اللہ چاہے گا۔

پھر اللہ آسمانوں کو حکم دے گا تو وہ حرکت میں آئیں گے اور پہاڑوں کو حکم دے گا تو وہ چلنے لگیں گے۔ جیسا کہ قول ربانی ہے: ”جس دن آسمان حرکت کرے اور پہاڑ چلنے لگیں پھیلنے لگیں گے“ (سورہ طور - آیت ۹-۱۰)

پھر زمین بدل دی جائے گی۔ یعنی وہ ایسی زمین ہوگی جس پر گناہ نہ کیے گئے ہوں گے۔ وہ کھلی زمین جس پر پہاڑ ہوں گے نہ سبزی، بلکہ ابتدائی شکل پر ہوگی اور اللہ کا عرش پہلے کی طرح پھر پانی پر ہوگا۔

اقتدار صرف خدائے واحد کا ہے

اسی موقع پر خدائے جبار و قہار ایسی بلند آواز میں جو زمین و آسمان کے ہر گوشے میں سنی جاسکے گی، صدا بلند کرے گا کہ ”کہاں ہیں جبر و استبداد والے؟ کہاں ہیں حکومت و اقتدار والے؟ آج کس کا اقتدار ہے؟“

اس آواز قدرت کا جواب دینے والا کوئی نہ ہوگا۔ تب خدائے جبار و قہار خود ہی جواب دے گا: ”اقتدار صرف اللہ کے لیے ہے جو ایک ہے اور قہار ہے۔ میں نے تمام مخلوقات کو قہراً موت دی ہے اور میں ہی وہ اللہ ہوں کہ نہیں ہے کوئی عبادت کے لائق میرے سوا، نہ کوئی میرا شریک ہے نہ وزیر ہے۔ میں نے ہی اپنی مخلوقات کو پیدا کیا تھا۔ میں نے ہی اپنی مشیت سے سب کو ماردالا ہے اور میں ہی اپنی قدرت سے ان سب کو زندہ کروں گا۔“

نبی البلاغ میں ہے کہ ”وہ خالق حقیقی فناء مخلوقات کے بعد پھر تن تنہا رہ جائے گا۔ جیسے وہ تخلیق کائنات سے پہلے تھا۔ نہ کوئی وقت، نہ کوئی مکان، نہ آن نہ زمان، مدتیں اور اوقات، سال اور ساعات کچھ نہ ہوں گے۔ یعنی اس واحد قہار کے سوا جس کی طرف تمام امور کی بازگشت ہے کچھ نہ ہوگا۔ اشیاء کی خلقت خود ان کی قدرت سے نہ تھی۔ لہذا وہ اپنے لیے فنا کو بھی نہ روک سکیں، کیونکہ اگر وہ فنا کو روکنے پر قادر ہوتیں تو ہمیشہ ہی باقی رہتیں۔“

پھر جہاں تک دوسری پھونک یعنی دوبارہ زندگی کی پھونک کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”اور صور پھونکی گئی تو وہ سب کے سب اپنی قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف چل پڑیں گے“

(سورہ یس - آیت ۵۱)

علی ابن ابراہیم نے اپنی تفسیر میں امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: ”خدائے جبار و قہار جب دوبارہ

کارِ پزیرہ ہونا، یہ واقعات دونوں پھونکوں کے درمیان واقع ہوں گے۔ پھر چالیس دن تک تمام اقطارِ عالم میں شدید بارش ہوگی اور سب سے پہلے اللہ جس کو زندہ کرے گا وہ اسرافیل ہوں گے۔ تب وہ دوسری مرتبہ زندہ کرنے والا صور پھونکیں گے اور جسموں سے جدا ہونے والی روحوں اور ان کے متفرق اجزاء سے وہ کہیں گے: ”اے روحو، اے منتشر گوشت و پوست اور لے ڈلیو! آؤ سب سمٹ کے آؤ حساب کے لیے۔“

تب اللہ جل شانہ زمین کو حکم دے گا کہ زلزلوں کے ذریعے جو کچھ اس کے جوف میں ہے اسے نکال دے۔ ارشاد باری ہے:

”اور زمین نے اپنے بوجھ کو نکال دیا ہوگا“

(سورۃ زلزال - آیت ۲)

”جب صور پھونکی جائے گی تو سب کے سب اپنی قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف چل پڑیں گے۔“

(سورۃ یس - آیت ۵۱)

خلاصہ کلام یہ کہ متفرق و منتشر ذرات جمع ہوں گے اور ان میں اذنِ خدا سے روح پھونکی جائے گی تو ان واحد میں تمام لوگ اپنی قبروں سے نکل پڑیں گے۔ ارشاد باری ہے:

”نہیں ہے تمہارا پیداکرنا اور تمہارا اٹھانا، مگر ایک سانس کی مانند۔“ (سورۃ لقمان - آیت ۲۸)

اس وقت اہل ایمان فرحت و مسرت میں ہوں گے اور اپنے پروردگار کی حمد کر رہے ہوں گے، اس کے ایفاء و عہد پر جیسا کہ ارشاد باری ہے:

”وہ کہہ رہے ہوں گے کہ ساری حمد اللہ کے لیے ہے،“

صور پھونکے گا تو پہلے اس طرف سے آواز بلند ہوگی جو آسمان کی طرف ہوگی۔ اس آواز پر اہل سموات میں سے ہر ایک زندہ ہو کر کھڑا ہو جائے گا۔ حاملینِ عرش کو پھراٹھالیں گے اور جنت و جہنم سب پیش ہوں گے۔ پھر دوسری تمام خلائق زندہ کر کے حساب کے لیے جمع کی جائیں گی۔

راوی کہتا ہے کہ اس موقع پر میں نے امام علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ شدت سے رونے لگے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ ”پہلی اور دوسری نفعِ صور کے درمیان کتنا فاصلہ ہوگا؟“ تو امام نے فرمایا: ”چالیس برس کا۔“

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ”میں کینکر نعمتوں میں خوش ہو کر غافل ہو جاؤں، جب کہ صور پھونکنے والا اپنے منہ میں صور لیے تیار بیٹھا ہے اور سر جھکائے ہوئے حکم الہی پر کان لگائے ہوئے ہے کہ کب اسے صور پھونکنے کا حکم ملتا ہے۔“

لوگوں نے کہا: ”یا رسول اللہ! آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟“

آنحضرتؐ نے فرمایا: ”یہ کہتے رہو، ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین وکیل ہے۔“

بعض دوسری روایات میں ہے کہ وہ عجیب واقعات جن کا ذکر ہو چکا یعنی زلزلے، آفتاب کا وھندلانا، سمندرؤں کا امنڈ پڑنا اور پہاڑوں

لے سید جزائری: الانوار النعمانیہ صفحہ ۴۶۲-۴۶۳ طبع حجری۔
لے حوالہ سابق۔

رہے ہوں گے۔ ایک نہایت ہی وسیع فضا میں جہاں تمام لوگ خوف و ہراس اور اپنے کیے پر اضطراب و پریشانی کے عالم میں اکٹھے ہوں گے۔

عمر و بن معدی کرب کا واقعہ

عمر و بن معدی کرب شہ سواران عرب اور ان کے بہادروں میں سے تھا۔ وہ کئی ایک اسلامی غزوات و فتوحات میں بھی شریک ہوا۔ اس کے اسلام لانے کا واقعہ یوں بیان ہوا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس ہوئے تو عمر و آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پیغمبر خداؐ نے اس سے فرمایا: ”اے عمر و! مسلمان ہو جا تو اللہ تجھے فریضہ اکبر سے امان دے گا۔“

اس نے کہا: ”اے محمدؐ! یہ فریضہ اکبر کیا ہے؟ کیونکہ میں تو کوئی خوف نہیں کرتا۔“

نبی اکرمؐ نے فرمایا: ”وہ ایسا نہیں، جیسا کہ تم سمجھتے اور گمان کرتے ہو، لوگوں کو ایک نہایت شدید چیخ یا آواز سنائی دے گی، جس سے ہر مردہ جاگ اٹھے گا اور ہر زندہ مرجائے گا۔ سوائے ان کے جن کے لیے اللہ چاہے گا۔ پھر ایک دوسری چیخ یا آواز ہوگی تو جو مر گئے تھے وہ بھی زندہ ہو جائیں گے اور تمام کے تمام لوگ صاف بستہ ہو کر کھڑے ہوں گے آسمان پھٹ پڑے گا۔ زمین ہلنے لگے گی اور آگ کے شعلے پہاڑوں کی طرح بلند ہوں گے۔ اس وقت ہر ذی روح کا دل اچھل پڑے گا اور اسے اپنا دین یاد آنے لگے گا۔ اس موقع پر ہر ایک اپنے آپ میں مشغول ہو گا سوائے ان لوگوں کے جن کے بارے میں اللہ کچھ اور چاہے گا تو ایسے حالات میں تمہارا کیا حال ہو گا؟ اے عمر و!“

جس نے ہم سے یکے ہوئے وعدے کو سچ کر دکھایا۔“

(سورۃ زمر۔ آیت ۷۴)

جہاں تک بدکاروں کا تعلق ہے تو وہ حسرت و ندامت میں مبتلا ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے:

”ہائے ہماری خرابی! یہ ہمیں ہمارے مقدروں سے کس نے اٹھایا۔“

(سورۃ یس۔ آیت ۵۲)

تعقل قیامت

ہم بہت ہی کم یوم قیامت کا تعقل کرتے ہیں اور اسے ایک معمولی سا واقعہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت امر یہ ہے کہ پروردگار عالم اس دنیاوی عالم کا ذکر کرتے ہوئے جو کہ ہمارے نزدیک نہایت ہی وسیع اور اہمیت والا ہے، اسے لہو و لعب قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:

”حیات دنیا تو بس لہو و لعب ہے۔“

(سورۃ محمد۔ آیت ۳۶)

اور عالم آخرت کا ذکر وہ نبی عظیمؐ سے کرتا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے:

”یہ لوگ کس چیز کے بارے میں پوچھ گچھ کرتے ہیں؟

نبی عظیمؐ کے بارے میں؟“ (سورۃ نبار۔ آیت ۱-۲)

پس ہمارا فریضہ ہے کہ ہم قیامت کو امر عظیم کی حیثیت سے پہچانیں جبکہ اولین و آخرین جو ابتداء خلقت سے قیامت تک پیدا ہوئے ہونگے سب کے سب جمع ہوں گے تاکہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دیا جائے۔ وہ ایسی ساعت ہوگی جب لوگ مدہوش و حیرت زدہ ہو کر ڈمک جائیں گے۔

ہونے پھر جگہ سے زیادہ کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔ لوگ اس طرح ایک دوسرے سے ملے ہوئے کھڑے ہوں گے جیسے ترکش میں لہ تیر ہوتے ہیں۔ لوگ سینے میں شراپور ہو رہے ہوں گے۔ کوئی پنڈلیوں تک پسینے میں ہوگا، کوئی گھٹنوں تک، کوئی جانگھوں تک اور کوئی اس سے بھی زیادہ۔ لہ
علاوہ بریں دنیا کے برخلاف قیامت کے دن لوگوں کی شکلیں بھی ان کی برائیوں کے اثر سے متغیر اور بگڑی ہوئی ہوں گی۔ ارشاد باری ہے:

”جس دن صور پھونکا جائے گا، اس دن تم لوگ فوج در فوج آؤ گے“
(سورۃ نباء- آیت ۱۸)

اس آیت کی تفسیر کے بارے میں ”مجمع البیان“ میں ہے کہ معاذ ابن جبل نے پیغمبرؐ سے پوچھا تو حضورؐ نے فرمایا: ”اے معاذ! تم نے ایک عظیم امر کے بارے میں پوچھا ہے“ اس کے بعد آنحضرتؐ کی آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ پھر فرمایا: ”خدا میری امت کے لوگوں میں سے دس قسم کے لوگوں کو مسلمانوں سے الگ کر کے مختلف صورتوں میں محسور کرے گا۔“

لہ امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن لوگ رب العالمین کے حضور میں اس طرح کھڑے ہونگے جیسے ترکش میں تیر ہوتے ہیں دجا لالو (جلد ۷ صفحہ ۱۱۱)۔ لہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو اتنا پسینہ آئے گا کہ بعض کا پسینہ پنڈلی تک پہنچے گا۔ بعض کا گھٹنوں تک، بعض کا جانگھوں تک اور بعض کا دل تک۔ (کفایت الموحیدین جلد ۳ صفحہ ۳۳۶)۔

اس نے جواب دیا: ”میں تو بہت بڑی بات سن رہا ہوں“ پس وہ اور اس کی قوم کے دوسرے لوگ مشرف بہ اسلام ہو کر لوٹے، لہ قیامت کی خوفناک حالتیں

معلوم ہوا کہ قیامت کا دن وہ ہوگا جبکہ انسان کو دہشت و وحشت ہر جانب سے گھیرے ہوگی۔ دنیا میں کی ہوئی بد اعمالیوں کی وجہ سے جس سختی میں لوگ مبتلا ہوں گے اس کا اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ احادیث میں اس سے متعلق جو کچھ وارد ہوا ہے اس کے بیان کے لیے مستقل کتابوں کی ضرورت ہے۔ اس مختصر رسالے میں سب کی گنجائش نہیں البتہ اجمال و اختصار کے طور پر ہم تفسیر آیات اور احادیثِ معصومؑ سے کچھ اقتباس پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

زمین کی وضع قطع بدل دی جائے گی۔ وہ گرم ہو کر چٹیل میدان بن جائے گی جہاں نہ کوئی رکاوٹ ہوگی نہ کوئی سایہ ہوگا۔ لوگ ایک دوسرے کو دُور دُور تک دیکھ سکیں گے نہ کوئی پہاڑ ہوگا نہ کوئی ٹیلہ، بلکہ وہ روزِ اقل جس طرح بچھائی گئی تھی اسی طرح ہو جائے گی۔ لہ سخت گرمی اور پیاس سے کے باوجود وہاں کوئی سایہ نہ ہوگا اور کھڑے

لہ بحار الانوار جلد ۷ صفحہ ۱۱۰

لہ بحار الانوار جلد ۷ صفحہ ۱۱۰ میں امام زین العابدینؑ سے اس کی تفسیر یوں وارد ہوئی ہے کہ زمین ایسی ہوگی جس پر گناہ نہ کیے گئے ہونگے، نہ کوئی پہاڑ ہوگا نہ سبزہ لہ تفسیر صافی میں عیاشی کے حوالے سے امام محمد باقرؑ کا قول ہے کہ ”عذاب الہون“ سے مراد قیامت کے دن کی پیاس ہے۔

دلے ہوں گے اور وہ جو آتشیں جہنم میں ہوں گے وہ فخر و غرور کریں گے۔
ہوں گے۔

اس دن کی سختیوں میں سے ایک یہ بھی ہوگی کہ دنیا میں جو اعمال
فقیہ اور عقائد باطلہ لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہے ہوں گے وہ بھی
اس دن سب پر عیاں ہو جائیں گے۔ اللہ نے اس دن کا یہ وصف بیان
کیا ہے کہ ”جس دن پوشیدہ چیزیں ظاہر ہو جائیں گی“

انبیاء اور ملائکہ ایک جانب صفت بستہ ہوں گے اور عام خلایق
دوسری جانب ہوں گے۔ اہل جہنم میدان محشر میں اپنی اصلی حالت
پر لائے جائیں گے اور تمام لوگ ان کے جرائم کو دیکھیں گے۔ یہ کتنی
بڑی ذلت و نصیحت ہے! پھر سختیاں کرنے والے ملائکہ ان کا محاسبہ
کریں گے۔

محمد بن حنفیہ کا شافی نے ”عین الیقین“ میں لکھا ہے کہ شراب پینے
والا اس حال میں محسوس ہوگا کہ شراب کا ٹھکانا اس کی گردن سے اٹکا ہوگا اور
پیالہ اس کے ہاتھ سے چپکا ہوگا۔ اس کے جسم سے مردہ جانور کی بدبو سے
بھی زیادہ بدبو آ رہی ہوگی۔ ہر ایک اسے دیکھے گا کہ یہ شرابی ہے اور دیکھے
اس پر لعنت کرے گا۔ اسی طرح گانے بجانے والا اس حال میں لایا جائے
گا کہ آلاتِ طرب اس کے ہاتھ میں ہوں گے اور اس کے سر پر مار پڑ رہی ہوگی۔
غرضیکہ ہر عمل کریں والا اپنے عمل سے پہچانا جائے گا۔

”مجرموں کو ان کی علامتوں سے پہچانا جائے گا اور انہیں
بالوں اور پیروں سے کھینچا جائے گا“

(سورہ رحمن - آیت ۳۱)

کچھ لوگ بندر کی شکل میں ہوں گے، کچھ لوگ سور کی شکل میں ہوں گے۔
کچھ لوگ سر نیچے اور پاؤں اوپر اٹھے ہوئے ہوں گے اور اسی
حال میں کھینچے جا رہے ہوں گے۔ کچھ اندھے ہو کر ٹٹول رہے ہوں گے۔
کچھ گونگے بہرے منبوط الحواس ہوں گے۔ کچھ ایسے ہوں گے جو اپنی زبان
چبا رہے ہوں گے اور ان کے منہ سے پیپ بہہ رہا ہوگا۔ جسے دیکھ کر
دوسروں کو کھنسنے لگیں گی۔ کچھ ایسے ہوں گے جن کے ہاتھ پاؤں کٹے
ہوں گے۔ کچھ ایسے ہوں گے جنہیں آتشیں صلیب پر لٹکایا ہوا ہوگا۔ کچھ
ایسے ہوں گے جن کے بدن سے مردار کے بدن سے بھی زیادہ بدبو پھوٹ
رہی ہوگی اور کچھ ایسے ہوں گے جو جلتے ہوئے تار کول کے جیسے پہنے
ہوئے ہوں گے اور وہ لباس ان کے جسم سے چپکا ہوا ہوگا۔

وہ لوگ جو بندر کی شکل میں ہوں گے وہ چغلی کھانے والے ہوں
گے۔ وہ لوگ جو سور کی شکل میں ہوں گے وہ رشوتیں لینے والے ہوں گے۔
وہ لوگ جو اٹھے ہوئے ہوں گے وہ سود خوار ہوں گے۔ وہ جو اندھے ہوں
گے وہ اپنے فیصلوں میں ظلم و جور برتنے والے ہوں گے۔ وہ جو گونگے بہرے
ہوں گے وہ اپنے اعمال پر اترانے والے ہوں گے۔ وہ جو اپنی زبان چبالتے
ہوں گے وہ ایسے علماء اور قاضی ہوں گے جن کے اعمال ان کے اقوال
کے برخلاف تھے۔ وہ لوگ جن کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوں گے وہ اپنے
پڑوسیوں کو ذاتیں پہنچانے والے ہوں گے۔ وہ لوگ جو آتشیں صلیبوں
پر لٹکے ہوں گے وہ حکام کے پاس لوگوں کی ناحق شکایتیں کریں گے
ہوں گے۔ وہ لوگ جو مردار سے زیادہ بدبو دار ہوں گے وہ شہوات و لذات
میں مبتلا رہنے والے ہوں گے اور اپنے اموال میں سے اللہ کا حق نہ دینے

دل اچھل کر حلق تک آجائیں گے

اس دن خوف کے مارے دل اچھل کر حلق تک پہنچ رہے ہوں گے۔
نہ وہ نیچے جائیں گے نہ جسم سے باہر آئیں گے۔ اس طرح کوئی ذرا سی بھی
راحت نصیب نہیں ہوگی۔ رنج و غم اور شدتِ خوف سے یہ محسوس ہوگا جیسے
دل ان کے منہ میں آگئے ہوں۔ ارشادِ ربانی ہے:

”اور ڈرائیے ان کو بہت جلد آنے والے دن سے جبکہ دل
گلے کی ہنسیلوں کے پاس ہونگے اور ان کا منہ بند ہوگا“

(سورۃ غافر۔ آیت ۱۸)

اس روز خدا کی ہیبت سے لوگوں کی آوازیں پست ہوں گی۔ اگر فریاد
کریں گے تو کوئی شنوائی نہیں ہوگی۔ ارشادِ باری ہے:

”اور آوازیں رحمن کے خوف سے پست ہو چکی ہوں گی۔
لہذا سولے خفیف آواز کے تم کچھ اور نہ سنو گے“

(سورۃ طہ۔ آیت ۱۰۸)

اس دن کا وصف یوں بیان ہوا ہے:

”جس دن نہ کوئی مال کام آئے گا نہ بیٹے۔“

(سورۃ شعراء۔ آیت ۸۸)

اور یہ کہ:

”اس دن انسان فرارِ چاہے گا اپنے بھائی سے، اپنی
ماں سے، اپنی بیوی سے اور اپنے بچوں سے“

(سورۃ عیس۔ آیت ۳۴)

ان آیاتِ کریمہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا اپنے قریب ترین

عزیزوں سے بھی رشتہ ٹوٹ چکا ہوگا، ان بد اعمالیوں کی وجہ سے جو اس
سے دنیا میں سرزد ہوئی ہوں گی۔ لہذا ہر ایک کو بس اپنی فکر ہوگی، یہ جان کہ
کہ کوئی کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔ وہ اپنے عزیزوں سے بھانگنا چاہے گا،
اس خوف سے کہ وہ اپنے حقوق طلب کریں گے۔ مگر فقرا و مساکین سمیت
جن جن کے حقوق اس نے غصب کیے ہوں گے وہ اپنے حقوق کے بدلے
اس کی نیکیاں لے رہے ہوں گے اور اس کی برائیوں میں اضافہ ہوتا جائیگا۔
افسوس اس وقت کیا حال ہوگا جب کوئی شخص اپنی نیکیاں ایسے
دوسروں کے نامہ اعمال میں دیکھے گا جن کی اس نے غیبت کی ہوگی یا ان پر
کوئی ظلم کیا ہوگا اور کیا حال ہوگا جب مظلوم اس سے اپنا قصاص لینے کے
لیے اسے کھیر لیں گے۔

سب سے بڑی مصیبت اس دن یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اپنی نگاہِ لطیف
اس سے پھیر لے گا۔ اس کو سب کے سامنے رسوا کرے گا اور ملائکہ کو حکم
دیگا کہ وہ اسے پکڑ کر جہنم میں لے جائیں۔ جیسا کہ اس کا قول ہے:
”پکڑو اسے اور ہتھکڑی لگاؤ۔ پھر اسے جہنم میں جھونک دو
پیکھو۔ سلسلوں کی زنجیر میں باندھو“

(سورۃ حاقہ۔ آیت ۳۰-۳۲)

ابو حمزہ ثمالی کو تعلیم کردہ دعائیں اسی کیفیت کی جانب اشارہ
ہے۔ پس ان احوالِ قیامت پر غور کرو اور سوچو کہ کیا سوالات تم سے متعلق
ہو سکتے ہیں۔ موت آنے سے پہلے ہی اپنا محاسبہ اپنے آپ کر لو اور جو تقصیر
ہوئی ہو اس کا تدارک کرو۔ حقوق کے بارے میں دانہ دانہ ادا کرو اور
جس کسی کو بھی تمہاری زبان یا تمہارے ہاتھ سے کوئی نقصان پہنچا ہو

اس سے معافی طلب کرلو۔

ہمارے مولا امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے: اپنا محاسبہ خود کرلو، قبل اس کے کہ تم سے حساب لیا جائے اور اپنے اعمال کو خود تولو، اس سے پہلے کہ وہ میزان عمل میں تولے جائیں۔ ان لوگوں میں سے نہ بنو جو آج اس دنیا میں بہت خوش ہیں۔ لوگوں کی عزت و آبرو اپنی زبان سے لوٹتے ہیں اور دوسروں کا مال ناحق کھاتے ہیں تاکہ قیامت کے دن جب بساط عدل بچھے تو تمہارا غم و اندوہ بہت زیادہ نہ ہو اور اس دن تم فقیر عاجز کی مانند نہ رہو کہ نہ تمہارے پاس اداء حق کے لیے کچھ ہو نہ تمہارے پاس کوئی عندہ ہو۔

”ہرگز ہرگز اللہ کو غافل نہ سمجھنا ان چیزوں سے جنہیں ظالم کر رہے ہیں۔ اللہ تو انہیں اس دن کے لیے مہلت دے رہا ہے، جب آنکھیں چڑھی ہوں گی ذلت سے، ان کے سر جھکے ہوں گے۔ وہ نظر اٹھا کر دیکھ بھی نہ سکیں گے اور ان کے دل ہول رہے ہوں گے“

(سورۃ ابراہیم - آیت ۴۲-۴۳)

تقویٰ لباس قیامت ہے

لوگ جب اپنی قبروں سے نکلیں گے تو وہ برہنہ یا برہنہ جسم ہوں گے اور سب وحشت و دہشت کے عالم میں ایک ہی میدان میں جمع کیے جائیں گے۔

کتاب ”معالم الزلفی“ میں عیاشی کی سند سے امام جعفر صادق ؑ کا ارشاد ہے:

”جب قیامت کا دن ہوگا تو پروردگار عالم تمام لوگوں کو

ایک ہی میدان میں جمع کرے گا۔ اس حال میں کہ وہ برہنہ جسم برہنہ یا اور ابتدائی خلقت پر ہوں گے۔ پھر وہ کھڑے ہونگے تو پسینہ سر سے پاؤں تک ہوگا۔“

البتہ وہ لوگ جو دنیا میں صاحب تقویٰ رہے ہوں گے وہ میدان حشر میں لباس پہنے آئیں گے۔ اسی طرح وہ مومنین جو دنیا میں تو توبہ نہ کر سکے مگر عالم برزخ میں ان کے گناہوں کا کفارہ ہو گیا، وہ بھی لباس میں ہوں گے۔ پس تباہی و خرابی اس کے لیے ہے جو نہ دنیا میں متقی تھا نہ ایمان کی حالت پر مرا کہ برزخ میں اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا۔

تفسیر علی ابن ابراہیم قمی میں امام صادق علیہ السلام کا فرمان ہے کہ امیر المومنین ؑ نے جناب رسالتؐ سے اللہ کے اس قول کی تفسیر پوچھی:

”جس دن ہم صاحبان تقویٰ کو جمع کریں گے بارگاہ رحمن میں وفد در وفد“ (سورۃ مریم - آیت ۸۵)

تو آنحضرتؐ نے فرمایا:

”اے علیؑ! یہ وفد پیدل نہیں بلکہ سوار لاتے جائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اللہ سے تقویٰ اختیار کیا تو اللہ ان سے محبت کرنے لگا۔ انھیں اپنے سے مخصوص کر لیا اور ان کے اعمال سے راضی ہو گیا۔“

پھر آپ نے فرمایا: ”اے علیؑ! قسم ہے اس ذاتِ گرامی کی جس نے دلنے کو نشو و نما دی اور بے جان کو جاندار بنایا۔ وہ متیقن اپنی قبروں سے یوں نکلیں گے کہ ان کے چہرے نورانی ہونگے، ان کے جسم پر دودھ جیسے سفید

کپڑے ہوں گے اور پاؤں میں سنہری جھوٹے ہوں گے۔“ لے

حضرت آدمؑ سے نرکِ اولیٰ ہوا تو ان کے جسم سے کپڑے اتر گئے۔ چنانچہ وہ دونوں (یعنی آدمؑ و حوا) جنت کے پتوں سے اپنے کو ڈھانپنے لگے۔ لے رسولانی سے بچنے کے لیے۔ جب یہ نبی کا حال ہو تو گناہکاروں کا کیا حال ہوگا۔ جب وہ میدانِ حشر میں داخل ہوں گے اور ان کے لیے کوئی ستر نہ ہوگا اور وہاں ملائکہ مقررین اور انبیاء و مرسلین کے علاوہ دوسرے تمام لوگ بھی ہوں گے۔

ہمارے مولا امام زین العابدین علیہ السلام اپنے مقامِ عصمت و امامت کے باوجود، ماہِ رمضان کی سحر کے اوقات میں رو کیا کرتے تھے اور بارگاہِ ایزدی میں تضرع و عاجزی کے طور پر فرماتے تھے: ”میں روتا ہوں اس لیے کہ کہیں قبر سے عربیاں و ذلیل نہ اٹھوں“

پس ہم سب پر واجب ہے کہ ہم اس امامِ عظیم کی پیروی کرتے ہوئے سحر کے وقت بکا و دعا کے ذریعے بارگاہِ ایزدی میں تقرب حاصل کریں اور کوئی کوتاہی نہ کریں تاکہ اس کی رحمت ہمیں اپنے دامن میں لے لے۔

۵۰ ہزار سال کا دن

احادیثِ معصومین صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کا دن ۵۰ ہزار سال کے برابر ہوگا۔

لے کفایتہ الموحیدین جلد ۳ لے سورۃ اعراف - آیت ۲۲

ارشادِ ربانی ہے:

”ملائکہ اور روح اللہ کی طرف عروج کریں گے ایسے دن میں جس کی مقدار ۵۰ ہزار سال ہوگی“

(سورۃ معارج - آیت ۴)

اس دن پچاس موقف ہوں گے اور ہر موقف ہمارے دنیاوی حساب سے ہزار سال کا ہوگا۔ حالانکہ نہ یہ رفتارِ سیارگان ہوگی نہ دن رات ہونگے بلکہ یہ اندازہ وقت بعد و مسافت کے اعتبار سے ہے۔

یہ یومِ قیامت کو یومِ کھنا، باوجود اس کے کہ نہ آفتاب طلوع ہوگا نہ غروب ہوگا۔ غالباً اس امر کی جانب اشارہ ہے کہ وہاں تمام مخفی چیزیں اسی طرح ظاہر ہوں گی جیسے دنیا میں دن کو ظاہر ہوتی ہیں جبکہ رات کی سیاہی چھٹ جاتی ہے۔

یہ تو یومِ قیامت کی مدت کا ذکر ہوا۔ جہاں تک موافق کا تعلق ہے تو ان کی تعبیر دشوار گزار ٹیلوں سے کی گئی ہے۔ ارشادِ باری ہے: ”پس نہیں چڑھا وہ دشوار گزار ٹیلے پر“

(سورۃ بلد - آیت ۱۱)

اور مولائے کائنات امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں:

”اے لوگو! تمہارے سامنے ایک نہایت دشوار گزار پہاڑی راستہ ہے اور نہایت ہولناک منہریں ہیں جہاں سے تمہارے لیے گزرنا اور جہاں ٹھہرنا ضروری ہے۔ پس یا تو اللہ کی رحمت سے نجات پاؤ گے یا ایسی

ایسے واقف پر ٹھہرایا جائے جن میں سے ہر ایک موقف پر ٹھہرنا تمہارے حساب کے مطابق ہزار سال ہوگا۔ پھر آپ نے آیت کی تلاوت فرمائی: ”اس دن میں جس کی مقدار ۵۰ ہزار سال کی ہوگی۔“

(بخاری الانوار جلد ۷ صفحہ ۱۲۶)

اور علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: ”بعید نہیں کہ اکثر کفار کا میدان قیامت میں ٹھہرنا ہزار سال کا ہو اور ان میں سے کچھ ۵۰ ہزار سال کے لیے ٹھہرائے جائیں۔ ان کے برخلاف کچھ مومنین محض ایک ساعت کے لیے ٹھہریں گے اور کچھ اس سے زیادہ کے لیے اپنے اعمال و حالات کے اعتبار سے۔“

(بخاری الانوار جلد ۷ صفحہ ۱۲۸)

لکھنے والے دو فرشتے

وہ امور جن کا ہم اعتقاد رکھتے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان نیکی و بدی میں سے جو کچھ بھی کرتا ہے اس کو دو فرشتے لکھتے رہتے ہیں جو اس کام کے لیے مقرر ہیں، البتہ ہم یہ نہیں جانتے کہ وہ کیسے لکھتے ہیں۔ یہ ان امور میں سے ہے جنہیں ہم نبی کریمؐ اور ائمہ طاہرینؑ علیہم السلام کے ارشادات کی روشنی میں جانتے اور مانتے ہیں ان کی کیفیتیں ہمیں نہیں معلوم۔

بہر طور یہ دونوں فرشتے ہر انسان کی نیکی و بدی کو لکھتے ہیں اور کسی بھی عمل کو ترک نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ نیتوں اور ارادوں کو بھی لکھتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”جو بات بھی وہ زبان سے نکالتا ہے اس کے پاس تیار محفوظ موجود ہوتے ہیں۔“ (سورہ ق۔ آیت ۱۸)

ہلاکت میں پڑو گے جس کے بعد کوئی تلافی نہ ہوگی۔“

شیخ مفید علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ ”عقبات سے مراد وہ اعمال واجبیہ ہیں جن کے بارے میں ٹھہرا کر پوچھا جائے گا۔ پس ہر عقبہ (یعنی دشوار گزار پہاڑی راستہ) کسی امر یا نہی کے نام سے موسوم ہوگا۔ اگر کوئی اس کی بجا آوری میں قصور و ایریا گیا تو وہ اس سے ٹھہرا کر مطالبہ دواخواہ کیا جائے گا۔ پس اگر کوئی عمل صالح ہوا تو اللہ کی رحمت سے نجات پا کر آگے بڑھ جائے گا۔“

چنانچہ ان عقبات میں سے مثلاً ایک کا نام نماز ہے، دوسرے کا امانت ہے، تیسرے کا رحم اور چوتھے کا ولایت ہے جہاں تمام لوگوں کو ٹھہرا کر ولایت امیر المومنین و ائمہ طاہرین علیہم السلام کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ جس کے پاس یہ دولت ہوئی اسے نجات ملے گی اور جس کے پاس نہ ہوئی وہ ہلاکت سے دوچار ہوگا۔ اس پر دلیل اللہ کا یہ قول ہے: ”اور ٹھہراؤ انہیں کہ ان سے سوال کیا جائے گا۔“

(سورہ صافات۔ آیت ۲۴)

ان عقبات میں سے ایک نہایت اہم وہ عقبہ ہوگا جس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”یقیناً آپ کا پروردگار تاک میں ہے۔“ (سورہ فجر۔ آیت ۱۴)

پروردگار فرمائے گا: ”میری عزت و جلالت کی قسم کوئی ظالم بچ کر نہیں جاسکتا۔“

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ”اے لوگو! اپنے نفس کا محاسبہ خود ہی کرلو۔ اس سے قبل کہ تمہیں محاسبہ و جوابدہی کے لیے ۵۰

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کو ”کراماً کاتبین“ کہا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:

”معرز لکھنے والے جو جانتے ہیں ہر اس کام کو جو تم کرتے ہو“
(سورہ انفطار - آیت ۱۲)

امام علیہ السلام سے ان فرشتوں کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ نینتوں کو کیسے جانتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ”جب کوئی آدمی خیر کی نیت کرتا ہے تو اس کے منہ سے خوشبو آتی ہے اور جب کوئی شر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے منہ سے بدبو آتی ہے۔ پس فرشتے جان لیتے ہیں۔“

بعض روایات سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جب کوئی بندہ اپنے گناہ سے توبہ کرتا ہے تب اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے لکھنے والے فرشتوں کو وہ گناہ بھلا دیتا ہے جو وہ لکھ چکے تھے اور اس کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔ اس سلسلے میں چند روایات درج ذیل ہیں:

۱۔ ابو بصیر سے روایت ہے کہ امام صادقؑ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ پر یہ وحی نازل کی: اے داؤد! جب میرا ایک من بندہ کسی گناہ کا مرتکب ہوتا ہے، پھر اس سے توبہ کر لیتا ہے اور جب اس کا تذکرہ ہوتا ہے تو وہ مجھ سے شرماتا ہے۔ تب میں اس گناہ کو معاف کر دیتا ہوں۔ لکھنے والے فرشتے کو بھلا دیتا ہوں اور اس گناہ کو نیکی میں بدل دیتا ہوں۔ ایسا کرنے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ میں سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہوں۔“ (بخاری الانوار جلد ۶ باب توبہ)

۲۔ معاویہ بن وہب سے روایت ہے کہ: میں نے امام جعفر صادقؑ

کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جب کوئی بندہ مومن خالص نیت سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتا ہے اور دنیا و آخرت میں اس کے گناہوں کو ڈھانپ دیتا ہے۔ تب امامؑ سے اس کی کیفیت کے متعلق پوچھا گیا تو ارشاد ہوا: گناہ لکھنے والے فرشتے اس کے جو گناہ لکھ چکے تھے وہ ان کو بھلا دیے جاتے ہیں۔ اس بندہ کے اعضاء بدن کو اس کے گناہ چھپانے کا حکم دیا جاتا ہے اور زمین پر اس نے جو عمل بد کیا، اس کو بھی اس کے چھپانے کا حکم دیا جاتا ہے۔ پھر وہ بندہ اللہ پاک سے اس وقت ملاقات کرتا ہے جب اس کے گناہ کی گواہی دینے والا کوئی بھی نہیں ہوتا۔ (بخاری الانوار جلد ۶ باب توبہ)

۳۔ مسعودی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: امیر المؤمنین امام علیؑ نے فرمایا: ”جو بندہ توبہ کرے، اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔ وہ اس کے اعضاء بدن کو اس کے گناہ چھپا لینے کا حکم دیتا ہے، زمین کو بھی اس کے گناہ چھپا لینے کا حکم دیتا ہے اور لکھنے والے فرشتے اس کے جو گناہ لکھ چکے تھے، وہ بھی ان کو بھلا دیتا ہے۔“

(بخاری الانوار جلد ۶ - باب توبہ)

مذکورہ بالا احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو فرشتے ہر انسان کے احوال کو لکھتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کبھی کبھی انسان پر مہربان ہو کر فرشتوں کو اس کے وہ گناہ بھلا دیتا ہے جو انھوں نے لکھے تھے بشرطیکہ انسان توبہ استغفار کرے یا اس قسم کا عمل بجالائے جو گناہ کو مٹا دینے کا موجب ہو۔

یہ اللہ تعالیٰ کے الطاف میں سے ہے کہ جب کوئی بندہ کسی نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو اس ارادے پر ایک نیکی اس کے لیے لکھ لیتا ہے پھر جب وہ اس پر عمل کرتا ہے تو اس کے بدلے میں اس کے لیے دس نیکیاں

تھے اور سنسی مذاق میں مشغول تھے۔ جناب امیرؒ نے ان سے فرمایا: ”کیا یہ بہتر ہے کہ تمہارے نامہ اعمال میں ایسی باتیں لکھی جائیں؟“ انہوں نے کہا: ”کیا اس طرح کی باتیں بھی نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہیں؟“

امامؒ نے فرمایا: ”ہاں! یہاں تک کہ ہر سانس لکھی جاتی ہے۔“ یہ بھی احادیث میں وارد ہوا ہے کہ ہر دوشنبہ و پنجشنبہ کو لوگوں کے اعمال نبی کریمؐ اور ائمہ اطہار علیہم السلام کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”(اے رسولؐ!) کہہ دیجیے کہ تم لوگ عمل کرو کہ عنقریب تمہارے عمل کو اللہؐ رسولؐ اور مومنین دیکھیں گے“

(سورہ توبہ - آیت ۱۰۵)

اس بنا پر جب کسی بندہ خدا سے کوئی ذرا سی بھی نیکی ہوتی ہے۔ مثلاً مسلمانوں کے راستے سے کسی ٹھوکر لگنے والے پتھر کو ہٹا دینا، تو وہ بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھ لی جاتی ہے تو بڑے بڑے اعمالِ حسنہ کیسے نہ لکھے جائیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”یقیناً نیکی کا روں کا نامہ اعمال علیین میں ہے“

(سورہ المطففین - آیت ۱۸)

اور یقیناً بدکاروں کا نامہ اعمال سجین میں ہے۔“

(سورہ المطففین - آیت ۱۸)

پس جس کو اس کا نامہ اعمال اس کے دانے ہاتھ میں دیدیا گیا، وہ کہے گا: ”آؤ (لوگو!) پڑھو میرے نامہ اعمال کو۔ میں نے گمان کیا

لکھی جاتی ہیں۔ لیکن جب وہ کسی برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے اس وقت تک نہیں لکھا جاتا جب تک وہ اس پر عمل نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”جو نیکی لے کر آئے تو اس کے لیے اس کے مثل دس نیکیاں ہیں اور جو برائی لائے تو اس کو بس ایک ہی برائی کا بدلہ ملے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔“

(سورہ النعام - آیت ۱۶۱)

پھر یہ بھی اللہ تعالیٰ کا مزید لطف و کرم ہے کہ جب کوئی بندہ خدا برائی کرتا ہے تو وہ فرشتہ جس کا نام رقیب ہے۔ اس فرشتے سے جس کا نام عقید ہے کہتا ہے: ”اے ہمت دو، شاید کہ یہ نادم ہو کر توبہ کرے“ پس اسے سات ساعتوں یا اس سے زیادہ دیر کی ہمت دی جاتی ہے۔ اگر وہ اس کے بعد بھی توبہ نہیں کرتا تو فرشتے آپس میں کہتے ہیں: ”یہ بندہ خدا اپنے رب سے جیا نہیں کرتا۔“ تب وہ برائی اس کے نامہ اعمال میں لکھ دی جاتی ہے اور دوسری حدیث میں ہے: ”طوبیٰ ہے اس کے لیے جو اپنے نامہ اعمال میں ہر گناہ کے نیچے لکھا ہوا پائے اس نے اللہ سے توبہ کر لی۔“

شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب عقائد میں لکھا ہے:

”مولائے کائنات امیر المومنین علیہ السلام ایک روز نوجوانوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے۔ وہ آپس میں لغویاتیں کر رہے

۱۔ اصول کافی جلد ۴ صفحہ ۱۴۳ علاوہ بریں باب توبہ میں مزید حدیثیں اسی قسم کی آئیں گی۔

تھا کہ اپنا حساب دیکھوں گا۔ پس وہ شخص پسندیدہ زندگی میں ہوگا جنت عالیہ میں جس کے پھل بہت جھکے ہوئے قریب ہوں گے۔ ان لوگوں سے کہا جائے گا:

”کھاؤ پیو مبارک ہوں تمہیں ان اعمال کے بدلے

جنہیں تم نے اپنی فرصت کے دنوں میں کر لیا تھا“

(سورۃ حاقہ - آیت ۲۴ تا ۲۹)

خاتمہ

وہ لوگ جو فزع اکبر سے محفوظ رہیں گے

آگاہ ہو کہ کچھ لوگ قیامت کے ہولناک ترین خوف سے محفوظ رہیں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو ان اچھی خصلتوں سے منصف ہوں گے جن کا حکم شریعت مطہرہ نے دیا ہے۔ مثلاً امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ”جو کسی غمزدہ مومن کی اس کی مصیبت کے وقت فریادرسی کرے، اس کا غم و کرب دور کرے اور اس کی حاجت پوری کرے تو اس کے بدلے میں اس کے لیے ستر رحمتیں ایسی ہوں گی جو اسے قیامت کے خوفناک احوال سے بچائیں گی۔“

علاوہ بریں احادیث معصوم سے جن اور خصلتوں کا پتا چلتا ہے وہ یہ ہیں: صاحب ایمان بزرگ کی توقیر کرنا، حرم میں مدفون ہونا، حرمین (مکہ و مدینہ) میں سے کہیں وفات پانا، مومن کی قبر پر ہاتھ رکھ کر

کیا میں تمہیں اس نیکی کی خبر نہ دوں کہ جو اسے پیش کرے گا، اللہ اس کو اس کی جزا کے طور پر جنت میں داخل کر دے گا اور اس بدی کے بارے میں نہ بتاؤں کہ جو اسے پیش کرے گا، اللہ اس کو اس کے بدلے میں اوندھے منہ جہنم میں ڈال دے گا اور اس کا کوئی عمل قبول نہ کریگا؟“ میں نے عرض کیا: ”یا امیر المؤمنینؑ ضرور بتائیے۔“

جناب امیرؑ نے فرمایا: ”وہ نیکی ہماری محبت ہے اور وہ بدی ہم سے بغض و عداوت ہے۔“ لہ

اور حافظ ابو نعیم نے معتبر سند کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے اپنے آباؤ اجداد میں سے اس آیت ”یقیناً اس دن تم لوگوں سے نعمت کے بارے میں پوچھا جائے گا“ کی تفسیر میں فرمایا: ”نعمت سے مراد امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالبؑ کی ولایت ہے۔“ لہ

علامہ قندوزی ہی نے حاکم ابن احمد بیہقی کی سند سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ راوی نے کہا: ہم لوگ ایک دن امام علی بن موسیٰ رضاؑ کی خدمت میں تھے تو ان سے بعض فقہاء نے کہا: ”آیت (مذکورہ بالا) میں لفظ ”نعیم“ (یعنی نعمت) سے مراد ٹھنڈا پانی ہے۔“ تو آپ نے بلند آواز میں فرمایا: ”تم لوگوں نے اس کی اس طرح تفسیر کی ہے۔ کسی نے ٹھنڈا پانی کہا، کسی نے اسے نیند قرار دیا اور کسی نے اس کو اچھا کھانا سمجھا۔ مگر مجھ سے میرے پدر بزرگوار نے حضرت جعفر ابن محمدؑ

لہ و لہ سفینۃ البحار جلد ۲ صفحہ ۳۶۰

سات مرتبہ سورہ القدر پڑھنا، فحاشی و شہوت رانی کا موقع ملنے کے باوجود خوف خدا کرتے ہوئے ان سے اجتناب کرنا، دوسروں کے بجائے اپنے آپ کو ناپسند کرنا اور مکہ مکرمہ کی راہ میں جاتے یا آتے ہوئے وفات پانا۔ حضرت موسیٰ ابن عمران علیہ السلام نے اپنی مناجات میں کہا: ”میرے معبود! اس شخص کے لیے کیا جزا ہے جس کی آنکھیں تیرے خوف میں اشک آلود ہوں؟“ تو ارشاد ہوا: ”موسیٰ! میں اس کے چہرے کو آتش جہنم کی گرمی سے بچاؤں گا اور سب سے بڑے خوف کے دن اسے امن دوں گا۔“ لہ

حب اہل بیتؑ فزع اکبر سے بچانی ہے

وہ چیزیں جو فزع اکبر سے نجات دلانے والی ہیں ان میں اہم ترین چیز اہل بیت رسولؑ کی محبت ہے۔ انہی حضرات کی محبت وہ نیکی ہے جس کے بارے میں ارشاد باری ہے:

”جو نیکی پیش کرے اس کے لیے اس سے بڑھ کر جزا ہے اور وہ لوگ اس دن کے خوف سے امان میں ہوں گے اور جو برائی کرے گا تو ان لوگوں کے منہ آگ میں اوندھا دیے جائیں گے۔“ (سورہ نمل - آیت ۸۹)

عبید اللہ ابن عبد اللہ حاکم حسانی نے ”شواہد تنزیل“ میں ابو عبد اللہ الجدی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں امام علی بن ابی طالبؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: ”اے ابو عبد اللہ!

لہ و لہ سفینۃ البحار جلد ۲ صفحہ ۳۶۰

علامہ بریں علامہ قندوزی نے دلیلی کی کتاب ”الفردوس“ سے حضرت ابو سعید خدری کی یہ روایت بھی لکھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت ”اور ٹھہراؤ ان کو کہ ان سے پوچھا جائے گا“ کی تفسیر میں فرمایا: ”لوگوں سے ولایت علی ابن ابی طالب کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ (بینایع المودۃ صفحہ ۱۱۲)

نیز یہ آیتیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ محبت اہل البیت روزِ قزع اکبر سے امان دلانے والی چیز ہے۔ ارشاد باری ہے:

”یقیناً وہ لوگ جن کو ہماری طرف سے پہلے ہی نیکی مل چکی ہوگی وہ اس عذاب سے دور رہیں گے“

(سورۃ انبیاء - آیت ۱۰۰)

اور یہ کہ :

ان لوگوں کو قزع اکبر سے کوئی حزن و غم نہ ہوگا۔

(سورۃ انبیاء - آیت ۱۰۳)

حاکم حسکانی نے کہا مجھ سے بیان کیا ابو الحسن فارسی نے، ان سے ابو جعفر محمد ابن علی فقیہ نے، ان سے ان کے والد نے، ان سے سعد ابن عبد اللہ نے، ان سے احمد ابن محمد ابن خالد نے قاسم ابن یحییٰ سے انہوں نے اپنے جد حسن ابن راشد سے، انہوں نے حضرت جعفر ابن محمد سے اپنے آباء طاہرین کے حوالے سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”اے علی! یہ آیت تمہارے اور تمہارے دوستوں کے حق میں نازل ہوئی ہے: یقیناً وہ لوگ جن کو ہماری طرف سے پہلے ہی نیکی مل چکی ہوگی وہ اس عذاب سے دور رہیں گے“

سے روایت کی ہے کہ جب ان کی خدمت میں اس قسم کے اقوال ذکر کیے گئے تو آپ غضبناک ہوئے اور فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ان چیزوں کے بارے میں نہیں پوچھے گا جن کو اس نے بطور تفضل انہیں عطا کر دیا ہے۔ نہ وہ ان چیزوں کا ان پر احسان جتائے گا۔ ایسا کرنا تو مخلوقین کے لیے بھی نازیبا ہے تو خالقِ عالم جلّت عظمتہ، ایسی بات کو اپنے لیے کیسے پسند کر سکتا ہے؟“ نعیم سے مراد تو درحقیقت ہم اہل البیت سے محبت و موالات رکھنا ہے جس کے بارے میں اللہ توحید و نبوت کے بعد سوال کرے گا کیونکہ اگر کوئی بندہ خدا ان تمام چیزوں (یعنی توحید، نبوت و محبت و موالات اہل البیت) کو پورا کرے گا تو یہ چیزیں اسے نعیم جنت کا حقدار بنا دیں گی جو کبھی زائل نہیں ہوگی۔ مجھ سے میرے پدر بزرگوار حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام نے بیان کیا کہ مجھ سے میرے پدر بزرگوار حضرت جعفر صادقؑ نے اپنے پدر بزرگوار حضرت محمد باقرؑ سے انہوں نے حضرت علی زین العابدینؑ سے، انہوں نے حضرت امام حسینؑ سے، انہوں نے حضرت علی ابن ابی طالبؑ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”اے علی! ہر بندہ خدا سے اس کی موت کے بعد سب سے پہلے ان گواہیوں کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اللہ کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں، محمد اللہ کے رسول ہیں اور اس تم مومنین کے ولی ہو۔ پس جس نے ان گواہیوں کا اقرار کیا اور اس کے عقیدے میں یہ باتیں ہوئیں تو وہ اس نعمتِ خداوندی کی طسرف جائے گا جس کو کبھی زوال نہیں“ علامہ قندوزی نے ایسی ہی حدیثیں امام محمد باقرؑ اور امام موسیٰ کاظمؑ سے بھی نقل کی ہیں۔ (بینایع المودۃ صفحہ ۱۱۱ - ۱۱۲)۔

اور علیؑ کا گھر ایک ہی ہوگا۔“ (ینایع المودۃ صفحہ ۱۹۶)
حافظ ابن مغازی شافعی نے اپنی کتاب ”مناقب علی بن ابیطالب“
(صفحہ ۳۱۶ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ طہران) میں لکھا ہے:
”ہمیں خبر دی احمد ابن محمد ابن عبد الوہاب نے بطور اجازہ کہ
ابو احمد عمر ابن عبد اللہ ابن شاذب نے ان لوگوں کو خبر دی اور کہا ہم سے
بیان کیا عثمان ابن احمد دقاق نے، انہوں نے کہا ہم سے بیان کیا محمد ابن
احمد ابن ابی العوام نے، انہوں نے کہا ہم سے بیان کیا ابن الصباح
دولابی نے، انہوں نے کہا ہم سے بیان کیا حکم ابن ظہیر نے سندی کے
حوالے سے کہ اس آیت ”جو نیکی کا اکتساب کرے الخ“ میں نیکی سے مراد
آل رسولؐ سے مودت ہے۔“

ابن حجر مکی بیہقی نے اپنی کتاب ”الصواعق المحرقة“ (صفحہ ۱۱۶
مطبوعہ مکتبہ القاہرہ) میں اس آیت: ”وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں
نے اعمال صالح کیے وہی خیر البریہ ہیں“ کی تفسیر میں لکھا ہے: حافظ
جمال الدین زرنندی نے حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے روایت
کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے حضرت علیؑ سے فرمایا: ”اس سے مراد تم اور تمہارے شیعہ ہیں۔ تم اور
تمہارے شیعہ قیامت کے دن راضی و پسندیدہ ہو کر آؤ گے۔ جبکہ تمہارے
دشمن مغضوب و مقید آئیں گے۔“

حضرت علیؑ نے پوچھا: ”میرے دشمن کون ہوں گے؟“
آنحضرتؐ نے فرمایا: ”جو تم سے تبرا کرینگے اور تم پر لعنت کریں گے“
نیز اسی کتاب کے صفحہ ۱۴۹ پر وہ اس آیت: ”اور ٹھہراؤ“

اور اسی سند مذکور سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے فرمایا: ”اے علیؑ! یہ آیت تمہارے اور تمہارے دوستوں کے حق میں
نازل ہوئی ہے؟“ ان لوگوں کو فزع اکبر سے کوئی غم نہ ہوگا۔“ دوسرے
لوگ موقف قیامت میں گھڑے حساب دے رہے ہوں گے اور تم لوگ
جنت میں لطف اندوز ہو رہے ہو گے۔ (شواہد التنزیل جلد ۱ صفحہ ۳۸۲/۳۸۳)
اس آیت کی تفسیر میں کہ:

”جو نیکی کا اکتساب کرے ہم اس کی نیکی میں اضافہ
کرتے ہیں۔“ (سورۃ شوریٰ - آیت ۲۳)

حافظ قندوزی حنفی نے ینایع المودۃ میں ثعلبی کے حوالے سے
حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ”نیکی کمانے سے مراد
آل رسولؐ سے مودت رکھنا ہے۔“ یہی تفسیر ایک دوسری روایت سے بھی
مروی ہے۔ (ینایع المودۃ صفحہ ۱۱۸ مکتبہ بصیرتی)

اسی کتاب میں ہے کہ ثعلبی نے جابر جعفی کی سند سے امام محمد باقر
علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم سے اس ارشاد باری تعالیٰ کے بارے میں پوچھا گیا: ”وہ لوگ
جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے اعمال کیے ان کے لیے طوبیٰ اور بہترین
انجام ہے۔“ (سورۃ رعد - آیت ۲۹) تو آنحضرتؐ نے فرمایا: طوبیٰ جنت
میں ایک درخت ہے جس کی اصل میرے گھر میں ہوگی اور اس کی شاخیں
اہل جنت پر سایہ فگن ہوں گی۔“

لوگوں نے کہا: ”یا رسول اللہؐ! ہم نے پہلے پوچھا تھا تو آپؐ نے
فرمایا تھا: اس کی اصل علیؑ کے گھر میں ہوگی۔“ تو آپؐ نے فرمایا: ”میرا گھر

ان کو ان سے پوچھا جائے گا۔“ کے بارے میں لکھتے ہیں: ”ولایت علیؑ کے بارے میں پوچھا جائے گا۔“

اسی روایت کو حسکانی نے اسی آیت کی تفسیر میں حضرت ابوسعید خدری اور دوسرے حضرات کی سند سے لکھا ہے۔

(شواہد التنزیل جلد ۲ صفحہ ۱۰۶)

نیز حسکانی نے اصمغ ابن نباتہ کے حوالے سے حضرت علیؑ علیہ السلام کا یہ قول اس آیت ”یقیناً جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ سیدھے رستے سے منحرف ہیں“ کے بارے میں لکھا ہے کہ ”وہ میری ولایت سے منحرف ہیں۔“

(شواہد التنزیل جلد ۱ صفحہ ۴۰۲)

حُبِّ اہلبیت قیامت میں خوف سے امان دلائیوالی ہے

جہاں تک ایسی احادیث کا تعلق ہے جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ اہلبیت علیہم السلام کی محبت قیامت کے دن خوفناکی سے امان دلائیوالی ہے تو وہ شیعہ و سنی سلسلہ ہائے سند میں بہت بڑی تعداد میں ہیں۔ ان میں سے اہم ترین احادیث مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: ایک دفع ہم نے حضرت رسولؐ سے حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے ناراض ہو کر فرمایا: کیا ہو گیا ہے ان لوگوں کو کہ یہ اس آدمی کے متعلق پوچھ رہے ہیں جس کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک میرے جیسا اور عہدہ بھی میرے جیسا ہے بدون نبوت کے۔ آگاہ ہو جاؤ کہ جس نے علیؑ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی، جس نے مجھ سے محبت کی اللہ اس سے خوش اور جس سے اللہ خوش ہو گا اس کا بدلہ جنت ہے۔ یہ بھی جان لو کہ جس نے علیؑ سے دوستی کی فرشتے اس کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں اور اس کے لیے

جنت کے سارے دروازے کھول دیے جاتے ہیں کہ وہ جس دروازہ سے چاہے بدون حساب داخل جنت ہو جائے۔ حضور اکرمؐ نے یہ بھی فرمایا: جو علیؑ سے محبت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیگا اور اس سے انبیاء کی طرح حساب لیا جائے گا۔ جو علیؑ سے محبت کرے اس کو دنیا ہی میں آب کوثر اور طوبیٰ درخت کا پھل نصیب ہو گا۔ نیز وہ جنت میں ملنے والا اپنا اعلیٰ مکان بھی دیکھے گا۔

جو علیؑ سے محبت کرے، اس کو حالت نزع میں آسانی ہوگی اور اس کی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں تبدیل کر دی جائے گی۔ جو علیؑ سے محبت کرے، اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے بدن کی ہر رگ کے عوض اسے ایک حور عطا کرے گا۔ وہ اپنے خاندان کے ۸۰ افراد کی سفارش کرے گا اور خدا اس کے جسم کے ہر بال کے عوض جنت میں اسے ایک باغ دے گا۔ جس نے علیؑ کا مرتبہ پہچانا اور ان سے محبت کی، اللہ تعالیٰ اس کے پاس ملک الموت کو اس طرح بھیجے گا جس طرح اس کو انبیاء کے پاس ناز و نعمت دیکر بھیجتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو منکر و نکیر کی خوفناک شکلوں پر نظر کرنے سے بچائے گا۔ اس کی قبر کو منور کرے گا۔ اس کی قبر کو مئیں سال کی مسافت تک کشادہ کر دے گا اور قیامت کے دن اس کا چہرہ چمکتا ہو گا۔ جو علیؑ سے محبت کرے، اللہ تعالیٰ اس کو صدیقین، شہداء و صالحین کے ساتھ اپنے عرش کے سایہ میں محصور کرے گا اور اس کو قیامت میں خوف خطر سے نجات ملے گی۔

جو علیؑ سے محبت کرے اللہ تعالیٰ اس کی نیکیاں قبول کرے گا۔ جو علیؑ سے محبت کرے اللہ تعالیٰ اس کے دل میں حکمت کا نور بھر دے گا۔ اس

کافر ہو کے مرا اور جس نے آلِ محمدؐ کی دوستی دل میں رکھے ہوئے موت پائی وہ مومن مرا اور میں جنت میں اس کا سر پرست ہوں گا۔“

(بحار الانوار جلد ۲ باب جہنم و لغزہم و ولایتہم)

۲۔ امام صادقؑ اپنے آباءِ طاہرینؑ سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا: اے علیؑ! جس وقت میری امت مٹی کے ذرات کی صورت میں میرے سامنے آئی تو میں نے ان کے چھوٹے بڑوں کی رحیمیں اجسام میں داخل ہونے سے پہلے ہی دیکھ لیں۔ پھر جب تمہارے اور تمہارے شیعوں کے سامنے سے میرا گزر ہوا تو میں نے تم سب کے لیے طلبِ مغفرت کی تھی۔ امام علیؑ نے عرض کی: یا رسول اللہؐ! اس بارے میں کچھ اور بھی بتائیے۔

تب حضورؐ نے فرمایا: اے علیؑ! تم اور تمہارے شیعہ جب قبروں سے نکلیں گے تو سب کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح منور ہوں گے۔ تم لوگوں کے دکھ درد دور ہو جائیں گے اور تم سب کو عرش کے سایہ میں آرام کی جگہ دی جائے گی۔ اس وقت دوسرے لوگ خوف کی حالت میں ہوں گے۔ مگر تم لوگ بے خطر ہو گے، دوسرے لوگ غم کے عالم میں ہوں گے لیکن تم لوگ بے غم ہو گے اور تمہارے لیے دسترخوان بچھائے جائیں گے، جبکہ دوسرے لوگ اعمال کے حساب میں پھنسے ہوں گے۔

(بحار الانوار جلد ۶۸ باب فضائل الشیعہ)

۳۔ امالی شیخ صدوقؒ میں ابو عبد اللہ جہلی سے روایت ہے کہ امام علیؑ نے مجھ سے فرمایا: اے عبد اللہ! کیا میں تم کو وہ نیکی بتاؤں کہ جس نے یہ نیکی کی وہ قیامت کے دن خوف و خطر سے محفوظ ہو گیا۔ پھر اسی طرح تم کو وہ برائی نہ بتاؤں کہ جس نے یہ برائی کی اللہ تعالیٰ اس کو

کی زبان پر اچھی باتیں جاری کرے گا اور اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دے گا۔ جو علیؑ سے محبت کرے زمین میں اس کو اللہ کے ملوک کا لقب نصیب ہوگا اور خدا سارے فرشتوں کے سامنے اپنے اس بندے پر فخر کرے گا۔ جو علیؑ سے محبت کرے اس کو عرش کے نیچے سے ایک فرشتہ آواز دیتا ہے: اے بندہ خدا! اپنے عمل کو تازہ دکھو، بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے سارے گناہ معاف فرمادیے۔

جو علیؑ سے محبت کرے وہ قیامت میں ایسا روشن چہرہ لیکر حاضر ہوگا جیسے چودھویں رات کا چاند ہو۔ جو علیؑ سے محبت کرے اس کے سر پر اللہ تعالیٰ بزرگی کا تاج رکھے گا۔ اس کو عزت کی چادر پہنائی جائے گی جس نے علیؑ سے محبت کی وہ پل صراط سے بجلی کی طرح ایک دم پار ہو جائے گا اور اس کو کسی قسم کی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ جس نے علیؑ سے محبت کی اللہ تعالیٰ اس کو نفاق سے برأت اور جہنم سے خلاصی عطا کرے گا پل صراط کا پر دانہ دے گا اور عذاب سے بچائے گا۔

جس نے علیؑ سے محبت کی نہ اس کے لیے کوئی حساب ہوگا اور نہ اس کے لیے کوئی میزان قائم کی جائے گی۔ اس کو کہا جائے گا کہ تم بدون حساب بہشت میں داخل ہو جاؤ۔ جس نے علیؑ سے محبت کی وہ حساب میزان اور پل صراط کی سختیوں سے محفوظ رہے گا۔

جس نے آلِ محمدؐ کی محبت اپنے دل میں لیکر وفات پائی، فرشتے اسے خوش آمدید کہتے اور اس سے مصافحہ کرتے ہیں۔ ارواح انبیاءؑ اس سے ملنے کو آتے ہیں اور اس کی ہر حاجت پوری کی جاتی ہے۔

جس نے آلِ محمدؐ کی دشمنی اپنے دل میں رکھے ہوئے موت پائی وہ

۶۔ تاریخ بغداد میں بی بی عائشہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ حضور اکرمؐ نے علی علیہ السلام سے فرمایا: تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ تم سے محبت کرنے والے کو موت کے وقت مایوسی نہ ہوگی، قبر میں وحشت نہ ہوگی اور قیامت کے روز پریشانی نہ ہوگی۔ (بحار الانوار جلد ۳۹ باب ۸۷)

۷۔ عمر ابن شیبہ سے روایت ہے کہ امام باقرؑ نے فرمایا: جب قیامت برپا ہوگی تو حضور اکرمؐ، امام علیؑ اور ان کے شیعہ خوشبودار مشک کے دو ٹیلوں پر نور کے منبروں پر ہوں گے۔ اس وقت دوسرے لوگ غمگینی میں ہوں گے لیکن وہ غمگین نہیں ہوں گے، دوسرے لوگ خوفزدہ ہوں گے لیکن وہ خوفزدہ نہیں ہوں گے۔ پھر آپ نے اس قرآنی آیت کی تلاوت فرمائی:

”جو شخص نیک کام کرے گا اس کے لیے اس کی جزا اس سے کہیں بہتر ہے اور ایسے لوگ اس دن خوف و خطر سے محفوظ رہیں گے“ (سورہ نمل - آیت ۸۹)

خدا کی قسم! نیکی سے مراد علی ابن ابیطالبؑ کی ولایت ہے۔ پھر امام باقرؑ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

”ان کو قیامت کا بڑے سے بڑا خوف بھی دہشت میں نہ لائے گا۔ فرشتے ان سے خوشی خوشی ملاقات کریں گے اور یہ خوشخبری دیں گے کہ یہی وہ تمہارا خوشی کا دن ہے جس کا دنیا میں تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔“ (بحار الانوار جلد ۶۸ باب فضائل الشیعہ)

الحمد لله رب العالمین - آیت ۱۰۳

اوندھے منہ جہنم میں ڈالے گا۔ میں نے کہا: ضرور بتائیے، اے امیر المؤمنین! امام علیؑ نے فرمایا: وہ نیکی ہماری محبت اور وہ برائی ہماری دشمنی ہے۔

(بحار الانوار جلد ۲۷ باب ثواب جہنم و نصرتہم و ولایتہم)
۸۔ امام علیؑ ابن الحسینؑ سے روایت ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ نے کہا: ایک دن میں حضرت رسولؐ کے پاس بیٹھا تھا، اتنے میں امام علیؑ بھی تشریف لے آئے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا: اے علیؑ! کیا میں تم کو ایک خوشخبری نہ سناؤں؟ امام علیؑ نے کہا: ضرور سنائیے یا رسول اللہؐ! حضور اکرمؐ نے فرمایا: یہ میرا دوست جبرائیلؑ اللہ تعالیٰ کی طرف

سے مجھے یہ خبر دے رہا ہے کہ اس نے تجھ سے اور تیرے شیعہ سے محبت کرنے والے کو سات خوبیاں عطا فرمائی ہیں: حالت نزع کی آسانی - وحشت قبر میں سہارا، قبر کی تاریکی میں روشنی، قیامت کے خطرات میں امن، میزان عمل میں پورا اتنا، پل صراط پر سے گزرنا اور ساری امت سے ۸۰ سال پہلے جنت میں داخل ہونا۔

(بحار الانوار جلد ۶۸ باب فضائل الشیعہ)

۵۔ زید ابن ثابتؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا: جس نے علی ابن ابی طالبؑ سے ان کی حیات میں اور موت کے بعد محبت کی، اللہ تعالیٰ اس کو ایمان اور امن کے ساتھ رکھے گا۔ جب تک کہ سورج طلوع و غروب ہوتا رہے اور جس نے علی ابن ابیطالبؑ سے ان کی حیات میں اور موت کے بعد دشمنی کی، جاہلیت کی موت مرے گا اور اس کے اس عمل کا حساب لیا جائے گا۔

(بحار الانوار - جلد ۳۹ باب ۸۷)

۸۔ عیون الاخبار الرضا میں مذکور ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا: جس نے میرے اہلبیتؑ سے محبت کی، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو امن و امان کے ساتھ محصور کرے گا۔

(بحار الانوار جلد ۲ باب ثواب جہم و نصرہم و دلائیم)

۹۔ امام باقرؑ سے روایت ہے کہ آیت مبارکہ:

”ان کو قیامت کا بڑے سے بڑا خوف بھی دہشت

میں نہ لائے گا۔“ (سورہ انبیاء۔ آیت ۱۰۳)

کے متعلق حضور اکرمؐ نے فرمایا: ایسے شخص کو قیامت کے دن ایک فنٹ دے کر کہا جائے گا: تو جیسے چاہے قیامت کے میدان میں چل پھرے۔ پس وہ چاہے تو حساب کے مقام پر کھڑا ہو جائے اور چاہے تو جہنم کے کنارے کھڑا ہو جائے اور چاہے تو جنت میں داخل ہو جائے۔ تب جہنم کا محافظ فرشتہ اس کو پوچھے گا: ”اے شخص تو کون ہے؟“ تو کوئی بنی ہے یا وصی؟ اس وقت وہ شخص جواب دے گا: میں محمدؐ و آل محمدؐ کا شیعہ ہوں۔ اس پر فرشتہ کہے گا: ہاں یہ اختیار تیرے ہی لیے ہو سکتا ہے۔ (بحار الانوار جلد ۳۹ باب ۸۷)

۱۰۔ حضرت رسولؐ سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا: اے علیؑ! تیرے شیعہ برگزیدہ ہیں۔ اگر تو اور تیرے شیعہ نہ ہوتے تو اللہ کا دین قائم نہ ہوتا۔ اگر تم لوگ زمین میں نہ ہوتے تو آسمان کی طرف سے بارش نہ ہوتی۔ اے علیؑ! جنت میں تیرے لیے خزانہ ہے اور تو بہشت کا سردار ہے۔ تیرے شیعہ حزب اللہ کے نام سے مشہور ہوں گے۔ اے علیؑ! تو اور تیرے شیعہ عدل و انصاف قائم کرنے

دائے ہیں اور تم لوگ اللہ کے بندوں میں برگزیدہ ہو۔

اے علیؑ! میں ہی وہ پہلا شخص ہوں جو اپنے سر سے مٹی جھاڑ بیگا۔ یعنی محسور ہوگا اور تو میرے ساتھ ہوگا اور پھر ساری مخلوق کی باری آئیگی۔ اے علیؑ! تو اور تیرے شیعہ حوض کوثر پر ہوں گے۔ تم جس کو پسند کرو گے اسے سیراب کرو گے اور جس کو ناپسند کرو گے اس کو ہٹاؤ گے۔ تم لوگ اس بڑی مصیبت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے ہو گے۔ اس دن اور لوگ خوفزدہ و غمگین ہوں گے لیکن تم لوگ نہیں۔

رسول اللہؐ نے یہ بھی فرمایا کہ تمہارے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: جن لوگوں کے واسطے ہماری طرف سے پہلے ہی سے بھلائی نکھی جا چکی ہے وہ دوزخ سے اتنا دور رکھے جائیں گے کہ اس کی بھنک بھی نہ سنیں گے۔ یہ لوگ ہمیشہ اپنی من مانگی مرادوں میں رہیں گے اور ان کو قیامت کا بڑے سے بڑا خوف دہشت میں نہ لائے گا۔ فرشتے ان سے خوشی خوشی ملاقات کریں گے اور یہ خوشخبری دیں گے کہ یہی وہ تمہارا خوشی کن ہے جس کا دنیا میں تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ (بحار الانوار جلد ۳۹ بات ۸۷)

۱۱۔ امام علیؑ سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ہماری ولایت پر یقین رکھنے والے افراد اپنی قبروں سے نکلیں گے تو ان کے چہرے روشن ہوں گے، ان کے ستر ڈھکے ہوئے ہوں گے۔ وہ لوگ خوف سے مامون ہوں گے۔ تکلیفیں ان سے دور کر دی جائیں گی۔ ان پر قیامت کے مرحلے آسان کر دیے جائیں گے۔ دوسرے لوگ خوف میں ہوں گے لیکن ان کو خوف

اس کے جسم کے بارے میں کہ اسے کس کام میں مصروف کیا اس کے مال کے بارے میں کہ اسے کہاں سے کمایا اور کس مد میں خرچ کیا اور ہم اہل البیتؑ کی محبت کے بارے میں“ لے

اسی کتاب کے صفحہ ۵۵ پر معاویہ ابن جبلة القشیری سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت علیؑ سے یہ کہتے ہوئے سنا: ”اے علیؑ! جو شخص تم سے بغض رکھے ہوئے مرے گا وہ یہودیت پر مرے گا یا نصرانیت پر!“

نیز اسی کتاب میں ہے: حضرت ابن عباسؓ کی سند سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ جبریلؑ کو حکم دے گا کہ وہ باب جنت میں بیٹھ جائیں اور کسی کو اس میں داخل نہ ہونے دیں جبکہ اس کے پاس علی ابن ابیطالبؑ کی طرف سے برأت نامہ نہ ہو۔ (صفحہ ۱۳۱)

نیز ابن مغازی اپنی اسی کتاب میں زہری سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک کو یہ کہتے ہوئے سنا: قسم ہے اللہ کی جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”مومن کے نامہ اعمال کا عنوان محبت علی ابن ابیطالبؑ ہے“ (صفحہ ۲۴۳)

لے اس حدیث کو علامہ شیخ حمدی حاکری نے ”کوئٹہ دری“ میں ثعلبی ابی القاسم قشیری اور ابن بطہ کے حوالوں سے نقل کیا ہے اور یہ تمام حضرات علمائے اہلسنت میں سے ہیں۔ علامہ قندوزی نے اسے بیابیع المودۃ (صفحہ ۱۱۲-۱۱۳) میں نقل کیا ہے۔

نہیں ہوگا، دوسرے لوگ غلبگی میں ہوں گے لیکن ان کو کچھ غم نہیں ہوگا۔ ان لوگوں کو امن و امان دیا جائے گا اور دکھ ان سے دور کیے جائیں گے۔ ان لوگوں کو ایسے سفید اونٹوں پر سوار کرایا جائے گا جن کے پر بھی ہوں گے۔ ان کے پاؤں میں زری کے جوتے ہوں گے جن کے تسمے چمکدار ہوں گے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے نور کے منبروں پر بیٹھیں گے۔ ان کے سامنے ایک دسترخوان بچھا ہوگا اور وہ اس سے طعام کھائیں گے بہاں تک کہ اور لوگ اعمال کے حساب سے فارغ ہو جائیں گے۔

(بحار الانوار جلد ۶۸ باب فضائل الشیعہ)

۱۲— عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہؐ نے فرمایا: میری اور میرے اہلبیتؑ کی ولایت دوزخ سے برأت و امن کا ذریعہ ہے۔ ۱۔ بحار الانوار جلد ۲ باب ثواب جہنم و نصرہم و ولایتہم، غرض اس قسم کی اور بھی بہت سی احادیث موجود ہیں۔

اہلبیتؑ اور ان کے محبوں کی فضیلت

اہلبیتؑ اور ان سے محبت کرنے والوں کی فضیلت کے بارے میں شیعہ و سنی سلسلہ ہائے سند سے بہت سی احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے چند ایک ملاحظہ ہوں:

ابن مغازی نے اپنی کتاب ”مناقب علی ابن ابیطالبؑ“ (صفحہ ۱۱۹) میں حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن کسی شخص کے پاؤں حرکت نہ کر سکیں گے جب تک کہ اس سے چار چیزوں کے بارے میں سوال نہ کر لیا جائے گا۔ اس کی عمر کے بارے میں کہ کس مشغفے میں گزری۔

نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات گرامی کی جس نے دانے کو نشوونما دی اور جاندار کو زندگی دی کہ نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ مجھ سے عہد بیان ہے کہ (اے علیؑ) تم سے محبت نہیں کریگا مگر مومن، اور تم سے عداوت نہیں رکھے گا مگر منافق۔“ (صفحہ ۱۹۰)

اور اسی کتاب میں حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا: ”قسم ہے اس ذات گرامی کی جس کے قبضہ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے کہ ہم اہلبیتؑ سے جو بھی عداوت رکھے گا، اللہ اس کو اوندھے منہ جہنم میں دھکیں دے گا۔“ (صفحہ ۱۳۸)

علامہ قندوزی نے اپنی کتاب ”تنبیہ المودۃ“ (مطبوعہ بصیرتی ایران) میں منہ احمد ابن حنبل کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے تلاش کیا تو مجھے ایک باغ میں سوتا ہوا پایا۔ پس مجھے جگاتے ہوئے فرمایا: اٹھو میں تم کو یقیناً راضی کر لوں گا۔ تم میرے بھائی ہو اور میرے بچوں کے باپ ہو۔ تم میری سنت پر رہتے ہوئے جنگ کرو گے۔ جو میرے زمانے میں مرجائے وہ اللہ کے خزانے اور پناہ میں ہوگا۔ جو تمہارے عہد میں مرے تو اس نے بھی اپنا وقت پورا کر لیا اور جو تمہارے بعد تمہاری محبت پر مرے اللہ اس کا خاتمہ امن و امان پر کرے گا، جب تک طلوع و غروب آفتاب کا سلسلہ باقی ہے۔ (صفحہ ۱۲۴)

اسی کتاب میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی یہ روایت سلسلہ حضرت علی علیہ السلام مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

اور امیر المومنینؑ سے ابن مغازی نے اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: ”تم جہنم کے بائٹنے والے ہو۔ تم جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤ گے اور بے حساب اس میں داخل ہو گے۔“ (صفحہ ۶)

اور علامہ قندوزی حنفی نے ”تنبیہ المودۃ“ میں ابن عمرؓ کی روایت میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ سے فرمایا: ”تم جنت و جہنم کے بائٹنے والے ہو۔“ (صفحہ ۸۳-۸۴)

ابن مغازی نے تمامہ ابن عبد اللہ ابن انس سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اپنے باپ اور دادا کے حوالے سے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”جب قیامت کا دن ہوگا اور جہنم کے کنارے پر صراط نصب ہوگا تو اس پر سے کوئی پار نہ ہو سکے گا۔ مگر وہ جس کے پاس ولایت علی ابن ابیطالبؑ کا پروانہ ہوگا۔“ (کتاب المناقب صفحہ ۲۴۲)

مصنف مذکور ہی نے حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”علیؑ قیامت کے دن حوض کوثر کے پاس ہوں گے اور کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا مگر وہ جو علی ابن ابیطالبؑ کا اجازت نامہ پیش کریگا۔“ (صفحہ ۱۱۹)

اسی کتاب میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی سند سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: ”اے علیؑ! تمہارا دوست میرا دوست ہے اور تمہارا دشمن میرا دشمن ہے۔“ (صفحہ ۱۹۶)

اسی کتاب میں زرارہ بن حبیش کی روایت سے ہے کہ امام علیؑ

اسی کتاب میں طرانی کے حوالے سے حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت بھی ہے کہ حضرت علیؓ علیہ السلام کی مدحت میں قرآن مجید کی تین سو سے زیادہ آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ (بینایع المودة صفحہ ۱۲۶)

ابن مغازی نے ”مناقب علی ابن ابیطالب“ (صفحہ ۱۳۲) میں ہارون الرشیدؒ اس کے باپ مہدیؒ منصورؒ اس کے باپ اس کے داداؒ پھر ابن عباس کے سلسلہ سند سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”میرے اہلبیتؑ کی مثال کشتی نوحؑ کی سی ہے کہ جو اس میں سوار ہو گیا اس نے نجات پائی اور جو اس سے پیچھے رہ گیا وہ ہلاک ہو گیا۔“

اسی طرح حاکم حسانی نے اپنی کتاب شواہد التنزیل جلد صفحہ ۴۲۶ میں ابو عثمان سعیدؒ ابن محمد جریؒ احمد ابن اسحاق جریؒ جعفر ابن سہلؒ ابو زرہؒ اور عثمان ابن عبد اللہ قرشیؒ ابن ابیہؒ ابو الزبیرؒ پھر حضرت جابرؒ کے سلسلہ سند سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”اگر میری امت کے لوگ اتنے روزے رکھیں کہ سوکھ کر میخ کی طرح ہو جائیں اور اتنی نمازیں پڑھیں کہ خمیدہ ہو جائیں پھر بھی (اے علیؑ) اگر وہ تم سے عداوت رکھیں تو اللہ ان کو منہ کے بل جہنم میں ڈال دے گا۔“

صاحب ”مجمع البیان“ نے حسانی کی اس روایت کو تو نقل کیا ہے مگر وہاں ”جریؒ کے بجائے حمیریؒ ہے۔ علاوہ بریں علامہ حسانی نے اس حدیث کو ایک دوسری سند سے بھی لکھا ہے۔ (صفحہ ۴۲۸)

نیز انہوں نے ابوسہل جامعیؒ ابو حفص عمر ابن احمدؒ ابو الحسن

فرمایا: جبریل امین نازل ہوئے اور کہا: ”اے محمدؐ! اللہ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ علیؑ سے محبت کریں اور ان لوگوں سے بھی محبت کریں جو علیؑ سے محبت کرتے ہیں۔“ (بینایع المودة)

اور اسی کتاب میں حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کی سند سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”اگر تمام لوگ محبت علی ابن ابی طالبؑ پر متفق ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ جہنم کو پیدا ہی نہ کرتا۔“ (بینایع المودة)

نیز علامہ قندوزی نے حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ ہی کی سند سے یہ حدیث بھی روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ علیہ السلام سے فرمایا: ”تمہاری مثال تو قرآن مجید کے سورۃ قل ہو اللہ احد کی سی ہے کہ جس نے ایک مرتبہ پڑھ لیا تو گویا اس نے قرآن مجید کا ایک تہائی حصہ پڑھ لیا اور جس نے اسے تین مرتبہ پڑھ لیا اس نے گویا کہ پورا قرآن پڑھ لیا۔ اسی طرح اے علیؑ! جس نے تم سے محض دل سے محبت کی، اس نے ایمان کا ایک تہائی حصہ پایا، جس نے قلب و زبان دونوں سے تمہیں چاہا اس نے ایمان کے دو تہائی حصے پالیے اور جو قلب و زبان اور ہاتھ (یعنی عمل) سب سے تمہاری محبت میں سرگرم رہا اس نے ایمان کے تمام حصے پالیے۔ قسم ہے اس ذات گرامی کی جس نے مجھ حق کے ساتھ نبی مبعوث کیا ہے، اگر اہل زمیں بھی تم سے اسی طرح محبت کرتے جیسے اہل آسمان تم سے محبت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کسی کو بھی آتش جہنم سے مغرب نہ کرتا۔“ (بینایع المودة صفحہ ۱۲۵)

اس طرح کی متعدد دوسری احادیث و روایات فریقین کی سندوں سے بہت زیادہ تعداد میں موجود ہیں۔ چار اللہ زنجشیری نے کیا خوب کہا ہے:

ترجمہ شعر ۱

شک و اختلاف بہت بڑھ چکا ہے اور ہر ایک صراطِ مستقیم کو حاصل کر لینے کا دعویدار ہے۔

ترجمہ شعر ۲

اس حالت میں میرا سہارا اس ذات سے ہے جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ پھر میرا سہارا محمد و علیؑ کی محبت ہے۔

ترجمہ شعر ۳

اصحاب کف کا کتنا بھی ان کی محبت کی وجہ سے کامیاب ہو گیا تو میں آلِ نبیؐ سے محبت کر کے کیسے ناکام ہو سکتا ہوں۔
(منقول از کشکول شیخ بہائی رحمۃ اللہ)

شفاعت اہل بیتؑ

وہ چیزیں جو یوم قیامت کے فزع اکبر سے نجات دلانے والی ہیں ان میں سے ایک شفاعت ہے۔ حاکم حسکانی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ان کے آباء طاہرینؑ کے سلسلہ سند سے سورۃ شوریٰ کی آیت ۱۰۱-۱۰۲ ”پس ہمیں ہے ہمارے لیے کوئی شفاعت کرنے والا اور نہ کوئی حمایتی“ کی تفسیر میں یہ قول نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ”یہ آیت ہمارے مخالفین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جب بروز قیامت اللہ ہمیں فضیلت عطا فرمائے گا اور ہمارے شیعوں کو یہ فضیلت دے گا کہ وہ ہماری شفاعت سے سرفراز ہوں گے تو اسے دیکھ کر ہمارے مخالفین کہیں گے: ہمارا تو نہ

نمل ابن عبد اللہ ابن علی صوفی، ابو اسحاق ابراہیم ابن حسین تسریٰ حسن ابن ادریس حریری، ابو عثمان محمد ری، فضل ابن جبیر۔ پھر ابوامامہ باہلی کے سلسلہ سند سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”یقیناً اللہ نے دوسرے نبیوں کو مختلف شجروں سے پیدا کیا۔ مگر مجھے اور علیؑ کو ایک ہی شجرہ سے پیدا کیا۔ میں اس کی اصل ہوں، علیؑ اس کی فرع ہیں۔ حسن و حسینؑ اس کے پھل ہیں اور ہمارے شیعہ اس کے پتے ہیں۔ پس جو شخص اس شجرہ کی کسی ایک شاخ سے وابستہ ہو گیا، اس نے نجات پائی اور جو منحرف ہوا ہلاک ہوا۔

اگر کوئی عبادت کرنے والا خدا کی عبادت کرتا رہے ہزار سال پھر ہزار سال اور پھر ہزار سال تک، مگر وہ ہم سے محبت نہ کرے تو اللہ اس کو اس کے نقصوں کے بل جہنم میں ڈال دے گا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

”اے رسولؐ! کہہ دیجیے کہ میں تم سے تبلیغ دین کا کوئی صلہ نہیں مانگتا اس کے سوا کہ تم میرے قریب ترین عزیزوں سے محبت کرو۔“ (سورۃ شوریٰ- آیت ۲۳)

۱۔ ابن حجر ہیثمی نے احمد، طبرانی، ابن ابی حاتم اور حاکم کے حوالوں سے حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کی یہ روایت لکھی ہے کہ جب آیت مودت نازل ہوئی تو لوگوں نے سوال کیا: یا رسول اللہؐ وہ آپ کے قرابتدار کون ہیں جن سے محبت رکھنا ہم پر واجب ہے؟ تو آنحضرتؐ نے فرمایا: ”وہ علیؑ، فاطمہؑ اور ان کے دونوں فرزند ہیں۔“ ابن حجر نے اس معنی کی اور بھی کئی حدیثیں لکھی ہیں۔ (صواعق محرقة صفحہ ۱۶۹)

کوئی حمایتی ہے نہ دوست ہے۔ (شواہد التنزیل جلد ۱ صفحہ ۴۱۸)

اور حافظ سلیمان ابن ابراہیم قندوزی حنفی نے اپنی کتاب ”بناہج المودۃ“ میں اس آیت ”جنت و جہنم کے درمیان بلند مقامات پر کچھ لوگ ہوں گے جو ہر ایک کو اس کی نشانی سے پہچانتے ہوں گے“

(سورۃ اعراف - آیت ۴۶)

اس کی تفسیر میں ابھی ابن نباتہ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا: ”میں حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ ابن الکواکب آیا اور اس نے آپ سے اسی آیت کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: ”وائے ہو تجھ پر اے ابن الکواکب! یہ ہم ہوں گے جو قیامت کے دن جنت و جہنم کے درمیان کھڑے ہوں گے۔ پس جو ہمارا دوست ہوگا ہم اسے پہچان لیں گے اور اسے جنت میں داخل کریں گے اور جو ہمارا دشمن ہوگا ہم اس کو بھی پہچان لیں گے اور اسے جہنم کی طرف بھیج دیں گے۔“

(صفحہ ۱۰۲ مطبوعہ بصیرتی طران)

حافظ ابن مغازی نے اپنی کتاب ”مناقب علی ابن ابیطالب“ صفحہ ۲۳۷

میں حضرت جابر ابن عبد اللہ انصاری کی سند سے لکھا ہے کہ جب حضرت علی ابن ابیطالب خیر کوفیہ کے واپس آئے تو پیغمبر اکرمؐ نے ان سے فرمایا: ”اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ میری امت کے کچھ لوگ تمہارے بارے میں بھی وہی بات کہنے لگیں جو عیسائی حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں کہتے ہیں تو میں تمہارے بارے میں وہ بات کہہ دیتا (یعنی وہ فضیلت بیان کر دیتا) جس کے بعد تم مسلمانوں کے جس گروہ کے پاس سے گزرتے وہ تمہارے پیروں کے نیچے کی خاک اٹھاتے اور تمہارے وضو کا پانی لیکر ان سے

شفا حاصل کرنے بیکن فیضیت بھی تمہارے لیے کافی ہے کہ تم کو مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے حاصل تھی۔ سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ تم ہی میری ذمہ داریاں پوری کرو گے، میری میت کو دفن کرو گے اور میری سنت پر جہاد کرو گے۔ پھر کل یوم قیامت تم تمام خلایق میں مجھ سے زیادہ قریب ہو گے اور تم ہی حوض کوثر پر میرے نائب ہو گے۔ تمہارے شیعہ نورانی منبروں پر روشن چروں کے ساتھ میرے ارد گرد ہوں گے میں ان کی شفاعت کروں گا اور جنت میں وہ میرے پڑوسی ہوں گے۔“

کون شافع اور کون مشفوع ہیں

شفاعت کے باب میں ویسے تو بہت سی آیتیں اور احادیث مختلف مضامین پر مشتمل وارد ہوئی ہیں۔ تاہم گفتگو حسب ذیل تین باتوں پر ہونی چاہیے۔

۱۔ شفاعت کرنے والے کون ہوں گے؟ اور ان کے اپنے طبقات کیا ہوں گے؟

۲۔ شفاعت کس امر میں واقع ہوگی؟ بلندی درجات کے لیے یا گناہوں کی بخشش کے لیے؟

۳۔ مختلف گروہوں میں سے کونسے گروہ مستحق شفاعت ہوں گے؟ پس ہم گزارش کرتے ہیں کہ آیات قرآنیہ و احادیث کثیرہ سے اس باب میں جو کچھ واضح ہوتا ہے۔ وہ یہی ہے کہ شفاعت کرنے والے انبیاء اور ائمہ علیہم السلام علمائے حق، شہداء اور وہ مومنین ہوں گے جن کی شفاعت کو قبول کرنے کا اللہ نے وعدہ کیا ہے۔ یہ شفاعت امت مسلمہ

سے پہلے ہی اذن شفاعت دے رکھا ہے۔ یہ حق شفاعت ان کے لیے بھی ہے اور ان کی ذریت کے ائمہ معصومین علیہم السلام کے لیے بھی ہے دوسرے انبیاء کے لیے حق شفاعت کا درجہ ان حضرات کے بعد ہے۔

(بحار الانوار جلد ۸ صفحہ ۳۸)

علاوہ بریں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اے رسول!، قریب ہے کہ آپ کا پروردگار آپ کو

مقام محمود پر مبعوث فرمائے۔“ (سورۃ اسرار - آیت ۶۹)

اس آیت کی تفسیر بالاتفاق یہی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت کو

ان کی امت کے بارے میں حق شفاعت عطا فرمائے گا۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اس دن سے ڈرو کہ جس دن کوئی شخص کسی کی طرف سے

کچھ نہ کر سکے گا۔ نہ کسی کی طرف سے کوئی سفارش مانی

جائے گی نہ اس سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ ان

کو مدد مل سکے گی۔“ (سورۃ بقرہ - آیت ۲۸)

اس آیت کے بارے میں تفسیر مجمع البیان میں مذکور ہے: پس

ہمارے نزدیک گناہگار مومنوں میں سے جو عذاب و نصارت کے مستحق ہو چکے

ہیں یہ شفاعت ان کو اس خسارے سے بچانے اور عذاب الہی کو ٹالنے

کے لیے مخصوص ہے۔

تفسیر تبيان میں مذکور ہے: ”نہ اس کی طرف سے کوئی سفارش مانی

جائے گی“ ہمارے نزدیک یہ بات کفار کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ

شفاعت کسی کو نفع دلانے کے لیے نہیں ہوتی ہے۔ لہذا پیغمبر اکرم مومنوں

کے لیے ہوگی۔ خاتم الانبیاءؑ کی رسالت کا انکار کرنے والوں کے لیے کوئی شفاعت نہیں ہوگی اور شفاعت گناہوں کی بخشش کے لیے ہوگی درجہ کے لیے نہیں۔ جیسا کہ بعض ان لوگوں کا خیال ہے جو یہ کہتے ہیں کہ شفاعت مومنین اہل جنت کے لیے ہوگی، گناہگار مومنین کے لیے نہیں ہوگی۔ کیونکہ آیات و احادیث سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ شفاعت ان مومنین کے لیے ہوگی جو گناہگار و مستحق عذاب ہوں گے۔ اس مفہوم کے ثبوت کے لیے ہم چند آیات و احادیث پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

پروردگار عالم فرماتا ہے:

”اس دن کسی کی شفاعت کام نہیں آئے گی سوائے

ان لوگوں کی شفاعت کے جن کو رحمن اجازت دے

گا اور ان کی بات سے راضی ہوگا۔“

(سورۃ طہ - آیت ۱۰۹)

علامہ طبرسی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس دن کسی کی شفاعت

کسی کے حق میں سودمند نہیں ہوگی سوائے ان لوگوں کے جن کو اللہ

شفاعت کرنے کی اجازت دے گا اور ان کی بات سے راضی ہوگا انبیاء

اولیاء صالحین صدیقین اور شہداء میں سے۔ (بحار الانوار جلد ۸ صفحہ ۳۲)

اور علامہ مجلسی نے اس آیت کی تفسیر میں مفسر قمی کے حوالے سے

لکھا ہے کہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا

انبیاء و مرسلین میں سے کوئی بھی اذن خدا کے بغیر کسی کی شفاعت نہیں

کر سکے گا۔ جہاں تک رسول اللہ کا تعلق ہے تو اللہ نے ان کو یوم قیامت

کے حق میں شفاعت کریں گے، اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول کریں گے اور مستحق عذاب نمازگاروں سے بھی عذاب ہل جائے گا جیسا کہ ایک حدیث میں حضور اکرمؐ نے فرمایا: ”میں نے اپنی امت کے اہل کبار کے لیے اپنا حق شفاعت ذخیرہ کر رکھا ہے“ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ نفع کو بڑھانے کے لیے شفاعت کے مورد قبول نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ اگر اس معاملہ میں بھی شفاعت کی جائے تو خود حضور اکرمؐ کے حق میں ہم میں سے کسی کا شفیق ہونا ممکن ہو جائے گا۔ کیونکہ انہوں نے بھی ازدیاد کرامت کے لیے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا اور یہ بات اجماع امت کے خلاف ہے۔ لہذا یہ بات ثابت ہو گئی کہ شفاعت صرف دفع خسارت و عقوبات کے لیے مخصوص ہے اور ثبوت شفاعت سے یہ بھی واضح طور پر معلوم ہو گیا ہے کہ آیت مذکور میں اہل قبلہ کے لیے شفاعت کی نفی نہیں ہوئی بلکہ یہ کفار سے متعلق ہے جیسا کہ علامہ سید محمد حسین طباطبائیؒ کی مشہور تفسیر ”المیزان“ میں بھی اس کی یہی توضیح کی گئی ہے۔

جہاں تک احادیث کا تعلق ہے تو وہ اس باب میں تواثر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ مثلاً ارشاد نبوی ہے :

”یقیناً میری امت میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے

جن کی شفاعت سے اللہ قبیلہ مضر کے لوگوں سے زیادہ

لوگوں کو جنت میں داخل کریگا۔ (بخاری الانوار جلد ۸ صفحہ ۳۴)

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

”ہر نبی کی ایک دعا اور ایک سوال ہوتا ہے، جو دوسرے انبیاءؑ کے چکے مگر میں نے اپنی دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے

محفوظ رکھا ہے“ (بخاری الانوار ۸ صفحہ ۳۴)۔

ارشاد نبوی ہے: ”تین قسم کے لوگ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں شفاعت کریں گے تو ان کی شفاعت قبول ہوگی۔ انبیاء، علماء اور شہداء (حوالہ مذکور)

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ”تم لوگ اپنے اعمال سے ہمیں قیامت کے دن شفاعت کے معاملے سے دو چار نہ کرو“ (حوالہ مذکور)

اور امیر المومنینؑ ہی کا ارشاد ہے: ”ہمیں بھی حق شفاعت حاصل ہوگا اور ہم سے مودت کرنیوالوں کو بھی“ (حوالہ مذکور)

اور جناب امیرؑ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ”جو میرے حوض کوثر پر ایمان نہ رکھتا ہو، اللہ اسے وہاں وارد نہ کرے اور جو میرے حق شفاعت پر ایمان نہ رکھے اللہ اسے میری شفاعت نصیب نہ کرے“ پھر فرمایا: میری شفاعت میری امت کے ان لوگوں کے لیے ہوگی جو گناہان کبیرہ کے مرتکب ہوئے۔ جہاں تک حسن عمل کرنیوالوں کا تعلق ہے تو انہیں اس کی ضرورت نہیں ہوگی۔ (حوالہ مذکور)

اور حسین ابن خالد کا بیان ہے کہ میں نے امام رضا علیہ السلام سے کہا: اس قول خداوندی کا کیا مطلب ہے: ”وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر ان کی جن کو اللہ پسند کریگا۔“ (سورۃ انبیاء۔ آیت ۲۸) تو امامؑ نے فرمایا: ”یعنی اللہ جن کے دین کو پسند کریگا۔“ (حوالہ مذکور)

طبرسی قدس اللہ روحہ نے اپنی تفسیر ”مجمع البیان“ میں اس آیت اور مجرموں کو ہم جہنم کی طرف ہانک دینگے۔ وہ کوئی شفاعت نہ رکھتے ہونگے

ہمارے لیے شیعوں کے بارے میں حق شفاعت ہوگا۔ پھر ہمارے شیعوں کے لیے ان کے اہل و عیال کے لیے شفاعت کا حق ہوگا۔

(بخارالانوار جلد ۸ صفحہ ۳۸)

صراط

لغوی اعتبار سے لفظ صراط کے معنی ہیں راستہ، چنانچہ قاموس

میں ہے کہ ”صراط یعنی راستہ یا وہ راستہ جو برابر ہو اور اس میں کوئی کجی نہ ہو“

اور شرعی اعتبار سے صراط دو قسم کے ہیں۔ صراط دنیا اور صراط آخرت

صراط دنیا سے مراد اللہ تعالیٰ اور اس کے پسندیدہ دین کی معرفت بطریق صحیح۔ پھر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی اطاعت و پیروی۔ قرآن مجید میں ہے:

”اے اللہ! تو ہمیں (سیدھے) راستے کی ہدایت دے۔“

(سورۃ حمد۔ آیت ۶)

یعنی اس دین کی ہدایت جس کے سوا کوئی اور دین قابل قبول نہیں

ہوگا اور خدا نے فرمایا:

”یقیناً میرا سیدھا راستہ ہے۔ پس تم لوگ اس کی پیروی

کرو اور دوسرے راستوں کے پیچھے نہ پڑو کہ وہ تمہیں

متفرق و منتشر کر دیں“ (سورۃ النعام۔ آیت ۱۵۳)

جہاں تک صراط آخرت کا تعلق ہے تو وہ جہنم کے اوپر ایک پل

ہے جس پر سے تمام لوگ گزریں گے اور اس مقام پر ہماری گفتگو کا

موضوع وہی ہے۔ قیامت کے دن اس پل پر سے گزرتا بھی حساب

سوائے ان کے جنہوں نے رجن سے کوئی عہد کیا ہوگا۔“ (سورۃ مریم۔ آیت ۸۷) کے ذیل میں لکھا ہے: ”یعنی نہ وہ کفار کسی دوسرے کی شفاعت کر سکیں گے۔ جبکہ اہل ایمان ایک دوسرے کی شفاعت کریں گے اور رجن کے ساتھ عہد کا مطلب ایمان لانا ہے۔ یعنی خدا کی وحدانیت اور انبیاء کی تصدیق کرتا۔“ (بخارالانوار جلد ۸ صفحہ ۳۱)

اور ابوبصیر ہی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: ”ہمارے شیعہ اللہ کے نور سے پیدا کیے گئے ہیں اور اسی کی طرف وہ لوٹ کر جائیں گے۔ خدا کی قسم! تم لوگ ہم سے قیامت کے دن ملحق ہو گے۔ ہم تمہاری شفاعت کریں گے جو قبول ہوگی۔ تم میں سے ہر ایک کے لیے اس کے بائیں طرف جہنم بلند ہوگا اور دائیں طرف جنت ہوگی۔ پس وہ اپنے دوستوں کو جنت میں داخل کریگا اور دشمن کو جہنم میں ڈال دے گا۔“ (بخارالانوار جلد ۸ صفحہ ۳۷)

امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے روایت ہے کہ فرمایا: ”بخدا ہم یقیناً شفاعت کریں گے، بخدا ہم یقیناً شفاعت کریں گے اپنے شیعوں میں گناہگاروں کی۔ یہاں تک کہ جب ہمارے دشمن اسے دیکھیں گے تو حسرت سے کہیں گے: ہمارا تو نہ کوئی شفاعت کرنے والا ہے نہ کوئی حمایتی دوست۔ پس کاش! ہمارے لیے (دنیا کی طرف) پلٹنا ممکن ہوتا تو ہم بھی مومنین میں سے ہوتے۔“ (سورۃ شوریٰ آیت ۱۰۰ تا ۱۰۲ بخارالانوار جلد ۸ صفحہ ۳۸)

نیز امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ”یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لیے ان کی امت کے بارے میں حق شفاعت ہوگا اور

ارشاد ربانی ہے:

”یقیناً آپ کا رب کمین گاہ میں ہے“ (سورۃ فجر- آیت ۱۴)
علامہ طبرسیؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”یعنی وہاں سے تمام لوگوں کا گزر ہوگا اور ان کے اعمال میں سے کوئی چیز بھی نہیں چھوٹے گی۔ کیونکہ پروردگار ان کے تمام اقوال و اعمال کو سنتا اور دیکھتا ہے۔ گویا کہ وہ کمین گاہ میں بیٹھا ہے“

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ”مرصاد (کمین گاہ) سے مراد صراط کا وہ پُل ہے جہاں سے کوئی شخص ظلم کے ساتھ نہیں گزر سکتا“ اور آپ ہی کا ارشاد ہے: ”صراط سے لوگ مختلف طبقات میں گزریں گے۔ وہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے تیز ہوگا۔ پس کچھ لوگ تو بجلی کی سی تیزی سے اس سے گزر جائیں گے، کچھ گھوڑے کی سی تیز رفتاری سے گزریں گے، کچھ لوگ کشتی کی سی رفتار سے گزریں گے اور کچھ لوگ اس طرح گرتے پڑتے گزریں گے کہ کہیں سے انہیں آگ پکڑے گی تو کہیں سے چھوٹ جائیں گے“ (بحار الانوار جلد ۸ صفحہ ۶۴-۶۵)
بیزگوشہ روایات میں آچکا ہے کہ قیامت کے دن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام صراط کے پاس بیٹھیں گے اور وہاں سے کوئی بھی نہیں گزر سکے گا۔ مگر وہ جس کے پاس ولایت علیؑ کا اقرار نامہ موجود ہوگا۔

اور یہ ارشاد باری بھی مذکور ہو چکا ہے کہ:
”یقیناً وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، وہ (سیدھے) راستے سے منحرف ہیں“ (سورۃ مومنون- آیت ۷۴)

کتاب کا ایک حصہ ہے۔ پس وہ لوگ جو اس پر سے باسانی گزرنے کی قدرت رکھتے ہوں گے، وہ وہی ہوں گے جو اس دنیا میں اہل ایمان اور نیکو کار رہے ہوں گے۔ وہ اس پر سے گزر کے جنت میں چلے جائیں گے اور وہ لوگ جو اس پل پر سے نہ گزر سکیں گے وہ کفار اور بدکار ہوں گے، وہ اس پر سے گر کے جہنم میں چلے جائیں گے۔

تفسیر امام علیہ السلام میں ہے کہ صراط مستقیم سے مراد دو راستے ہیں۔ ایک دنیا میں، دوسرا آخرت میں۔ دنیا کا صراط مستقیم وہ ہے جو غلو سے کمتر ہو اور تقصیر سے بلند تر ہو اور اتنا سیدھا ہو کہ باطل کی طرف ذرا بھی مائل نہ ہو اور آخرت کا صراط وہ سیدھا راستہ ہے جو نونین کو براہ راست جنت تک پہنچائے گا۔ وہ نہ جہنم کی طرف مائل ہونگے نہ کسی اور طرف۔

(بحار الانوار جلد ۸ صفحہ ۷۰)

پُل صراط سے گزرنا

علامہ مجلسیؒ اسی مقام پر تحریر فرماتے ہیں: ”صراط کے بارے میں ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ وہ حق ہے۔ وہ جہنم پر ایک پُل ہوگا جس پر سے تمام لوگوں کا گزر ہوگا۔ ارشاد ربانی ہے:

”نہیں ہے تم میں سے کوئی مگر اس پر وارد ہو نہیوالا ہے۔ یہ تمہارے پروردگار کا حقیقی فیصلہ ہے“

(سورۃ مریم- آیت ۷۱)

اور صراط کے دوسرے معنی حجج اللہ ہیں۔ جو شخص دنیب میں ان کی معرفت حاصل کرے گا اور ان کی اطاعت کرے گا، اللہ اس کو قیامت کے دن پُل صراط پر سے باسانی گزرتے کی توفیق عطا فرمائے گا“

کا کوئی قدم اگر صراط پر ڈمگایا بھی تو دوسرا سنبھل جائے گا۔ یہاں تک کہ اللہ اس کو تمہاری محبت کی وجہ سے جنت میں داخل کرے گا۔

(بحار الانوار جلد ۸ صفحہ ۶۷-۶۹)

اعراف اور طفل و مجنوں

ارشاد خداوندی ہے :

”اور ان دونوں (یعنی جنت و جہنم) کے درمیان ایک پردہ ہوگا اور اعراف پر کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو ہر ایک کو اس کی نشانی سے پہچانتے ہوں گے“

(سورہ اعراف - آیت ۴۶)

اعراف جمع عرف کی ہے جس کے لغوی معنی ہیں ریت کے ٹیلے۔

یہاں اعراف سے مراد جنت و جہنم کے درمیان پردے کا بالائی حصہ ہے جہاں سے دونوں طرف دیکھا جاسکے گا۔

جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو اعراف پر ہوں گے تو مفسرین میں ان کے بارے میں اختلاف ہے۔ یہاں تک کہ دس اقوال پائے جاتے ہیں۔ تاہم ان سب کو تین اقوال میں سمیٹا جاسکتا ہے۔

اول یہ کہ وہ منزل و کرامت رکھنے والے لوگ ہوں گے۔ اگرچہ یہاں اختلاف ہے کہ وہ انبیاء ہوں گے یا آل محمد علیہم السلام ہوں گے۔ جن کی یہ خصوصیت ہے کہ جنت میں وہی داخل ہوگا جو ان کی معرفت رکھتا ہوگا اور وہ اسے پہچانتے ہوں گے اور جو ان کی معرفت سے محروم ہوگا اور جس کا وہ حضرات انکار کریں گے وہ جہنم میں جائے گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے : اعراف

ابن شہر آشوب نے ”المناقب“ (جلد ۲ صفحہ ۵۵ طبع قم) میں محمد بن الصباح زعفرانی، زنی، شافعی، مالک، حمید اور انس ابن مالک کے سلسلہ سند سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ارشاد ربانی : ”پس وہ نہ چڑھ سکا دشوار گزار پہاڑی راستے پر“ (سورہ بلد - آیت ۱۱) کے بارے میں فرمایا : ”صراط پر ایک نہایت سخت اور دشوار گزار راستہ ہوگا۔ جس کی مسافت تین ہزار سال ہوگی۔ ایک ہزار سال اترنے کے، ایک ہزار سال کانٹوں، پچھوؤں اور سانپوں سے پیٹنے کے اور ایک ہزار سال چڑھنے کے۔ میں سب سے پہلے اسے عبور کر نیوالا ہوں گا۔ دو مرتبہ علی ابن ابیطالب ہوں گے۔ اس کو محمدؐ و اہلبیت محمدؐ کے سوا کوئی بلائی نہ کر سکے گا۔“

امیر المومنینؑ اپنے ایک خطبے میں فرماتے ہیں :

”اے لوگو! جان لو کہ تمہیں صراط پر سے گزرنا ہے جو نہایت سخت پھسلن والا اور نہایت خوفناک راستہ ہوگا۔“

(بحار الانوار جلد ۸ صفحہ ۶۷)

شیخ صدوقؒ اپنی کتاب ”فضائل الشیعہ“ میں امام جعفر صادقؑ سے انکے آباء طاہرینؑ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : ”تم لوگوں میں سے صراط پر زیادہ ثابت قدم وہی ہوگا جو میرے اہل بیتؑ سے زیادہ محبت کرنے والا ہوگا۔“

اسی کتاب میں امام محمد باقر علیہ السلام کی روایت ان کے آباء طاہرینؑ کی سند سے ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا : ”جس مرد مومن کے دل میں تمہاری محبت جگہ کر لے گی اس

بے عقل اور مجنوں لوگ۔ زمانہ فترت میں ہونیوالے ناسمجھ بوڑھے، بوڑھیاں اور کفار کے بچے وغیرہ۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے کفر و ایمان میں سے کسی کو بھی نہیں سمجھا۔

”حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ اعراف میں ایسے لوگوں کو سکونت عطا فرمائے گا جو اپنے اعمال سے ثواب کے مستحق نہ ہوں گے۔ مگر وہ عذاب و عقاب کے بھی مستحق نہ ہوں گے۔ لہذا وہ شفاعتِ رسولؐ اور شفاعتِ ائمہ کے منتظر ہوں گے۔ یہاں تک کہ جنت میں داخل ہو جائیں گے اور یہ بھی کہا گیا کہ اعراف ایسے لوگوں کا مسکن ہوگا جو دنیا میں مکلف نہیں تھے۔“

اس بنا پر استحقاقِ ثواب و عقاب نہ رکھنے والوں میں بے عقل مجنوں، کفار کے بچے، ناسمجھ بوڑھے اور زمانہ فترت کے لوگ ہوں گے۔ کفار کے ناسمجھ بچے

کفار کے ناسمجھ بچوں کے لیے بھی وارد ہوا ہے کہ وہ اہل جنت کے خادموں میں سے ہوں گے اور اس طرح وہ جنت میں ہوں گے۔ کیونکہ ارشاد باری ہے:

”اللہ کی پیدا کردہ فطرت جس پر اس نے تمام لوگوں کو پیدا کیا“

اور ارشادِ رسولؐ ہے:

ہر پیدا ہونیوالا انسانی بچہ فطرت ہی پر پیدا ہوتا ہے۔“

پھر ان بچوں سے کوئی امر موجب عذاب بھی صادر نہ ہوا ہوگا۔ مگر یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اعراف میں ہوں گے اور یہ بھی کہ وہ اپنے ماں باپ

جنت و جہنم کے درمیان واقع ٹیلوں کا نام ہے، جہاں ہر نبی اور ہر خلیفہ نبی اپنے زمانے کے گنہگاروں کو لے کر کھڑا ہوگا۔ جیسے امیر لشکر اپنے کمزور سپاہیوں کے ساتھ ہوتا ہے۔“ (تفسیر المیزان جلد ۸ صفحہ ۱۳۰-۱۳۱)

باب شفاعت اہل بیت میں ابو القاسم حسکانی کی یہ روایت گزر چکی ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام سے ابن الکواکب نے اسی آیت کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: ”وائے ہو تجھ پر اے ابن الکواکب، قیامت کے دن ہم جنت و جہنم کے درمیان کھڑے ہوں گے۔ پس جو ہماری مدد کرے گا ہم اسے اس کی نشانی سے پہچان لیں گے اور اسے جنت میں داخل کریں گے اور جو یہاں ہمارا دشمن ہوگا اسے بھی ہم اس کی نشانی سے پہچان لیں گے اور اسے جہنم میں بھیج دیں گے۔“

ہم نے جو کچھ ذکر کیا اس سے یہی مطلب نکلتا ہے کہ مقام اعراف پر کھڑے ہونے والے جو جنت و جہنم دونوں پر نگاہ رکھیں گے اور ہر ایک کو اس کی نشانی سے پہچانتے ہوں گے وہ صاحبانِ منزل و کرامت حضرت محمدؐ اور آلِ محمد علیہم السلام ہوں گے۔ یہ پہلے قول کا خلاصہ ہے۔

”دوسرا قول یہ ہے کہ مقام اعراف پر مردوں کی صورت میں ملائکہ کھڑے ہوں گے جو اہل جنت اور اہل جہنم دونوں کو پہچانتے ہوں گے یا یہ کہ لوگوں کے اعمال کے گواہ ہوں گے۔ اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ اگرچہ ملائکہ ہوں گے۔ مگر مردوں کی صورت رکھتے ہوں گے۔“

(تفسیر مجمع البیان جلد ۲ صفحہ ۴۲۳)

اور تیسرا قول یہ ہے کہ وہ اعراف پر کھڑے ہونیوالے لوگ ایسے ہوں گے جن کا نیکی اور بدی میں سے کسی جانب کوئی رجحان نہیں ہوگا۔ مثلاً

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ چھوٹے بچوں کو ان کے والدین کا درجہ دراصل ان کے والدین کی تکریم کے لیے دیا جائے گا۔“

(مجمع البیان جلد ۵ صفحہ ۱۶۵)

محقق طوسیؒ نے اپنی کتاب ”تجريد الاعتقاد“ میں تحریر فرمایا ہے: ”غیر مطلق کو عذاب دینا قبیح ہے“ (بحوالہ حق الیقین جلد ۲ صفحہ ۱۰۴)

نیز کافی میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ان کے آباء طاہرینؑ کی سند سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”خوبصورت بانجھ عورت سے نکاح نہ کرو۔ کیونکہ میں قیامت کے دن دوسری امتوں کے مقابل تم پر فخر کروں گا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ (مومنین کے) بچے عرش رحمن کے نیچے ہوتے ہیں اور اپنے والدین کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ ان کی نگہداشت کرتے ہیں اور مشک و عنبر زعفران کے پہاڑ پر جناب سارہ ان کی تربیت کرتی ہیں۔“ (حوالہ مذکور)

اور شیخ صدوق نے ”المفقیہ“ میں حدیث صحیح البوصیر سے روایت کی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ”جب مومنین میں سے کسی کا بچہ مرنے لگا تو ملکوت سموات وارض میں ایک منادی ندا کرتا ہے: آگاہ ہو کہ فلاں ابن فلاں مر گیا ہے۔ پس اگر اس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک یا ان کے گھر والوں میں سے کوئی مومن مر چکا ہوتا ہے تو وہ بچہ اسی کے حوالے کر دیا جاتا ہے، غذا و تربیت کے لیے۔ ورنہ وہ جنا فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی تربیت میں دے دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے والدین یا گھر والوں میں سے کوئی پہنچ جاتا ہے تو وہ اس کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔“

کے ساتھ جہنم میں ہوں گے۔ مگر اس کی حرارت سے اذیت نہ پائیں گے۔ کچھ لوگوں نے اطفال کفار کے بارے میں توقف اختیار کیا ہے اور ان کے معاملے کو خدا کے حوالے کیا ہے۔ کچھ دوسروں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں اپنے علم کے مطابق عمل کرے گا۔ اگر وہ مستحق عذاب ہوں گے تو انہیں عذاب دے گا، ورنہ نہیں۔

اس مضمون کی متعدد حدیثیں وارد ہوئی ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کو آزمانے کا مذکورہ عمل عالم برزخ میں واقع ہو کیونکہ عالم قیامت تو دار جزا ہے اور دار تکلیف نہیں ہے۔ بہر طور اللہ ان کے حال سے واقف ہے۔ جہاں تک مومنین کے بچوں کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ جنت میں داخل ہوں گے اور اس پر کتاب و سنت کے دلائل بھی ہیں۔ رب العزت فرماتا ہے:

”وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی، ہم ان کی اولاد کو ان سے ملحق کر دیں گے اور ان کے عمل میں کوئی کمی نہیں کریں گے۔“ (سورہ طور۔ آیت ۲۱)

اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ”ذریعت سے مراد مومنین کے چھوٹے بچے ہیں اور بڑے بچے نہیں، کیونکہ بڑے بچے تو خود اپنے ایمان سے اپنے والدین کی پیروی کرتے ہیں جبکہ چھوٹے بچے والدین کے ایمان سے ان کی پیروی کرتے ہیں۔ لہذا بچے پر ان کے والدین کے لحاظ سے اسلام کا حکم جاری کیا جاتا ہے اور ملحق کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ہم جنت میں ان کو ان کے والدین کے درجے میں رکھیں گے، جیسے وہ دنیا میں تھے۔“

حقیقت جنت

مغنی نہ رہے کہ آیات و احادیث کثیرہ متواترہ سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ جنت میں جو بے شمار نعمتیں ہوں گی وہ جسمانی طور پر محسوس کیے جانے کے قابل ہوں گی۔ یعنی جسمانی لذتیں ان سے حاصل ہوں گی۔ یہ عقیدہ ضروریات دین میں سے ہے اور مسلمانوں میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا ہے۔ جن لوگوں نے اس کا انکار کیا ہے جیسے ملاحدہ یا جنہوں نے اس کی تاویل کسی اور طرح پر کی ہے، ان کے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ وہ آیات قرآنیہ جن میں نعیم جنت کا ذکر ہے وہ صراحتہً اس جسم پر واقع ہوں گی جو عالم آخرت میں پیدا یا جائے گا۔

شیخ صدوقؒ کی کتاب ”صفات الشیخہ“ میں امام جعفر صادقؑ کا ارشاد گرامی ہے کہ ”وہ ہمارے شیعوں میں سے نہیں ہے جو ان چار چیزوں کا انکار کرے۔ معراج، سوال قبر، جنت اور جہنم کا وجود اور شفاعت“ (بحار الانوار جلد ۸ صفحہ ۱۹۶)

کتاب ”تنبیہ الخاطر“ میں مذکور ہے کہ ایک آدمی نے حضور اکرمؐ سے پوچھا: اے ابوالقاسم! کیا آپ گمان کرتے ہیں کہ اہل جنت کھائیں گے اور پیئیں گے؟ آپ نے فرمایا: ”ہاں! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، ہر ایک جنتی کو کھانے اور پینے میں ایک سو آدمیوں کی قوت عطا کی جائے گی“

اس آدمی نے پھر کہا: ”اگر ایسا ہے تو ظاہر ہے کہ کھانے والے کو قضاہ حاجت کی ضرورت پیش آئے گی، حالانکہ جنت پاک جگہ ہے اور وہاں ناپاکی کی کوئی گنجائش نہیں ہے“ حضورؐ نے فرمایا: جنتی کے

بدن سے مشک و عنبر کی خوشبو والا پسینہ نکلے گا، جس سے اس کا پیٹ ہلکا ہو جائے گا۔ (بحار الانوار جلد ۸ باب الجنت و نعیمہا)

شیخ صدوقؒ کی طرح بعض علماء کی رائے ہے کہ اہل جنت میں سے ایک گروہ ہوگا جن کو اللہ تعالیٰ کی تسبیح، تقدیس اور تکبیر بیان کرنے کی نعمت عطا کی جائے گی اور وہ لوگ فرشتوں میں شمار ہوں گے۔ ایک اور گروہ ہوگا، وہ لوگ انواع و اقسام کی ماکولات، مشروبات، قواک، ازواج مطہرات، حورو غلمان، طرح طرح کے ریشمی ملبوسات اور بیش بہا منکبہ گاہوں سے سرفراز ہوں گے۔ اس گروہ کا ہر فرد اپنی خواہش کے مطابق اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مستفید ہوگا۔

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اہل جنت میں کوئی ایسا گروہ نہیں ہوگا جو کھانے پینے وغیرہ کے بغیر تسبیح، تقدیس اور تکبیر باری تعالیٰ ہی سے لذت حاصل کرے گا۔ بلکہ ضروری ہے کہ ان کو ایسی نعمتیں ملیں جن کو اس قسم جان سکیں جیسا کہ شیخ مفیدؒ فرماتے ہیں: یوں کہنا کہ جنت میں انسان بھی ملائکہ کی طرح تسبیح، تقدیس اور تکبیر ہی سے تسکین حاصل کرے گا۔ یہ ایک ایسا قول ہے جو اسلام سے مغائرت رکھتا ہے۔ یہ ان لوگوں کا فرعومہ ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں خدا کے اطاعت گزار بندے جنت میں جا کر فرشتے بن جائیں گے، جو طعام، آب اور زوجیت سے بے نیاز ہیں لیکن خدائے تعالیٰ نے قرآن میں ان کے اس قول کو باطل ٹھہرایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا:

”اس کے میوے سدا بہار اور ایسے ہی اس کی چھاؤں بھی، یہ بدلہ ہے ان لوگوں کا جو (دنیا میں) پرہیزگار تھے“ (سورہ رعد- آیت ۳۵)

خلقتِ جنت و جہنم

جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ آیا جنت و جہنم دونوں اپنے اپنے مقامات پر خلقت شدہ موجود ہیں یا یہ کہ دونوں چیزیں قیامت میں پیدا ہونگی تو جہنم کے مسلمان کا یہی عقیدہ ہے کہ یہ دونوں اس زمانے میں بھی موجود ہیں۔ تاہم معتزلہ میں سے ابوہاشم اور قاضی عبد الجبار اور ان کے متبعین نے یہ قول شاذ اختیار کیا ہے کہ وجود جنت و جہنم پر جو دلیل دی جاتی ہے وہ ناکافی ہیں اور بعض نے تو فی الحال ان چیزوں کے وجود کو محال قرار دیا ہے۔ لیکن آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ ان کے خیال کو رد کرنے کے لیے کافی ہیں اور فرقہ رحمت پرست میں سے کوئی بھی ان کی رائے کی طرف مائل نہیں ہوا ہے۔

شیخ صدوقؒ تحریر فرماتے ہیں: یقیناً جنت و جہنم اس وقت بھی موجود ہیں۔ احادیث معصومینؑ اسی پر دلالت کرتی ہیں اور اہل شرع کا اسی پر اجماع ہے۔ اگرچہ معتزلہ، خوارج اور فرقہ زیدیہ کے ایک گروہ نے اس قول کی مخالفت کی ہے اور انہوں نے ان دونوں چیزوں کے فی الحال موجود ہونے کو ممکنات میں سے قرار دیا ہے، ان کا وجود ضروری تسلیم نہیں کیا ہے اور آیات و احادیث کے بارے میں توقف کیا ہے جبکہ بعض نے ان کو فی الحال محال قرار دیا ہے۔

(ادائل المقالات صفحہ ۱۰۲-۱۰۳)

اور شیخ صدوقؒ اپنی کتاب ”العقائد“ میں فرماتے ہیں: ”جنت اور جہنم کے بارے میں ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں فی الحال مخلوق و موجود ہیں اور نبی کریمؐ بوقت معراج جنت میں داخل ہوئے اور

”اس میں پانی کی نہریں ہیں جن میں ذرا بدبو نہیں“

(سورہ محمد - آیت ۱۵)

”وہ حوریں جو خیموں میں چھپی بیٹھی ہیں“ (سورہ رحمن - آیت ۷۲)

”اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہیں“ (سورہ واقعہ - آیت ۲۲)

”ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ان کی ترویج

کر دیں گے“ (سورہ دخان - آیت ۵۴)

”اور ان کے پہلوئیں نیچی نظروں والی (شرعیلی) ہم عمر

بیویاں ہوں گی“ (سورہ ص - آیت ۵۲)

”بہشت کے رہنے والے اور ان کی بیویاں آج (روز قیامت)

ایک نہ ایک مشغلہ میں جی ہلا رہے ہیں“

(سورہ لیس - آیت ۵۵-۵۶)

انہیں ملتی جلتی صورت و رنگ کے (میوے) ملا کریں گے

اور بہشت میں ان کے لیے صاف ستھری بیویاں ہوں گی“

(سورہ بقرہ - آیت ۲۵)

ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو اس نے اپنی قدرت کا ملہ سے عالم آخرت میں مومنین کے لیے ایک گھر بنایا ہے جس کا نام اس نے جنت رکھا ہے، وہ ان لوگوں کے لیے مخصوص ہے جو دنیا میں اس کے احکام کی پابندی کرتے رہے۔ لہذا خالق و موجد عالم کی بے پناہ قدرت کو ذہن میں رکھتے ہوئے جنت کی مذکورہ خصوصیات کے بارے میں ہرگز کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں۔

لے بحوالہ بحار الانوار جلد ۸ باب الجنة و نعيمها

”فرزند رسول! مجھے جنت و جہنم کے بارے میں خبر دیجیے۔ کیا یہ دونوں مخلوق اور موجود ہیں؟“

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”ہاں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تو آپ جنت میں داخل ہوئے اور آپ نے جنت کو دیکھا۔“ میں نے کہا: ”کچھ لوگ تو کہتے ہیں کہ یہ دونوں چیزیں ابھی تقدیر الہی میں ہیں اور ابھی پیدا نہیں ہوئی ہیں؟“ تو امام علیہ السلام نے فرمایا: ”وہ لوگ نہ ہم میں سے ہیں نہ ہم ان میں سے۔ جو شخص جنت و جہنم کے موجود ہونے سے انکار کرتا ہے، وہ نبی اکرمؐ اور ہم کو جھٹلاتا ہے۔ اسے ہماری ولایت کا کوئی حصہ نہیں ملا اور وہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہوگا۔“

پروردگار فرماتا ہے: ”یہ وہی جہنم ہے جس کی مجرمن تکذیب کرتے تھے۔ وہ اس میں اور کھولتے ہوئے پانی میں پھرتے رہیں گے۔“ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ”جب مجھے آسمان کی طرف بلند کیا گیا تو جبریلؑ نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے جنت میں داخل کیا اور مجھے اس کی کچھ تازہ کھجوریں دیں جنہیں میں نے کھایا جس سے نطفہ بنا اور جب میں خدیجہؓ کے پاس گیا تو اسی نطفے سے فاطمہؑ کی تخلیق ہوئی جو انسانی حور ہیں۔ اسی وجہ سے جب میں خوشبوئے جنت کا مشاق ہوتا ہوں تو اپنی بیٹی کی خوشبو سن کر کہتا ہوں۔“ (بحار الانوار جلد ۸ صفحہ ۱۱۹)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جناب رسول اللہ حضرت فاطمہؑ کو اکثر و بیشتر بوسہ دیا کرتے تھے۔ ان کے باپ پران کے شوہر پر اور ان کی اولاد پر تحیہ و سلام ہو۔ حضرت عائشہؓ نے اس پر اعتراض کیا تو رسول اللہؐ نے فرمایا: ”اے عائشہ! جب مجھے آسمان پر لے جایا گیا تو

جہنم کو بھی دیکھا۔ ہمارا اعتقاد یہ بھی ہے کہ کوئی شخص دنیا سے نہیں جاتا۔ مگر یہ کہ وہ موت سے پہلے ہی جنت یا جہنم دیکھ لیتا ہے۔ یوں جب دنیا سے جانے لگتا ہے تو اس کے سامنے دنیا کی زندگی بھی بہترین صورت میں پیش کی جاتی ہے اور اسے آخرت کی زندگی میں اس کا مقام بھی دکھایا جاتا ہے پھر اسے ان دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا موقع دیا جاتا ہے تو وہ آخرت کو پسند کر لیتا ہے۔ تب اس کی روح قبض کی جاتی ہے۔ عادتہ کہا جاتا ہے کہ ”فلاں شخص اپنی جان دے رہا ہے“ تو کوئی بھی انسان اپنی کوئی چیز جبر و قہر سے نہیں دیتا بلکہ اپنی مرضی سے دیتا ہے۔ جہاں تک حضرت آدم علیہ السلام کی جنت کا تعلق ہے تو وہ اسی دنیا کے باغوں میں سے کوئی باغ تھا۔ جہاں سورج طلوع اور غروب ہوتا تھا۔ وہ جنت الخلد نہیں تھی۔ کیونکہ اگر وہ جنت الخلد ہوتی تو وہ اس میں سے کبھی نہ نکلتے۔

(بحوالہ حق الیقین جلد ۲ صفحہ ۱۴۸)

علی ابن ابراہیمؑ اس آیت ”اور یقیناً انہوں نے اس کو دوسری مرتبہ سدرۃ المنتہی کے پاس اترتے دیکھا۔“ (سورہ نجم۔ آیت ۱۳-۱۴) کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ وہ ساتواں آسمان تھا اور جہاں تک ان لوگوں کے رد کا سوال ہے جو جنت و جہنم کے وجود سے انکار کرتے ہیں تو اس کے لیے یہ قول باری کافی ہے: ”اسی کے پاس جنت المادوی ہے۔“ (سورہ نجم آیت ۱۵) یعنی سدرۃ المنتہی کے پاس ہے۔ معلوم ہوا کہ سدرۃ المنتہی ساتویں آسمان پر ہے اور اسی کے پاس جنت المادوی ہے۔

(بحوالہ بحار الانوار جلد ۸ صفحہ ۱۳۳)

ان ہی علی ابن ابراہیمؑ نے اپنے باپ کے حوالے سے ہروی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے کہا:

میں جنت میں داخل ہوا۔ وہاں جبریل مجھے شجر طوبی کے پاس لے گئے اور مجھے اس کا پھل دیا تو میں نے اسے کھایا۔ پس اللہ نے اسی کو میرے صلب میں نطفہ بنا دیا۔ پھر جب میں زمین پر آیا اور قدیمہ کے پاس گیا تو اس سے فاطمہ کی خلقت ہوئی۔ لہذا جب بھی میں فاطمہ کو بوسہ دیتا ہوں تو شجر طوبی کی خوشبو ان میں محسوس کرتا ہوں۔

(بخاری الاوار جلد ۸ صفحہ ۱۱۹)

جنت اور اس کی نعمتیں

وہ مومنین متقین جنہوں نے دنیا اور اس کی فانی نعمتوں کے ساتھ اللہ سے ابدی نعمتوں کا سودا کیا، اللہ نے ان کے لیے اس دار بقی میں ایسی ایسی انواع و اقسام کی نعمتیں اور لذتیں مہیا کر رکھی ہیں جن کی حقیقت اس دنیا کے لوگ سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اس دنیا میں دار آخرت سے متعلق ہماری مثال ویسی ہے جیسے رحم مادر میں رہنے والا بچہ کہ بیرونی دنیا اور اس کی وسعتوں کے بارے میں وہ تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح آخرت اس کی وسعت اور اس کی نعمتوں کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اسی وجہ سے قرآن مجید میں مجملًا بیان کیا گیا ہے:

”پس کوئی شخص بھی نہیں جانتا کہ (اللہ نے) ان کے لیے وہاں کیسی کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک مہیا کی ہے“

(سورۃ سجدہ - آیت ۱۷)

اور عمومی طور پر جنت کی نعمتوں کو اللہ نے یوں بیان کر دیا ہے:

”ان (اہل جنت) کے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس اس سے بھی زیادہ ہے“ (سورۃ ق - آیت ۳۵)

اور فرمایا:

”وہ لوگ اپنی دل پسند چیزوں میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے“ (سورۃ انبیاء - آیت ۱۰۲)

خلاصہ یہ کہ وہ گھر ایسا ہے جہاں نہ کوئی محرومی ہوگی نہ کوئی کدورت، جہاں نہ کوئی حزن و ملال ہوگا، نہ کمزوری، نہ بڑھاپا، نہ مرض نہ مشقت۔

بلکہ وہاں ہر ناپسندیدہ چیز سے سلامتی و محفوظیت ہوگی۔ اسی وجہ سے اس کو دار السلام کہتے ہیں۔ اہل جنت کے لیے صحیح معنوں میں اقتدار ہوگا۔ یعنی جس چیز کا وہ ارادہ کریں گے، اسے حاصل کر لینے پر انھیں پوری قدرت ہوگی۔ اسی لیے حدیث میں ہے: ”اہل جنت بادشاہ ہوں گے“

اور اللہ تعالیٰ سورۃ دہر میں فرماتا ہے:

”اور اگر تم وہاں دیکھو، تو نعمتوں اور ملکِ کبیر کو دیکھو گے“

(سورۃ دہر - آیت ۲۰)

پس ہم یہاں جنت کی ان چند نعمتوں کا ذکر کرتے ہیں جن کی طرف قرآن مجید نے اشارہ کیا ہے۔

جنت کا کھانا پانی

اللہ تعالیٰ اہل جنت کے کھانے پینے کے بارے میں فرماتا ہے:

”اور وہاں تازہ پھل ہوں گے جن میں سے وہ جسے چاہیں

گے چھانٹ لیں گے اور ان کی پسند کے مطابق پرندوں

کے گوشت ہوں گے“ (سورۃ واقفہ - آیت ۲۰-۲۱)

اور پھر فرماتا ہے: ”بہت سے تازہ پھل ہوں گے، جو نہ ختم ہونے والے ہوں گے،

نہ ان سے روکا جائے گا“ (سورۃ واقفہ - آیت ۳۳)

اور فرمایا:

”اس جنت میں تازہ پھل ہوں گے۔ کھجوریں اور انار ہوں گے“
(سورہ رحمن۔ آیت ۶۷)

اور فرمایا:

”ان کا رب ان کو شرابِ طہور پلائے گا“
(سورہ دہر۔ آیت ۲۱)

اور فرمایا:

”اس (جنت) میں صاف پانی کی نہریں ہوں گی اور ایسے دودھ کی نہریں جس کا ذائقہ نہ بگڑے گا اور شراب کی نہریں جو پیئے والوں کے لیے باعث لذت ہوں گی“
(سورہ محمدؐ۔ آیت ۱۵)

جنت میں بہت سے چشمتے بھی ہوں گے اور ان میں سے ہر ایک کی لذت و حلاوت جداگانہ ہوگی۔ مثلاً ایک کافوری چشمتہ ہوگا۔ جس کے بارے میں ارشاد باری ہے:

”یقیناً نیکو کار لوگ وہ جام پئیں گے جس کا مزاج کافوری ہوگا“
(سورہ دہر۔ آیت ۵)

اور ایک چشمتہ زنجبیل ہوگا جو سلسبیل کہلائے گا۔ ارشاد باری ہے:

”اور وہاں انہیں وہ جام پلایا جائے گا جس کا مزاج زنجبیلی ہوگا۔ وہ چشمتہ جس کا نام سلسبیل ہوگا“

(سورہ دہر۔ آیت ۱۷-۱۸)

اسی طرح ایک چشمتہ تسنیم ہوگا۔

ارشاد باری ہے:

”اور اس جام کا مزاج تسنیم سے ہوگا۔ وہ چشمتہ جس سے مقربین پئیں گے“
(سورہ المطففین۔ آیت ۲۷-۲۸)

ان تمام چشمتوں میں سب سے اہم نہر کوثر کی ہوگی جو عرش الہی کے نیچے سے رواں ہوگی۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا اور مکھن سے زیادہ تر ہوگا۔ اس کے سنگریزے زبردیا قوت اور مرجان کے ہوں گے۔ اس میں زعفران اگی ہوئی ہوگی اور اس کی مٹی مشک سے زیادہ خوشبودار ہوگی۔ احادیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ وہ تختِ عرش سے جنت تک رواں ہوگی اور زمینِ محشر میں اسی پر نہایت عظیم حوض بنا ہوگا۔

لباسِ جنت

ارشاد باری ہے:

”اور ان لوگوں کو وہاں سونے کے کڑے پہنائے جائیں گے اور وہ سندس اور استبرق کے سبز لباس پہنے ہونگے“
(سورہ کہف۔ آیت ۳۱)

پھر یہ ارشاد ہے:

”ان کا لباس ریشمی ہوگا“
(سورہ حج۔ آیت ۲۳)

جناب رسالتِ مصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ”جب مومن اپنے جنت کے گھروں میں داخل ہوں گے تو ان کے سروں پر ملک و کرامت کا تاج رکھا جائے گا۔ انھیں سونے چاندی کے زیورات پہنائے جائیں گے۔ ان کے تاج کے نیچے یا قوت اور موتی کی لڑیاں ہونگی

جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اسی صورت سے وہ میدانِ حشر میں وارد ہوگا۔
(بخارالانوار جلد ۸ صفحہ ۱۲۶)

قصرِ ہائے جنت

ارشادِ باری ہے:

”اور اللہ تم کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور پاکیزہ مکانات ہیں جو جنت عدن میں ہوں گے۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔“

(سورۃ صف- آیت ۱۲)

یہ مفہوم قرآن مجید میں بار بار بیان کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”ان کے لیے کمرے ہوں گے، جن کے اوپر بھی کمرے بنے ہوں گے اور نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔“

(سورۃ زمر- آیت ۲۰)

علامہ طبری نے اپنی تفسیر مجمع البیان میں لکھا ہے کہ ”جنت کے فحروں کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی“ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”وہ اپنے کمروں میں بے خوف ہوں گے۔“

(سورۃ سبا- آیت ۳۷)

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جنت میں نہریں بغیر کھدائی کے جاری رہیں گی۔ اور ”مساکنِ طیبہ“ کی تفسیر میں انہوں نے لکھا ہے: ”وہ ایسے گھر ہوں گے جن میں زندگی نہایت عمدہ ہوگی۔ اللہ نے ان کو موتیوں، سرخ یا قوت اور سبز زبرجد سے بنایا ہے۔“

(بخارالانوار- جلد ۸ صفحہ ۸۹)

اور مختلف رنگوں کے ستر جوڑے پہنائے جائیں گے جو سونے اور چاندی کے تاروں، موتیوں اور سرخ یا قوت سے مرصع ہوں گے۔“

(بخارالانوار جلد ۸ صفحہ ۱۲۸)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ”مومن کے ہر عمل نیک کا ثواب قرآن مجید میں مذکور ہے، سوائے نماز شب کے۔ کیونکہ اللہ نے اس کے ثواب کی عظمت و کثرت کے پیش نظر اس کا ثواب بیان نہیں کیا۔ بس یہ فرمایا: ”ان کے پہلو بستروں سے تآثر نہ رہتے ہیں۔ وہ اپنے پروردگار کو خوف و طمع کے ساتھ پکارتے ہیں اور ہم نے ان کو جو رزق دیا ہے اس میں سے وہ (راہِ خدا میں) خرچ کرتے ہیں۔ پس کوئی نہیں جانتا کہ ان کے لیے کس قدر اہمکھوں کی ٹھنڈک چھپا کے رکھی گئی ہے۔ ان کے عمل کی جزا کے طور پر۔“ (سورۃ سجدہ- آیت ۱۶-۱۷)

پھر امامؑ نے فرمایا: ”پروردگار اپنے مومن بندوں کے لیے ہر یوم جمعہ ایک کرامت رکھتا ہے۔ وہ بندہ مومن کی طرف ایک فرشتے کو بھیجتا ہے، جس کے ساتھ ایک حملہ ہوتا ہے۔ وہ فرشتہ بابِ جنت پر پہنچ کر اس کے نام سے اجازت طلب کرتا ہے۔ جب اس مومن کو اس کا پیغام پہنچتا ہے تو وہ اپنی ازواج سے کہتا ہے: ”تم میرے اوپر سب سے اچھا لباس کوںسا سمجھتی ہو؟“ وہ جواب دیتی ہیں: ”اے ہمارے سرزارِ اقسام ہے اس ذات کی جس نے آپ کو جنت عطا کی ہے، یہ لباس جسے آپ کے پروردگار نے بھیجا ہے۔ اس سے بہتر تو ہم نے دیکھا ہی نہیں۔“ پس وہ بندہ مومن اسے زیب تن کر لیتا ہے اور وہ جہاں سے گزرتا ہے، منیا پاشی کرتا

معنی ہیں نیچی گہرائی والا، اسی وجہ سے آخرت کی آگ کو جہنم کہا گیا۔ اللہ تعالیٰ
برادران ایمانی کو اس سے اپنی پناہ میں رکھے۔“

ارشاد ربانی ہے :

”یہ وہی جہنم ہے جس سے تمہیں ڈرایا جاتا تھا“
(سورہ یس۔ آیت ۶۳)

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

”اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے آپ کو اور اپنے
گھر والوں کو اس آگ سے بچائے رکھو جس کا ایندھن
انسان بھی ہوں گے اور پتھر بھی۔ اس پر نہایت
سخت و شدید فرشتے متعین ہوں گے جو اللہ کے حکم کی
ذرا سی بھی نافرمانی نہیں کریں گے بلکہ وہی کریں گے
جس کا ان کو حکم دیا جائے گا۔“ (سورہ تحریم۔ آیت ۶)

اور حق یہی ہے کہ یہ آتش جہنم، اس کی سختیاں اور سزائیں، سانپ، بچھو
اور دوسری تمام ایذا رساں چیزیں جن سے مجرمین کو ڈرایا گیا ہے،
محسوسات جسمانیہ میں سے ہوں گی جیسا کہ تمام اہل شریعہ کا اجماع و
اتفاق ہے۔ یہ ایذا رساں چیزیں نہ خیالی و مثالی ہوں گی نہ عقلی و حافی
محض، جیسا کہ حکما کا خیال ہے۔

ایندھن سے مراد کڑی ہے اور اس آگ میں مجرم لوگ اور پتھر
بطور ایندھن ڈالے جائیں گے۔ جہاں تک پتھر کا تعلق ہے تو اس سے
مراد گندھک کا تودہ ہے۔ جس سے آگ کی حرارت اور بھی تیز ہوگی۔ کیونکہ
جلفے پر وہ گرم ترین چیز ہوتی ہے جیسا کہ ابن مسعود و ابن عباس کا بیان ہے۔

تفسیر علی ابن ابراہیم میں امام محمد باقرؑ کی سند سے روایت ہے
کہ حضرت علی علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غزوہ
(یعنی جنت کے مکروں) کے بارے میں پوچھا تو آنحضرتؐ نے فرمایا: ”اے علی!
اللہ نے اپنے دوستوں کے لیے ان گھروں کو موتی، یا قوت اور زبرد سے
بنایا ہے۔ ان کی چھتیں سونے اور چاندی سے بنی ہیں۔ ہر کمرے میں ہزار
سنہری دروازے ہوں گے اور ہر دروازے پر ایک فرشتہ متعین ہوگا
خدمت کے لیے۔ ان میں جزیرہ و دیباچ کے رنگ برنگے بستر ہوں گے۔
جن میں مشک و عنبر اور کافور بھرے ہوں گے۔“ ارشاد باری ہے :
”اور بلند بستر ہوں گے۔“ (بحار الانوار جلد ۸ صفحہ ۱۲۸)

علامہ طبرسیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں کہ ”ان لوگوں کو ان کے
صبر کے بدلے (جنت میں) کمرے دیے جائیں گے“ (سورہ فرقان۔ آیت ۵)
یہ تحریر کیا ہے کہ انہیں جنت میں بلند درجہ دیا جائے گا اور کہا گیا ہے
کہ یہ کمرے زبرد، موتی اور یا قوت کے ہوں گے۔

(بحار الانوار جلد ۸ صفحہ ۹۲)

جہنم اور اس کے متعلقات

لفظ جہنم کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ عربی کا لفظ نہیں ہے اور
اس سے مراد آخرت کی آگ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ عربی لفظ ہے
اور یہ نام اس کی سخت گہرائی کی وجہ سے پڑا۔ لغت کی کتاب ”المصباح“
میں کہا گیا ہے کہ یہ لفظ تشدید نون کے ساتھ خماسی (یعنی پنج حرفی الفاظ)
سے ملتی ہے اور فارسی زبان سے عربی میں لیا گیا ہے لیکن دوسری کتاب
”القاموس“ میں کہا گیا ہے کہ یہ لفظ جہنم مثل عملس کے ہے۔ اس کے

اس پر تین پل ہوں گے۔ ایک پر امانتداری و صلہ رحمی ہوگی، دوسرے پر نماز ہوگی اور تیسرے پر اس رب العالمین کا عدل ہوگا جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ تب ان تمام لوگوں کو اس پر سے گزرتے کا حکم ہوگا۔ امانتداری و صلہ رحمی جو جسم ہوں گی، گزرنے والوں کو روکیں گی۔ اگر وہاں سے نجات مل گئی تو نماز (جو جسم ہوگی) وہ روکے گی۔ اگر وہاں سے بھی چھٹکارا مل گیا تو پھر رب العالمین کی بارگاہ میں پہنچنا ہوگا۔ اسی کی طرف اس ارشاد بانی میں اشارہ ہے:

”یقیناً تمہارا رب کمین گاہ میں ہے“ (سورہ فجر- آیت ۱۴)

لوگ صراط پر سے یوں گزر رہے ہوں گے کہ کوئی ہاتھ سے ٹکنا ہوگا، کسی کا ایک قدم پھسلا تو دوسرے سے سنبھل گیا۔ ملائکہ اس کے ارد گرد پکار رہے ہوں گے: ”اے حلیم بخش دے اور درگزر کرنے۔ پھر اپنا فضل کر اور سلامت رکھ“ لوگ جہنم میں پروانوں کی طرح گدھ رہے ہوں گے۔

ان حالات میں جو اللہ کی رحمت سے نجات پا کر گزر جائے گا۔ وہ کہے گا: ”الحمد للہ اسی کی نعمت سے نیکیاں پوری ہوتی ہیں اور حسنات میں نشوونما ہوتی ہے۔ ساری حمد ہے اس اللہ کے لیے جس نے مجھے نایاب نعمت دی اپنے فضل و کرم سے۔ یقیناً ہمارا پروردگار غفور و شکور ہے“ (بحار الانوار جلد ۸ صفحہ ۶۵)

جناب رسالتؐ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ”جب میں شب معراج براق پر سوار ہوا اور چلا تو میں نے اپنے پیچھے بہت بڑی گھڑ گھڑا ہٹ سنی، جیسے آسمان زمین پر گر پڑا ہو۔ میں نے جبریلؑ سے کہا:

میں کہتا ہوں کہ آتش جہنم اور اس کی اذیتوں کا سمجھنا یا تصور کرنا ہماری عقل سے باہر ہے۔ کیونکہ آخرت کی چیزوں کو ہم دنیا کی چیزوں ہی پر قیاس کر سکتے ہیں۔ حالانکہ وہ یہاں کی چیزوں سے کہیں زیادہ پائیدار ہیں۔ یہی حال جنت کی نعمتوں کا بھی ہے کہ ہم انھیں بس یہاں کی نعمتوں پر قیاس کر کے سمجھ سکتے ہیں۔ جبکہ جنت کی خوبیوں کے بارے میں کہا گیا ہے، وہ ایسی ہوں گی جن کو نہ ہم میں سے کسی کی آنکھ نے دیکھا ہوگا، نہ کسی کے کان نے سنا ہوگا، نہ ذہن بشر میں ان کا تصور ہی آتا ہوگا۔

امام باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی: ”اور اس دن جہنم کو پیش کیا جائیگا۔“ (سورہ فجر- آیت ۲۳) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے بارے میں پوچھا گیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: ”مجھے روح الامین نے خبر دی ہے کہ اللہ جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ جب اولین و آخرین کو جمع کرے گا تو ایک لاکھ غلاظ و شداد فرشتے ایک ہزار طنائوں سے کھینچ کر جہنم کو میدان حشر میں ملائیں گے۔ اس میں سے نہایت خوفناک شور اور ہیکے اٹھ رہے ہوں گے۔ اگر اللہ عز و جل نے لوگوں کو حساب کے لیے نہ روکا ہوتا تو وہ ایک ہی پکے میں سب کو اپنی پیٹ میں لے لیتی۔ پھر اس میں سے گردن کی مانند ایک شعلہ بلند ہوگا جو تمام خلایق کو جہنم میں نیک و بد شامل ہوں گے اپنے گھیرے میں لے لے گا۔ اس وقت ہر بندہ خدا خواہ وہ فرشتہ ہو یا نبی، پکارنے لگے گا: ”پروردگار! میرا نفس، میرا نفس!“ اور میں آواز دوں گا: ”میری امت، میری امت!“ پھر صراط (یعنی وہ راستہ) جو بال سے زیادہ باریک اور نوار کی دھار سے زیادہ تیز ہوگا، نصب کیا جائے گا۔

”یہ خوفناک آواز کیسی ہے؟“ انہوں نے کہا: ”جہنم کے کنارے پر ایک بہت بڑا پتھر تھا، جس کے بارے میں مجھے حکم ہوا کہ اسے جہنم میں ڈال دوں۔ چنانچہ میں نے آج سے ستر سال پہلے اپنے پر سے اسے دھکیل دیا تھا۔ اس وقت وہ جہنم کی تہ میں پہنچا ہے۔“ (انوار نعمانیہ، جزائری صفحہ ۴۷۳)

جہنم میں ایسے ایسے سانپ اور کچھو ہیں جن کی حقیقت کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ اللہ نے فرمایا: ”جب قیامت کا دن ہوگا تو جہنم سے ایک سانپ نکلے گا۔ جس کا نام حریش ہوگا۔ اس کا سر تو ساتویں آسمان پر ہوگا اور اس کی دم زمین کے سب سے نچلے حصے میں ہوگی۔ اس کا منہ مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوگا اور وہ بلند آواز سے پکار رہا ہوگا: ”کہاں ہیں وہ لوگ جنہوں نے اللہ و رسولؐ سے محارب کیا ہے؟“ جبریل امین کہیں گے: ”اے حریش! تو کس کو ڈھونڈ رہا ہے؟“ وہ کہے گا: ”میں پانچ قسم کے لوگوں کی تلاش میں ہوں۔ اول تارک الصلوٰۃ، دوم ملغ زکوٰۃ، سوم شارب خمر، چہارم سود خور اور پنجم وہ لوگ جو مسجدوں میں دنیا کی باتیں کرتے تھے۔“ (انوار نعمانیہ از سید نعمت اللہ جزائری صفحہ ۴۷۳)

اور ارشاد معصوم ہے کہ ”جہنم میں ایسے ایسے بچھو ہیں جو موٹے تازے خجروں کی مانند ہیں۔ وہ جس کسی کو ڈسیں گے وہ چالیس برس تک اس کی تکلیف محسوس کرے گا۔“ (حوالہ مذکور)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”جب فیصلہ ہو چکے گا تو شیطان (اپنی پیروی کرنے والوں سے) کہے گا: یقیناً اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا اور اس

کا وعدہ حق ہے اور میں نے تم لوگوں سے وعدہ کیا تو میں نے اس کی خلاف ورزی کی۔ میرا تم لوگوں پر کوئی (جبری) اقتدار نہیں تھا، سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں (اپنی طرف) دعوت دی تو تم نے اسے قبول کر لیا۔ پس تم لوگ مجھ کو ملامت نہ کرو، بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔ نہ میں تم کو بچا سکتا ہوں، نہ تم مجھے بچا سکتے ہو۔ میں ان تمام چیزوں سے انکار کرتا ہوں جن میں تم مجھے شریک کرتے رہے ہو، اس سے پہلے“ (سورہ ابراہیم - آیت ۲۲)

اس کی تفسیر میں مروی ہے کہ جب فیصلہ ہو چکے گا، یعنی اہل جنت اپنی جنت میں جا چکیں گے اور اہل جہنم وہاں داخل ہو چکیں گے تو جہنم کے بیچ میں شیطان کے لیے ایک منبر نصب ہوگا جس پر وہ آگ کی ایک چھڑی لیے ہوئے سوار ہوگا اور کفار اس کے گرد جمع ہو کر اس کو ملامت کر رہے ہوں گے تب وہ ان سے خطاب کرتے ہوئے کہے گا: ”یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی بھیجے، جنہوں نے تم لوگوں کو جنت کی طرف بلایا اور اللہ کا وعدہ حق تھا۔ مگر تم لوگوں نے ان کی دعوت قبول نہیں کی۔ اس کے برخلاف میں نے تم لوگوں کو آتش جہنم کی طرف بلایا اور تمہیں جھوٹی تمناؤں دلائیں تو تم لوگوں نے میری بات مان لی۔ پس اب مجھ کو ملامت نہ کرو بلکہ ملامت تو خود تم پر ہے کیونکہ مجھے تم پر جبر کرنے کا کوئی اختیار نہیں تھا اور تم نے میری دعوت کو اپنے اختیار سے قبول کیا۔ لہذا اب آج تم میری مدد کر سکتے ہو نہ میں تمہاری۔“ (انوار نعمانیہ صفحہ ۴۷۳)

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ”جب اہل جہنم

اپنے ٹھکانوں پر پہنچ چکیں گے تو وہ تم لوگوں (یعنی شیعیان آل رسولؐ) کو تلاش کریں گے۔ مگر وہ تم میں سے کسی کو بھی وہاں نہ دیکھیں گے۔ پس وہ آپس میں کہیں گے:

”ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم یہاں ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جنہیں ہم اشرار (یعنی نہایت برے لوگوں) میں شمار کیا کرتے تھے۔ ہم نے ان کا مذاق بنایا ہے یا یہ کہ آنکھیں ان کی طرف سے چکا چوند ہو گئی ہیں؟“
(سورہ حق - آیت ۶۲-۶۳)

امامؑ نے فرمایا:

”یقیناً اہل جہنم کی وہ آپس کی لڑائی حق ہے۔“

(سورہ حق - آیت ۶۴)

وہ تم لوگوں کے بارے میں جھگڑا کر رہے ہوں گے ان باتوں کے متعلق جو وہ دنیا میں کہا کرتے تھے، (انوار نعمانیہ صفحہ ۴۷۷) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہی کے متعلق روایت ہے کہ آپ سے ایک شخص نے کہا: ”فرزند رسول! مجھے خوفِ خدا سے ڈرائیے کہ میرا دل سخت ہو گیا ہے۔“

امامؑ نے فرمایا: ”اس طوفانی زندگی میں آخرت کے لیے اپنے کو تیار کرو۔ ایک دن حضرت جبریلؑ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یوں آئے کہ وہ کبیدہ خاطر معلوم ہوتے تھے۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ ہمیشہ مسکراتے ہوئے آیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سبب پوچھا تو کہا: اے محمد! میں جہنم کی

پھونکنیاں نصب کر کے آیا ہوں۔“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضاحت طلب کی تو کہا: ”اللہ عزوجل نے حکم دیا تو آتشِ جہنم ہزار سال تک پھونکی گئی۔ یہاں تک کہ وہ سفید ہو گئی۔ پھر دوسرے ہزار سال تک اسے پھونکا گیا تو وہ سرخ ہو گئی۔ پھر تیسرے ہزار سال تک اسے پھونکا گیا تو وہ سیاہ ہو گئی۔ پس اب وہ نہایت سیاہ ہے۔ اگر اس کی پھلی ہوئی آگ کا ایک قطرہ دنیا کے پانی میں پڑ جائے تو تمام اہل دنیا اس کی بدبو سے مر جائیں گے اور جہنم میں ایک وادی ہے جس کا نام ”فلس“ ہے۔ اس میں ہزار سال تک آگ پھونکی جاتی رہی مگر وہ نہ بھڑکی۔ پھر جب وہ بھڑکی تو اس نے تمام آگ کو اپنی پیٹ میں لے لیا۔“

اگر کوئی یہ کہے کہ مذکورہ دونوں حدیثوں میں بظاہر منافات معلوم ہوتی ہے۔ پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آتشِ جہنم میں بڑی روشنی ہوگی جس میں اہل جہنم ان لوگوں کو ڈھونڈنے کی کوشش کریں گے جنہیں وہ دنیا میں برا سمجھتے تھے، یعنی اہل ایمان کو! اور دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آتشِ جہنم سخت تاریک ہوگی۔ جس میں گندھک کے پتھر جلانے جائیں گے۔ پس وہ سیاہی درسیا ہی ہوگی تو میں جواب دوں گا کہ جہنم کے بہت سے طبقے ہیں اور غالباً ہر طبقے کی علیحدہ خصوصیت ہے۔ کہیں روشنی ہوگی تو کہیں تاریکی!

امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے جہنم کے سات درجے بنائے ہیں۔“

(انوار نعمانیہ صفحہ ۴۷۷)

توبہ

حقیقت توبہ یہ ہے کہ بندہ خدا گناہوں کے ارتکاب کے بعد ان نقصانات کا احساس کر کے جو حقیقت سعادتِ ابدیہ کے لیے ہلک زہر کی حیثیت رکھتے ہیں، 'نادم و شرمندہ' ہو۔ اس طرح وہ بندہ خدا گناہوں کی آلودگی سے اپنے دل کو پاک کر کے اور آئندہ کے لیے کبھی گناہ نہ کرنے کا عزم کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور ساتھ ہی جن امور کا تدارک ممکن ہوتا ہے ان کا تدارک بھی کرتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ حقیقت توبہ بالترتیب تین باتوں سے صورت پذیر ہوتی ہے :

اول یہ کہ بندہ خدا کو اس امر کا علم و احساس ہو کہ گناہوں کے ارتکاب سے آخرت کی زندگی میں ضررِ عظیم اور ہمیشہ کی ہلاکت کا خطرہ پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ گناہ اس کے اور اس کے پروردگار کے مابین دوری کا باعث ہوتا ہے اور وہ سعادت سے محروم ہو جاتا ہے۔

دوم یہ کہ ارتکابِ گناہ پر اس کے دل میں تاسف و اہم کی کیفیت پیدا ہو۔ کیونکہ گناہ نے اس کے اور اس کے محبوب پروردگار کے درمیان دوری پیدا کر دی۔ ظاہر ہے کہ یہ حالت اس وقت پیدا ہوگی جب گناہ کرنے والے کو اس کے نقصانات کا علم و احساس ہوگا۔

سوم یہ کہ مذکورہ حالتوں کے بعد وہ ترکِ گناہ اور تدارک کا عزم بالجزم کرے۔

یہ تینوں باتیں ایک دوسری سے مربوط اور بالترتیب ہیں۔ کیونکہ گناہوں کے نقصان کا علم و احساس افسوس اور تدامت پیدا کرتا ہے اور

یہی جذبہ افسوس و تدامت حال و مستقبل میں ترکِ گناہ اور تلافیِ مافات پر آمادہ کرتا ہے۔ انہی امور کی مجموعی کیفیت کو توبہ کہتے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "توبہ اللہ کی رستی ہے۔ (یعنی رابطہ کا ذریعہ ہے) اور اس کی عنایات کے لیے مدد ہے۔ پس ہر بندہ خدا کے لیے ہر حال میں ہمیشہ توبہ کرتے رہنا ضروری ہے"

علامہ بریں بندگانِ خدا میں سے ہر طبقہ کے لیے جداگانہ سبب توبہ ہوتا ہے۔ پس انبیاء و معصومین علیہم السلام کی توبہ اضطرابِ رموز کے باعث ہوتی ہے۔ اصفیا کی توبہ ذکرِ خدا کے سوا کسی اور چیز سے فرحت کے سبب ہوتی ہے۔ اولیاء کی توبہ خطرات کے رنگِ برنگے ہونے سے ہوتی ہے۔ خواص کی توبہ غیر اللہ کے ساتھ مشغول ہونے پر ہوتی ہے اور عوام کی توبہ گناہ کے سرزد ہونے پر واقع ہوتی ہے۔ ان میں سے ہر طبقہ کے افراد کی جداگانہ معرفت ہے۔ جداگانہ علم ہے اور جداگانہ انجام ہے۔ (بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۳۱)

ہر فرد پر توبہ کے واجب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ کوئی شخص جب سن تمیز و ذمہ کو پہنچتا ہے تو اس کے جسم میں موجود شہوات و عقول یعنی شہا طین اور ملائکہ کے لشکروں کے درمیان آویزش کا آغاز ہو جاتا ہے۔ پھر قوتِ شہوات و غضب اور تمام بری صفات کے تکمیل کو پہنچنے کے بعد ہی قوتِ عقل تکمیل پاتی ہے۔ بالآخر اس نزاع میں عقل اور شریعت کے غلبے کی بنا پر اللہ کے لشکر کو شیطان کے لشکر پر فتح حاصل ہوتی ہے۔ تب نفسِ انسانی پسندیدہ صفات اور اللہ کی عبادت کی طرف مائل ہوتا ہے۔ پس وجوبِ توبہ کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں کہ نفسِ انسانی نیکی

عمر کے مثل کس طرح ہو سکتی ہے؟ اسے ماضی سے عبرت حاصل کر کے مستقبل کو آراستہ کرنا چاہیے۔

جس نے اپنی عمر کی قدر اور اس کے فائدے کو پہچان لیا، لیکن اس سے سعادت ابدی حاصل نہیں کی ہے، وہ یہ احساس کر لیتا ہے کہ توبہ کے بغیر گناہ میں گزری ہوئی عمر اس کے لیے کتنی حسرت اور تدامت کا باعث ہے کیونکہ اگر کسی عقلمند آدمی کو کوئی بیش قیمت جوہر مل جائے اور وہ اسے ضائع کر دے تو وہ اس پر یقیناً روتا ہے۔ پھر اگر یہ ضیاع اس کی ہلاکت کا سبب بھی بن جائے تو اس کا رونا اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان کے لیے اس کی ہر سانس ایک قیمتی جوہر ہے۔ اس کی زندگی کے علاوہ کوئی اور چیز انسان کو سعادت ابدی تک پہنچانے اور شقاوت سرمدی سے نجات دلانے والی نہیں ہے۔ جس نے اپنی زندگی کو غفلت میں گنوا دیا وہ ظاہری خسارت کا شکار ہوا اور جس نے اس کو معصیت میں گزارا اس کو ہلاکت ابدی نے نکل لیا۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہر بندے کو دوبارہ اہام کرتا ہے۔ پہلی بار اس وقت جب وہ بطن مادر سے نکلتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے: اے میرے بندے! میں نے تجھ کو دنیا میں پاک و صاف بھیجا اور میں نے تجھے یہ زندگی امانت کے طور پر عطا کی ہے۔ پس میں دیکھوں گا کہ تو اس امانت کی حفاظت کس طرح کرتا ہے اور کس حال میں میرے ساتھ ملاقات کرے گا۔ دوسری بار روح نکلنے کے وقت کہا جاتا ہے: اے میرے بندے! کیا تو نے میری دی ہوئی امانت کو اچھی طرح رکھا؟ کیا تو نے اس کی حفاظت کی؟ حتیٰ کہ وعدہ کے مطابق میرے پاس آیا، تاکہ تجھ سے وفائے عہد

کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

ایک بندے پر توبہ کے واجب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بندہ اپنے اعضاء و جوارح کے گناہ میں ملوث ہونے سے مبرا نہیں ہے۔ اگر وہ کسی وقت اعضاء بدن کے گناہ سے مبرا ہو جائے تو بھی وہ نفس کی برائیوں اور دل کے قصد گناہ سے محفوظ نہیں۔ پھر اگر وہ قصد گناہ سے مامون ہو بھی جائے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہٹانے والے شیطانی وسوسوں سے مبرا نہیں۔ اگر شیطانی وسوسوں سے بچ جائے تو اللہ کی ذات و صفات کے متعلق علم حاصل کرنے میں جو کوتاہی و غفلت واقع ہو جاتی ہے اس سے انسان کبھی بھی مبرا نہیں ہو سکتا۔ پس اس قسم کا ہر نقص انسان کو خود سے دُور کرنا اور اس سے مراجعت کرنا چاہیے اور اسی کا نام توبہ ہے۔

چونکہ ہر انسان اس قسم کے کسی نہ کسی نقص کا شکار رہتا ہے لہذا ہر انسان پر اس کے حال کے مطابق توبہ واجب ہے۔ اگر کوئی بندہ کسی لحظہ میں اپنے گناہوں سے توبہ کی حالت میں نہ رہے اور اس کو موت آجائے تو اس کی روح کا بلا توبہ کے نکلنا لازم آئے گا۔ کیونکہ کوئی بندہ موت سے پہلے ایک لحظہ کے لیے بھی مذکورہ بالا گناہوں میں کسی ایک سے مبرا نہیں ہوتا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہر بندہ کے لیے ہر حال میں توبہ کرنا واجب ہے۔

بعض عارفوں کا ارشاد ہے: اگر کوئی عاقل انسان اپنی بقیہ زندگی میں اگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بغیر گزری ہوئی عمر پچھتاوے کے آئینہ بھانپے تو اس کا یہ عمل اس کو بدتر موت کی طرف کھینچ لے جائیگا۔ یعنی ایک عاقل کی باقی ماندہ عمر اس کے ماضی کی جہالت میں گزری ہوئی

ملک الموت جواب دیتا ہے: تو نے اپنی زندگی کے بہت سے گھنٹے ضائع کر دیے لہذا اب تجھے ایک لمحے کی مہلت بھی نہیں ملے گی۔ تب اس پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا جاتا ہے۔ پھر اس کے حلق سے غرغری کی آواز آنا شروع ہو جاتی ہے اور اس کی سانس رکنے لگتی ہے۔ وہ اپنی عمر ضائع کرنے کی ندامت اور اپنی ناکامی پر حسرت کے غم میں تڑپنے لگتا ہے۔ اس خوفناک حالت میں اس کا اصل ایمان بے قرار ہو جاتا ہے اور اس وقت اس کی جان نکل جاتی ہے۔ اگر خدائی رحمت اس کی طرف بڑھے اور اس کی روح توحید پر نکلی تو اسی کا نام حسن خاتمہ ہے۔ اگر اس کی شقاوت کے مطابق اس پر غضب آیا، اس کی روح شک و شبہ اور بے قراری کی حالت میں رخصت ہوئی تو اس کا نام سو خاتمہ ہے۔ لے

پس اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ توبہ کبھی تو شریعت کی رو سے واجب ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ کوئی بندہ محرمات اور ترک واجبات کا مرتکب ہو بعض صورتوں میں توبہ شرعاً واجب نہیں ہوتی۔ تاہم ضروری ہوتی ہے جیسا کہ دل میں بڑے خیالات کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو سمجھنے میں کوتاہی کرنے پر توبہ ضروری ہوتی ہے۔ جامع السعادات کی طرح بہت سی کتابوں میں انبیاء کے استغفار اور توبہ کے متعلق جو بیانات آتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ استغفار دوام ذکر الہی کو ترک کرنے اور شہود و استغراق کے مقام سے غفلت برتنے کے سبب سے ہے۔ یعنی ہماری طرح گناہوں میں محور ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ مباح کاموں میں مشغول ہونے کے باعث توبہ اور طلب مغفرت کرتے ہیں۔

لے جامع السعادات جلد ۳ صفحہ ۹۰

کیا جائے یا تو نے اس امانت کو ضائع کیا اور اب تجھ پر بادِ پرس اور عذاب ہے۔ اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”تم میرے عہد و اقرار کو پورا کرو تو میں بھی تمہارے عہد کو پورا کروں گا“ (سورۃ بقرہ - آیت ۴۰)

نیز ارشادِ باری ہے:

”جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا لحاظ رکھتے ہیں“

(سورہ مومنون - آیت ۸)

روایت کی گئی ہے کہ جب ملک الموت کسی انسان کی روح قبض کرنے آتا ہے تو وہ اس کو بتاتا ہے کہ اب تمہاری زندگی ایک ساعت باقی ہے اور اس کے ختم ہونے میں کسی طرح کی تاخیر ممکن نہیں۔ اس بات سے اس شخص کو حسرت اور غمگینی لاحق ہو جاتی ہے۔ وہ جینے کی ایک گھڑی بھر کی مہلت ملنے پر دنیا کی ساری نعمتیں چھوڑ دینے کو تیار ہو جاتا ہے تاکہ اس تھوڑے سے عرصے میں کوئی نیک عمل بجا لاسکے، حالانکہ اس کے لیے یہ ممکن ہی نہیں ہوتا۔

یہ روایت بھی ہے کہ جب کسی قریب المرگ انسان کی آنکھوں سے ظاہر کا پردہ ہٹ جاتا ہے تو وہ ملک الموت سے عرض کرتا ہے کہ ”مجھے ایک دن کی مہلت دی جائے تاکہ میں اپنے پروردگار کے حضور غدر خواہی کروں، توبہ کروں اور اپنے لیے عمل صالح کروں یعنی کچھ توشہ آخرت حاصل کر لوں“ ملک الموت جواب دیتا ہے: ”تو نے اپنی زندگی کے بہت سے ایام ضائع کر دیے۔ لہذا اب کوئی دن تجھ کو مہلت کے طور پر نہیں ملے گا۔“ پھر وہ کہتا ہے: مجھے ایک گھنٹہ کی مہلت ہی دیجائے۔

عمومی حکم توبہ پر مشتمل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
”اور تم سب لوگ اللہ کی توبہ کرو“

(سورہ نور-آیت ۳۱)

اس حکم میں تمام انسانوں کے شامل ہونے کے بارے میں کوئی شبہ نہیں۔ البتہ انبیاء و اوصیاء کے لیے دوام ذکر الہی سے کبھی کسی قدر غفلت یا بعض مباحات میں مشغولیت ہی باعث توبہ بن جاتی ہے اسی لیے وارد ہوا کہ نیکو کار لوگوں کے لیے جو چیزیں حسنات کا درجہ رکھتی ہیں وہ مقربین کے لیے سببات کے درجے میں ہوتی ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر رات دو دن میں سو مرتبہ اللہ کی طرف توبہ و استغفار کرتے تھے بغیر کسی گناہ کے، اور یقیناً اللہ اپنے اوصیاء کو مصائب سے دوچار کرنا ہے انہیں اجرد بننے کے لیے۔ حالانکہ ان سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا۔ ایسا اس لیے ہے کہ لفظ ”ذنب“ ہر ایک کی قدر و منزلت کے اعتبار سے اس کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اسی سے انبیاء اور ائمہ معصومین علیہم السلام نے اپنے لیے ”ذنب یا ذنوب“ (بحالت جمع) کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ کیونکہ ان کی پاکیزگی اور نورانیت کے اعتبار سے ایک لمحے کے لیے بھی ذکر و توبہ الی اللہ سے برائے نام غفلت بھی ان کے نزدیک انکا قصور قرار باقی ہے اور اس کے لیے وہ توبہ استغفار کرتے ہیں۔
(حق الیقین صفحہ ۱۹۷)

واضح رہے کہ توبہ کرنے کا وجوب تمام اذکار اربعہ یعنی آیات قرآنیہ، احادیث معصوم، اجماع مشروط اور دلائل عقلیہ سے ثابت ہے۔

جہاں تک آیات کا تعلق ہے تو ارشاد ربانی ہے:
”اور تم سب توبہ کرو اللہ کی طرف اے ایمان والو! تاکہ تم فلاح پاؤ“
(سورہ نور-آیت ۳۱)
اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کی طرف نصیحت آمیز توبہ کرو۔ ممکن ہے کہ تمہارا پروردگار تمہاری برائیوں کا تمہاری طرف سے کفارہ ادا کر دے“

(سورہ تحریم-آیت ۸)

مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں صریحاً امر توبہ موجود ہے اور نصیحت آمیز توبہ سے مراد ایسی توبہ ہے جو خالصتہً لوجہ الی اللہ اور دوسرے تمام اغراض سے خالی ہو۔ نہ مال و جاہ کا لالچ ہو نہ کسی قسم کا خوف خلق ہو۔ علاوہ بریں یہ قول باری تعالیٰ بھی توبہ ہی کے بارے میں ہے:
”کہہ دیجیے کہ اے میرے وہ بندو، جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے، تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ یقیناً اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔ کیونکہ وہ بہت بڑا بخشنے والا اور مسلسل رحم کرنے والا ہے“ (سورہ زمر-آیت ۵۳)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر تمام حجت بھی ہے، توبہ کی ترغیب بھی ہے اور قبولیت دعا کا وعدہ بھی۔ وہ اس طرح کہ اللہ نے لوگوں کو اپنے بندوں کی حیثیت سے آواز دی ہے اور بندوں کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنے آقا کی اطاعت کریں۔ اسی کے ساتھ رشتہ عبدیت اللہ کی رحمت و معفرت کی طرف رغبت بھی دلاتا ہے۔ آیت کریمہ

کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”مجھے دنیا اور اس کے جملہ خزانوں سے محبوب تر یہ آیت ہے: اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم و اسراف کیا ہوا الخ“ پس ایک شخص نے کہا: ”اگر وہ مشرک ہو تب بھی؟“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قدرے خاموش رہے، پھر فرمایا: ”سوائے اس شخص کے جو مشرک ہو“ میں کہتا ہوں کہ اس روایت میں کہیں سے کچھ سہو واقع ہوا ہے۔ کیونکہ یہ امر پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس آیت میں گناہ شرک بھی شامل ہے۔ بشرطیکہ اس کے بعد توبہ کر لی جائے۔ (تفسیر المیزان جلد ۱ صفحہ ۲۸۴)

نیز تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ایک قول کی بنا پر یہ آیت: ”اے میرے وہ بندو الخ“ قاتل حمزہ وحشی کے بارے میں نازل ہوئی جبکہ اس نے اسلام لانے کا ارادہ کیا۔ مگر اسے یہ خوف لاحق تھا کہ اس کی توبہ قبول نہ ہوگی۔ پس جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ مسلمان ہو گیا۔ تب یہ کہا گیا: ”یا رسول اللہ! یہ آیت اسی کے لیے بالخصوص نازل ہوئی ہے یا تمام مسلمانوں کے لیے؟“ تو آپ نے فرمایا: ”تمام مسلمانوں کے لیے“

ابن طاووس علیہ الرحمہ کی کتاب ”سعد السعود“ میں تفسیر کلبی کے حوالے سے منقول ہے کہ وحشی اور مشرکین کے چند دوسرے لوگوں نے پیغمبر اکرم کی طرف پیغام بھیجا کہ ہمیں آپ کا دین قبول کر لینے میں بس یہ امر مانع ہے کہ آپ اپنی کتاب (یعنی قرآن مجید) میں پڑھتے ہیں کہ جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو بھی پکارتا ہے، کسی کو (ناحق) قتل کر دیتا ہے اور زنا کا مرتکب ہوتا ہے، وہ گناہ سے بچا رہے

میں گناہ کرنے کو لفظ ”اسراف“ سے پیش کیا گیا ہے جس کے معنی ہیں حد سے گزر جانا اور چونکہ گناہوں کا ارتکاب حدود و عیدیت سے گزر جانا ہے۔ لہذا وہ اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے۔ رہی یہ بات کہ خطاب تمام انسانوں سے ہے یا مومنین سے؟ تو یہ مقام اس امر کی تحقیق کا نہیں ہے۔ پھر یہ فرمان کہ ”تم مایوس نہ ہو اللہ کی رحمت سے“ تو ظاہر ہے کہ اس سے مراد آخرت کی رحمت ہے اور یہ رحمت مغفرت کی شکل میں ظاہر ہوگی۔ جیسا کہ مغفرتِ ذنوب کے وعدے سے ثابت ہے۔

(تفسیر المیزان جلد ۱ صفحہ ۲۹۵)

ان آیتوں کے علاوہ دوسری آیتوں سے بھی توبہ کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے۔

جہاں تک احادیث کا تعلق ہے تو تفسیر مجمع البیان میں امیر المومنین علیہ السلام کا یہ قول منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: ”قرآن مجید میں اس آیت سے زیادہ وسعت رحمت و مغفرت رکھنے والی کوئی اور آیت نہیں جس میں اللہ نے فرمایا ہے: ”اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم و اسراف کیا ہے الخ“ اور تفسیر المیزان میں ہے کہ تفسیر درمنثور میں ابن سیرین کے حوالے سے حضرت علی علیہ السلام ہی کا یہ قول منقول ہے کہ وہ فرمان الہی اس سے بھی زیادہ امیدافزا ہے:

”اور یقیناً عطا کرے گا آپ کا رب آپ کو تو آپ راضی ہو جائیں گے“ (سورۃ فتحی - آیت ۵)

اسی تفسیر درمنثور میں احمد ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردودہ اور بیہقی کے حوالوں سے ثوبان کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ

پھر وہ جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں“ (سورہ تسار- آیت ۱۷) کے بارے میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: ”ہر وہ بُرائی جسے کوئی بندہ خدا کرتا ہے وہ جہالت اور نادانستگی ہی ہے، چاہے وہ اسے عمداً ہی کیوں نہ کرے کیونکہ وہ جہالت ہی ہے جو کسی کو گناہ کی دعوت دیتی ہے اور اسے اس کی نگاہ میں خوبصورت بناتی ہے“ اور ”جلد ہی توبہ کر لینے“ کا مطلب یہ ہے کہ موت سے پہلے ہی توبہ کر لے۔ کیونکہ انسان اور اس کی موت کے درمیان جو فاصلہ ہے وہ قریب ہی کا فاصلہ ہے۔ لہذا یقیناً موت سے پہلے جو توبہ کر لی جائے وہ مقبول ہوتی ہے۔“

اور امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ”گناہوں سے توبہ کر لینے والا اس کی مانند ہے جس نے گناہ کیا ہی نہ ہو اور گناہ اور استغفار سا تھسا تھسا کرنے والا مذاق اڑانے والے کی مانند ہے۔“ امامؑ ہی نے فرمایا: ”جب بھی مومن توبہ و استغفار کے ذریعہ خدا کی طرف لوٹتا ہے، اللہ اس پر مغفرت کے ذریعہ کرم فرماتا ہے۔ وہ غفور و رحیم ہے، توبہ قبول کرتا ہے اور برائیوں سے درگزر کرتا ہے۔“

(سفینۃ البحار جلد ۱ صفحہ ۱۲۶-۱۲۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آخری خطبے میں فرمایا: جو شخص اپنی موت سے ایک سال پہلے توبہ کرے، اللہ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔ پھر آنحضرتؐ نے فرمایا: ”سال تو زیادہ ہے جو ایک ماہ پہلے توبہ کرے، اللہ اس کی توبہ بھی قبول فرماتا ہے۔“ پھر آپؐ نے فرمایا: ”مہینہ بھی زیادہ ہے، جو شخص اپنی موت سے ایک جمعہ پہلے توبہ کرے اللہ اس کی توبہ بھی قبول کر لیتا ہے۔“ پھر فرمایا: ”ایک جمعہ بھی زیادہ

ہوتا ہے، وہ ہمیشہ کے لیے عذاب میں رہے گا۔ جبکہ ہم لوگوں نے یہ تمام جرائم کیے ہیں۔“ پس پیغمبر اکرمؐ نے ان کے جواب میں یہ ارشاد و خداوندی بھیج دیا: ”مکر وہ جو توبہ کرے، ایمان لائے، اور عمل صالح کرے۔“ ان لوگوں نے دوبارہ پیغام بھیجا: ”ہمیں خوف ہے کہ ہم عمل صالح نہ کر سکیں گے۔“ تب نبی کریمؐ نے یہ فرمان الہی ان کی طرف روانہ کیا: ”یقیناً اللہ اس (جرم) کو نہیں معاف کرے گا کہ اس کا کسی کو شریک ٹھہرایا جائے۔ اس کے علاوہ دوسرے گناہوں کو اللہ بخش دے گا جس کے لیے وہ چاہے گا۔“ انہوں نے پھر یہ کہا: ”ہمیں خوف ہے کہ ہم اس مشیت (یعنی چاہنے) میں شامل نہ ہوں۔“ تو حضور اکرمؐ نے ان کی طرف یہ آیت بھیج دی: ”اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم و اسراف کیا ہے الخ“ اس کے بعد وہ لوگ آئے اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ آنحضرتؐ نے وحشی سے کہا: ”تم میری نگاہوں سے دور رہو کیونکہ تمہاری طرف دیکھنا پسند نہیں کرتا۔“ چنانچہ وہ شام چلا گیا اور مقام خمر سے یا شراب نوشی سے مرگیا۔ (المیزان جلد ۷ صفحہ ۳۰۲)

امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت ”اللہ کے لیے توبہ قبول کرنا تو بس ان لوگوں کے لیے ہے جو نادانستہ برائی کر بیٹھے ہیں اور

لے اگر یہ مقام کا نام ہے تو اس کا تلفظ ”خمر“ ہے جو مدینے کے قریب ایک گاؤں ہے لیکن غالباً یہ کتابت کی غلطی ہے اور صحیح لفظ ”حمص“ ہے یا اگر لفظ ”خمر“ بمعنی شراب ہے تو بھی درست ہو سکتا ہے کیونکہ یہ شخص شرابی تھا اور کئی مرتبہ اسے سزا بھی مل چکی تھی۔

اور دعوات الراءندی میں ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: اللہ اپنے بندے کی توبہ اس وقت تک قبول فرماتا رہتا ہے۔ جب تک اس کا دم حلق تک نہ آجائے۔ لہذا اے لوگو! اپنے رب کی طرف توجہ کرو موت سے پہلے نیک اعمال کی طرف جلدی کرو، دوسری مشغولیوں سے پہلے اور اپنے رب کے ساتھ اپنا رشتہ قائم رکھو، اس کا بار بار ذکر کر کے۔

(بحار الانوار جلد ۶ صفحہ ۱۹)

امام جعفر صادق یا امام محمد باقر علیہما السلام کا ارشاد ہے: حضرت آدم علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں مناجات کی: پروردگار! تو نے مجھ پر شیطان کو مسلط کیا اور اسے رگ و پے میں خون کی گردش کی طرح روانی عطا کی، لہذا مجھے اس کے دفاع میں کچھ عطا فرما۔ رب العزت نے فرمایا: اے آدم! میں تمہیں اس کے دفاع میں یہ دے رہا ہوں کہ تمہاری ذریت میں سے جو کوئی کسی برائی کا ارادہ کرے گا تو وہ اس کے نامہ اعمال میں نہیں لکھی جائے گی۔ پھر اگر وہ اس کا ارتکاب کرے گا تو صرف ایک ہی گناہ لکھا جائے گا۔ لیکن جو کوئی کسی نیکی کا ارادہ کرے گا تو چاہے وہ اس پر عمل نہ کرے، اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دی جائے گی اور اگر وہ اس پر عمل کرے گا تو اس کے لیے دس نیکیوں کا ثواب لکھا جائے گا۔

حضرت آدمؑ نے عرض کی: پروردگار! کچھ اور بھی عطا فرما۔ پروردگار نے فرمایا: ”میں تمہیں یہ رعایت بھی دیتا ہوں کہ تمہاری ذریت میں سے جو شخص کوئی برائی کرے گا اور پھر طلب مغفرت کرے گا تو میں اسے بخش دوں گا۔“

ہے۔ جو شخص ایک دن پہلے توبہ کرے، اللہ اس کی توبہ بھی قبول کر لیتا ہے۔ پھر فرمایا: ”ایک دن بھی زیادہ ہے، جو ایک ساعت پہلے توبہ کرے، اللہ اس کی توبہ بھی قبول کرتا ہے۔“ پھر فرمایا: ”ایک ساعت بھی زیادہ ہے، جو اس وقت بھی توبہ کرے، جب اس کی جان حلقوم تک پہنچ گئی ہو، تب بھی اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔“ (من لایحضرہ الفقہ جلد ۱ صفحہ ۷۹)۔

فقہی نے بھی عبادہ ابن صامت کی سند سے اسی حدیث کو معمولی اختلاف کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (بحار الانوار جلد ۶ صفحہ ۱۶)

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے تحریر کیا ہے: ”بعض مفسرین کا قول ہے کہ یہ بھی اللہ جل شانہ کے اس کے بندوں پر انطاف میں سے ہے کہ وہ روح قبض کرنے والے فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ وہ پیروں کی انگلیوں سے روح نکالنا شروع کرے اور آہستہ آہستہ سینے تک پہنچے پھر حلق تک آئے تاکہ اس حملت میں مرنے والا اپنے دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے، وصیت کرے، ملک الموت کو دیکھنے سے پہلے توبہ کرے، لا الہ الا اللہ کا ورد کرے اور اللہ کو یاد کرتا رہے۔ یہاں تک کہ اس کی روح جسم سے نکلے تو اس کی زبان پر اللہ کا ذکر ہو اور اس کا خاتمہ بالخیر ہو۔“ ہم سب کو اللہ اپنے احسان و کرم سے اس امر کی توفیق عطا فرمائے۔ (بحار الانوار جلد ۶ صفحہ ۱۶)

۱۔ علامہ مجلسی نے اس حدیث کے بارے میں کچھ توقف فرمایا ہے اور اس سے مراد توبہ کو مراد لیا ہے اور فرمایا ہے کہ حالت نزع کی توبہ صرف اضطراری حالت میں قبول ہو سکتی ہے۔

جیسے چاہے اللہ پلننا رہتا ہے۔ (من لایحضرہ الفقہ جلد ۱ صفحہ ۸۱)
 جہاں تک وجوب توبہ میں انعقاد اجماع کا تعلق ہے تو جاننا
 چاہیے کہ اس میں کوئی کلام نہیں ہے۔ رہا دلیل عقلی کا معاملہ تو اس
 ضمن میں اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ جس کو توبہ اور اس کے وجوب کے
 معنی معلوم ہو جائیں۔ اس کے لیے وجوب توبہ میں شک و شبہ کرنے
 کی گنجائش نہیں ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ کے احسان و کرم سے حسن خاتمہ کی دعا کرتے ہیں
 اور تمام حالات میں ساری حمد بس اللہ ہی کے لیے ہے۔ پھر درود اور
 سلام ہے نبی رحمت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور
 ان کے پاک اہلبیت پر۔

حضرت آدمؑ نے درخواست کی: ”پالنے والے! کچھ اور بھی کرم!“ تو
 ارشاد ربانی ہوا: ”میں نے ان کے لیے توبہ کا درکھول دیا ہے یا یہ ارشاد
 ہوا: میں نے ان کے لیے توبہ میں اتنی وسعت دیدی ہے کہ جب تک
 دم گلے میں نہ آجائے اس کی گنجائش رہے گی۔“ حضرت آدمؑ نے کہا:
 ”پروردگار! اب کافی ہے۔“ (انکا فی جلد ۴ صفحہ ۱۷۲ طبع ایران)
 اور امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: شیطان ہمارے
 دوستوں کے پاس ان کی نزع کے وقت داپنے یا بایں ہاتھ سے آکر
 انھیں گمراہ کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے مگر اللہ ان کو محفوظ رکھتا ہے۔
 اسی امر کی جانب اللہ تعالیٰ اشارہ فرماتا ہے، اپنے اس قول میں:
 ”اللہ ثابت قدم رکھتا ہے ان لوگوں کو جو ایمان لائے
 ہیں قول ثابت کے ذریعے زندگی دنیا میں بھی اور
 آخرت میں بھی۔“ (سورہ ابراہیم ۳۔ آیت ۲۷) لہ

اور آج بخواب ہی کا ارشاد ہے: ملک الموت سے پوچھا گیا:
 آپ لوگوں کی روحوں کو ایک ہی ساعت میں کیسے قبض کرتے ہیں جبکہ
 ان میں سے بعض مغرب میں ہوتے ہیں تو بعض مشرق میں ہوتے ہیں؟
 انہوں نے جواب دیا: میں روحوں کو بلاتا ہوں تو وہ میری طرف آجاتی
 ہیں۔ ساری دنیا میرے سامنے اسی طرح سے ہے جیسے تم میں سے کسی
 کے سامنے کوئی پیالہ ہوتا ہے کہ وہ اس میں سے جہاں سے چاہتا
 ہے لے لیتا ہے یا یوں کہ جیسے کسی کے ہاتھ میں کوئی درہم ہو جسے وہ

(سلام) دین معرفت

جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے یہ کتاب اسلام کے مختلف احکام سے بحث کرتی ہے جو انسان کی دینی اور دنیاوی فلاح کا موجب ہیں۔

انسان فطری طور پر اچھائی سے محبت اور بُرائی سے نفرت کرتا ہے اور بُرے کام کرنے والوں کو حتی الامکان سزا بھی دیتا ہے۔ ہر ملک کے قوانین و ضوابط اور عدالتی ادارے اس حقیقت کے شاہد ہیں۔ بد قسمتی سے انسان کے بنائے ہوئے اصول و قوانین میں یہ خرابی ہوتی ہے کہ وہ ایک یا چند اشخاص کے دماغوں کی اختراع ہوتے ہیں اور چونکہ انسانی عقل محدود ہے اور اس کے فیصلے اکثر ذاتی پسند اور ناپسند یا وقتی مصالح کی بنیاد پر ہوتے ہیں اس لیے ان میں توازن اور استواری کا فقدان ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہر ملک کے قوانین میں آئے دن ترمیم ہوتی رہتی ہے۔

اس کے برعکس چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس علیم، خبیر اور عالمِ کل ہے اس لیے اُس کے وضع کردہ قوانین مکان و زمان کی قید سے آزاد ہوتے ہیں اور ان میں کسی تبدیلی کی گنجائش نہیں ہوتی اور یہ امتیاز فقط دین اسلام کو حاصل ہے کہ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام اور پیشوایانِ دین کے ارشادات جو درحقیقت احکامِ الہی ہی کی تفسیر ہیں قرآن مجید اور احادیث کی شکل میں محفوظ ہیں۔

زیر نظر کتاب دو جلدوں میں منقسم ہے اور ہر جلد میں احکامِ اسلامی کے مختلف عنوانات قائم کر کے ہر ایک سے الگ الگ بحث کی گئی ہے۔ اس سلسلے کی تیاری میں جن مآخذ سے استفادہ کیا گیا ہے ان کے حوالے حاشیے میں درج ہیں۔

امید ہے مختلف مسائل کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر سمجھنے کے لیے یہ کوشش مفید ثابت ہوگی۔

(سلام) دین فطرت

موجودہ دور کی سرلیح اور مخیر العقول سائنسی ترقی کو مد نظر رکھتے ہوئے انسان یہ سمجھنے لگا ہے کہ اب اسے مذہب کی حاجت نہیں رہی۔ اس کے خیال کے مطابق مذہب پر مبنی نظام ایک ایسی فرسودہ چیز ہے جس پر عمل درآمد محض تفسیع اوقات ہے اور یہی وہ خام خیالی ہے جس نے عصر حاضر کے انسان کو گونا گوں مصیبتوں اور پریشانیوں میں مبتلا کر رکھا ہے۔

زیر مطالعہ کتاب میں مذہب کی ضرورت اور افادیت اور دین اسلام کی حقیقت کا مختصر لیکن واضح نقشہ پیش کیا گیا ہے تاکہ بنی نوع انسان کے اذہان کو مادہ پرستی اور لامذہبیت کے چنگل سے نجات ملے اور وہ سائنس کی پیش رفت، توحید پرستی اور اسلام کی حیات بخش تعلیمات کی ہم آہنگی کا ادراک کر سکیں۔ چنانچہ اس کتاب میں اسلامی اصولوں اور نظریات کی صحت کی معقول اور مدلل بنیاد فراہم کی گئی ہے۔ اس کتاب میں جن عنوانات سے بحث کی گئی ہے ان میں مذہب اور انسانی زندگی اسلام کے بنیادی عقائد، حیات بعد از ممات، انبیائے کرام کا مشن اور کردار، اسلامی تعلیمات، اسلامی نظم و نسق کا بنیادی معیار عمل اور پیشوایانِ اسلام کے مختصر سوانح حیات وغیرہ شامل ہیں۔ امید ہے ان مطالب کے مطالعے سے قارئین کو نہ صرف غور و فکر کا موقع ملے گا بلکہ روحانی سکون بھی حاصل ہوگا اور وہ محسوس کریں گے کہ یہ کتاب ایک ایسی روشن مشعل ہے جو ان کی رہنمائی فلاح و نجات کی صراطِ مستقیم کی جانب کرتی ہے۔

سرت پور
چهار دہ صد سالہ یادگار
۱۵
کتاب
کتاب

اسلام

دین حکمت

جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان 'اسلام دینِ فطرت' 'اسلام دینِ معاشرت' اور 'اسلام دینِ معرفت' کے بعد اس سلسلے کی چوتھی کتاب 'اسلام دینِ حکمت' قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے فخر محسوس کرتی ہے۔

'اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے' یہ جملہ تمام ذرائعِ ابلاغ کے ذریعے اکثر و بیشتر سُننے میں آتا ہے لیکن اس کی توضیح و تشریح بہت کم کی جاتی ہے۔ موجود کتاب کی غرض و غایت اسی جملے کی تشریح ہے چنانچہ اس میں اسلام کے نقطہ نگاہ سے انسان کی زندگی کے بیشتر روحانی اور مادی پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے اور جہاں ایک طرف ایمان، جہاں بینی اسلام، توحید الہی، خود سازی، چہادِ تقویٰ اسلام کے اجتماعی نظام اور خلافت اور امامت جیسے موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے وہاں ازدواج، ملکیت اور قضاوت جیسے فقہی مسائل اور اسلامی اخلاقیات کے اصول و مبادی بھی بالتفصیل بیان کیے گئے ہیں اور یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ گونا گوں اسلامی موضوعات اور مسائل پر مبنی اتنی جامع کتاب آج تک پیش نہیں کی گئی۔

یہ کتاب اسلام شناسی پر ایک مقدمے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اُمید ہے کہ اس کے مطالعے سے ایک قاری کو دینِ اسلام کے بارے میں بنیادی معلومات کی جابجائی حاصل ہو جائے گی اور وہ اس قابل ہو جائے گا کہ مختلف دینی موضوعات پر مزید تحقیق کا سلسلہ جاری رکھ سکے۔

جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان کی مطبوعات

وسیلۃ النجات	اسلام دین فطرت
توضیح المسائل آیت اللہ سیستانی (مجلد)	اسلام دین معاشرت
حکایات القرآن (مجلد)	اسلام دین معرفت
حیات انسان کے چھ مرحلے	اسلام دین حکمت (مجلد)
مقالات مطہری	فلسفہ معجزہ
بُت شکن	فلسفہ شہادت
مرد انقلاب	فلسفہ ولایت
ہار جیت	فلسفہ حجاب
بہلول دانا	فلسفہ احکام
نخن (مجلد)	تاریخ عاشورا
ابو طالب - مظلوم تاریخ	گفتار عاشورا
البیان (تفسیر سورہ حمد)	پنائے کر بلا
حیات پنجتن (مجلد)	مرگ گل رنگ
سیر و سلوک	مکتب اسلام
انسان کامل	مکتب رسول
اسلامی قانون سزا (مجلد)	مکتب تہذیب
سیرت ائمہ اہلبیت (۲جلدیں)	آخری فتح
پاسداران اسلام	انتظار امام
دعائے خلیل، نوید مسیحا (سیرت رسول)	اسلام کی خاتون اول خدمتہ الکبریٰ
اسلامی داستانیں	سیدۃ النساء العالمین فاطمۃ الزہراء
زمزمہ اہلبیت (دعائیں اور وظائف)	شریکۃ الحسین زینب علیا مقام

بچوں کے لئے ایمان افروز کہانیاں بھی دستیاب ہیں۔